حماسۂ حسینی

(جلد سوم)

تالیف

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ

دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

حماسۂ حُسینی

جلد سوم

تالیف

اُستاد آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ترجمہ

سید محمد سعید موسوی

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام	حماسۂ حُسینی جلد سوم
تالیف	استاد آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ
ترجمہ	سید محمد سعید موسوی
تصحیح	سید رسالت کوثر
تزئین و آرائش	طبیب حسین کنانی، سید حسنین عابدی
حروف بندی	سید محمد صادق شرف الدین
ناشر	دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان
طبع اوّل	شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ
طبع دوم	ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

تمام حمد وستائش مختص ہے ذات بے ہمتا و یکتا کے لئے، ذات لطیف کی الطاف خاصہ، رحمتیں اور برکتیں ہوں ہادیان برحق انبیاء وآئمہ طاہرینؑ بالخصوص حسینؑ فدائے اسلام وقرآن پر اور اس نہضت وقیام کے پہلے دن سے لے کر منجی بشریت کے ظہور تک کے تمام پیروان حقیقی پر۔ ذاتِ قہار کی لعنت ونفرین ہو جادۂ الٰہی سے منحرف لوگوں پر اور اس سے منحرف کرنے والوں پر خواہ وہ کسی بھی رنگ ونسل سے تعلق رکھتے ہوں۔

الحمد اللہ آیت اللہ شہید مرتضی مطہریؒ کی مشہور زمانہ کتاب ''حماسہ حسینی'' کی تیسری جلد کا اردو ترجمہ عاشقان وشفیتہ گان مکتب حسینی کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

مناسب وموزوں ہوگا اس جلد میں لفظ حماسہ کے جو معنی بیان ہوئے ہیں اس کی بھی کچھ وضاحت ہو جائے، حماسہ حسینی کے مظاہر ومصادیق کو بیان کرتے ہوئے شہید مطہریؒ نے جس حماسہ کا مظاہرہ کیا ہے اس کیلئے وہ خود بھی خراج عقیدت کے مستحق ہیں اور ہمیں بھی ایسے ہی حماسہ کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے ان تمام باتوں کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ کا عنوان قرار دیا ہے۔

حماسہ:

''حماسہ'' ح۔م۔س یا ش سے مرکب ہے، معروف معاجم لغت عرب معجم مقالیس لغت اور لسان عرب میں حماسہ کے درج ذیل معانی بیان ہوئے ہیں:

۱۔ شجاعت، جرأت دلیری اور اپنے موقف پر سختی اور شدت سے باقی رہنا۔

۲۔ جنگ وجہاد

۳۔ تنور کی آگ سے نکلنے والا شعلہ

۴۔ قریش اور ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل دیگر قبائل پر مشتمل ایک گروہ، اہل لغت نے اس گروہ کو **حمس** یا **احمس** کہا ہے انھیں **حمس** یا **احمس** کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے دین میں شدت اور سختی کو اپناتے تھے۔

ڈاکٹر محمد ابراہیم شریف اپنی کتاب ''مکہ ومدینہ دور جاہلیت اور عہد رسول ﷺ میں'' ص ۱۵۶ پر قمطراز ہے کہ قبیلہ **حمس** اس قسم کے تشدد کا مظاہرہ اپنی ذاتی اور قومی حیثیت کو اجاگر کرنے، خود کو دوسروں سے ممتاز گردانے اور دوسروں کو نیچا اور حقیر دکھانے کی خاطر کیا کرتا تھا، حج اور مقامات مقدسہ حج سے متعلق لکھی گئی کتابوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے اس قسم کے تشدد کے مظاہرہ کو علمائے تاریخ نے خرافات حج میں شمار کیا ہے قارئین کرام کی معلومات کے لئے ان خرافات کی مندرجہ ذیل چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

۱۔ لباس طواف

قبیلہ پرستی کے مذموم عزائم کو فروغ دینے کیلئے انہوں نے عرب میں اس فکر کو متعارف کیا کہ قبیلہ حمد کے علاوہ کوئی اور اپنے لباس میں کعبہ کا طواف نہ کرے، اپنے مفادات کو مزید پروان چڑھانے کیلئے یہ لوگ ''مازِرْ'' طواف کے نام سے ایک لباس بازار میں لائے طواف کرنے کے لئے لوگوں کو بازار سے یہ لباس خریدنا پڑتا تھا چنانچہ وہ افراد جو اس لباس کو خریدنے یا کرائے پر حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے مجبوراً برہنہ طواف کرتے تھے کیونکہ اپنے ذاتی لباس میں طواف کرنا انکے لئے ممنوع تھا یہ صورت حال لوگوں میں جنسی طغیانی کا سبب بنتی تھی یہاں تک کہ اس مقدس گھر میں لوگ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے لگے چنانچہ تاریخ کعبہ میں ملتا ہے کہ ایک مرد وعورت جنکا نام اساف ونائلہ تھا اس گھر کے اندر فعل قبیح کے مرتکب ہوئے خداوند عالم نے اسی لمحہ اور اسی جگہ دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا قریش نے ان دونوں کو وہاں سے اٹھا کر اساف کو کوہ صفا پر اور نائلہ کو کوہ مروہ پر رکھ دیا تا کہ سعی کے دوران لوگ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کافی عرصہ تک لوگ انہیں دیکھ کر اظہار نفرت کرتے رہے لیکن رفتہ رفتہ نفرت کے بدلہ مجسمے لوگوں کا بوسہ گاہ بن گئے یہ سلسلہ سنہ ۹ ہجری تک جاری رہا یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ پر سورۂ برائت نازل ہوئی جس میں اللہ نے فرمایا: ''اللہ اور اسکا رسولؐ

دونوں مشرکین سے بیزار ہیں''اس آیہ مبارکہ کے نازل ہوتے ہی آپؐ نے اعلان فرمایا کہ آج کے بعد کوئی بھی اس گھر کا برہنہ طواف نہیں کرسکتا۔

۲۔وقوف عرفہ

دنیا بھر سے آنے والے حجاج ۹ ذی الحجہ کو سرزمین عرفہ میں وقوف کرتے ہیں دور قدیم سے دور حاضر تک اس عمل کو اہم ترین اعمال حج میں شمار کیا جاتا رہا ہے لیکن قبیلہ حمس کے لوگ اپنی ذاتی انانیت کی خاطر خود کو دوسروں سے ممتاز اور بیت کا مالک دکھانے کیلئے عرفات کی بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے وہ اسکا جواز یہ پیش کرتے تھے کہ چونکہ وہ اہل حرم ہیں اس لئے حرم سے باہر قیام نہیں کرسکتے جبکہ عرفات حرم سے باہر ہے یہ طرز عمل سنہ ۱۰ ہجری کو اپنے اختتام کو پہنچا۔

سنہ ۱۰ ہجری میں رسول اکرمؐ حجۃ الوداع کیلئے تشریف لائے تو جہاں آپؐ نے اور بہت سی خرافات کو ختم کیا وہاں اس امتیاز کو بھی مٹادیا اس طرح ان کی نخوت کا یہ بت بھی ٹوٹ گیا۔

۳۔سرزمین منیٰ میں محفل مشاعرہ

قبیلہ''حمس''کے افراد منیٰ میں قیام کے دوران سایہ میں نہیں بیٹھتے تھے تاکہ دوسروں پر یہ جتلا سکیں کہ وہ محبت بیت میں کتنا غرق ہیں، اس سرزمین میں پہنچ کر بھی خدا کی عبادت و بندگی کرنے کے بجائے انہیں اپنی حیثیت کو چمکانے کی فکر رہتی تھی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ محافل مشاعرہ کا اہتمام کرتے تھے جن میں طرح طرح سے اپنے آباؤ واجداد کی مدح سرائی ہوتی تھی قرآن کریم کی سورہ بقرہ آیت ۱۰۲ میں خدا نے ان کے اس عمل پر تنقید کی اور اسکی مذمت کرتے ہوئے حکم دیا کہ ان سب باتوں کو چھوڑ کر صرف اسے یاد کیا جائے اور اسی کا ذکر کیا جائے۔

۴۔گھروں میں دروازوں سے داخل ہونے کو خلاف احترام گردانتا؛

قبیلہ''حمس''کے لوگ حالتِ احرام میں جب اپنے گھروں کو واپس لوٹتے تھے تو دروازہ سے داخل ہونے کی بجائے چھت سے پھلانگ کر اندر جاتے تھے قرآن کریم میں انکے اس غیر عقلی اور غیر طبیعی فعل کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے خداوند عالم فرماتا ہے کہ تم جس عمل کو فضیلت کے طور پر پیش کرتے ہو اس میں کوئی خیر نہیں بلکہ خیر اس میں ہے کہ خدا و آخرت پر ایمان کے بعد دروازہ سے اپنے گھر میں داخل ہوجائے (بقرہ/۱۸۹)۔

۵۔ایام حج میں تبدیلی

قریش اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ ایام حج میں کسب کیا کرتے تھے لہذا حاجیوں کی تعداد میں قلت و کثرت سے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے تھے۔

ادھر یہ حال تھا کہ اطراف واکناف سے آنے والے حاجی سخت سردی اور سخت گرمی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ حج کو معتدل موسم میں رکھنے کی خاطر تاکہ زیادہ زیادہ سے تعداد میں حاجی جمع ہوسکیں، قریش حج کی تاریخ کو قمری کی بجائے شمسی حساب سے معین کرنے لگے اس طرح وہ اپنی مرضی کے مطابق حج کی تاریخوں میں تبدیلی کرلیا کرتے تھے، یعنی ایک سال محرم کے مہینہ کو دوسرے سال صفر کو اور پھر تیسرے سال دوبارہ ذی الحجہ کو حج کا مہینہ قرار دیتے تھے ہر سال میدان عرفہ چھوڑتے وقت آئندہ سال حج کے لئے حج کی تاریخوں کا اعلان کردیا جاتا تھا سورۂ مبارکہ توبہ کی آیت ۳۷ میں اللہ تعالی نے اس عمل کو کفر قرار دیا ہے:

﴿انما النسئی زیادة فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما و یحرمونہ عاما﴾ ''حرمت کے مہینوں میں تقدیم وتاخیر تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں کسی سال ایک مہینہ کو حلال کرلیتے ہیں اور کسی سال اسکو حرام کر دیتے ہیں''

قبیلہ''حمس''کی طرف سے اعمال حج میں کی گئی ان تحریفوں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں انکی سختی اور شدت پسندی فروغ مذہب کیلئے نہیں تھی بلکہ ان تمام اقدامات کا مقصد صرف اور صرف امتیاز کو ظاہر کرنا اور اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ تھا۔

مندرجہ بالا مثالوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ مذہب میں تشدد اور سختی کا مظاہرہ کرنا، ہر شخص کے لئے اور ہر وقت مستحسن عمل نہیں ہوتا ہمیں پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ آیا مذہب میں تشدد اور سختی مستحسن ہے یا سہل انگاری، نرمی، فراخدلی اور

وسعت نظری کا مظاہرہ کرنا بہتر ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک مختصر سی وضاحت کی ضرورت ہے عام مشاہدہ کہ آج کل کی دنیا میں یہ دونوں رویے بظاہر ایک دوسرے سے متضاد اور مختلف ہونے کے باوجود باہمی طور پر مل کر مذہب کو گرانے اور لوگوں کو مذہب سے بدظن کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اگر چہ ان دو متضاد رویّوں کے حامل افراد بظاہر ایک دوسرے کو سب وشتم کرتے نظر آتے ہیں لیکن تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں گروہ اپنا حق زحمت ایک ہی جگہ سے لیتے ہیں کیونکہ دونوں کا حتمی انجام ایک ہی ہے اگر ایک گروہ تشدد کے نام سے مذہب کو پیچھے رکھنے کی کوشش میں مصروف ہے تو دوسرا ترقی وتمدن کے نام سے مذہب کو اسکے بنیادی اصولوں سے منحرف کر کے ایک آزاد اور لبرل دین میں تبدیل کرنا چاہتا ہے لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تشدد اور وسعت نظری کے درمیان فرق کو واضح کیا جائے۔

حماسہ یا تشدد کی دو قسمیں ہیں:

حماسۂ مذموم یا ناپسندیدہ تشدد:

قدیم زمانے سے ہی سب لوگ اس قسم کے تشدد کی مذمت کرتے آئے ہیں جن لوگوں کے پاس اپنے اہداف ومقاصد کے حصول کے لئے کوئی دلیل ومنطق نہیں ہوتی وہ ان اہداف کے حصول کے لئے سختی پر اتر آتے ہیں اور تشدد کی راہ اپناتے ہیں اسکو مذموم یا ناپسندیدہ تشدد کہتے ہیں آجکل کی زبان میں اسے ڈکٹیٹر شپ، انتہا پسندی یا فرعونیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دور قدیم کی قطاع الطریق کشور کشائی اور دور جدید کی استعمار گری یا دیگر چالیں، سب مذموم تشدد کی مثالیں ہیں تاریخ انسانی اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے بطور مثال ہم یہاں پر چند تاریخی واقعات کا تذکرہ کریں گے:

۱۔قتل ہابیل:

جب خداوند عالم نے ہابیل کی قربانی کو قبول کر لیا تو قابیل نے حسد کے مارے ہابیل سے فرمایا ''میں تمھیں قتل کر دوں گا'' ہابیل نے کہا ''تو اگر میری طرف ظلم وتعدی کا ہاتھ بڑھائے گا، تب بھی میں ایسا نہیں کروں گا'' جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔

﴿اذقر با قر با ناَ فتقبل من احدهما ولم يتقبل من الآخر قال قتلنک قال انما يتقبل الله من المتقين لئن بسطت الی يدک لتقتلنی ما انا بياسط يدی اليک لا قتلک﴾

''جب دونوں نے قربانی دی اور ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا میں تجھے قتل کر دوں گا اس نے کہا اللہ تعالی تقوی والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے اگر تم میری طرف قتل کیلئے ہاتھ بڑھاؤ گے بھی تو میں تمھاری طرف ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤں گا'' (مائدہ/۲۷،۲۸)

۲۔برادران یوسف -

برادران یوسفؑ نے صرف اس بہانے کہ حضرت یعقوب حضرت یوسف+ سے زیادہ محبت کرتے ہیں، آپس میں فیصلہ کیا کہ یا تو حضرت یوسفؑ کو قتل کر دیا جائے یا انہیں کسی کنوئیں میں پھینک دیا جائے برادران یوسفؑ کو اگر کوئی شکایت تھی بھی تو حضرت یعقوبؑ سے تھی، حضرت یوسفؑ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی، لیکن ان کے تشدد کا نشانہ حضرت یوسفؑ بنے اور انہیں کنویں میں پھینکا گیا: **﴿اقتلوا يوسف اواطرحوه ارضايخل لكم وجه ابيكم وتكونوا من بعده قوماصٰلحين﴾** (یوسف/۹)

۳۔حضرت یوسفؑ اور زلیخا؛

جب زلیخا نے حضرت یوسفؑ سے عمل نامشروع ونامعقول انجام دینے کی خواہش ظاہر کی تو جناب یوسفؑ نے اسے مسترد کرتے ہوئے فرمایا ''میں اس سلسلے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں'' اس انکار کی پاداش میں زلیخا نے امرائے سلطنت کی خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس (یوسف- نے میری بات نہ مانی تو میں اسے سخت عذاب دوں گی۔

۴۔حضرت موسیٰ -

حضرت موسیٰؑ کو خدا نے حکم دیا کہ فرعون کے دربار میں جا کر اسے ڈراؤ اور کہو کہ خدا پر ایمان لے آؤ ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ دیکھو اس کے ساتھ اچھے اور نرم الفاظ میں گفتگو کرنا (سورۂ طٰہٰ/۴۳) چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ایسا ہی کیا لیکن اس کے باوجود خود فرعون نے کہا میں اسے قتل کر دوں گا (سورۂ غافر/۲۶) اور اسکے درباریوں نے

بھی کہا کہ موسیٰ کو ایسے آزاد چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے، ان کو قتل کر دیا جائے (سورۂ اعراف: ۱۲۷)

۵۔ حضرت علی -

حضرت علیؑ داماد رسول اللہ ﷺ تھے برجستہ صحابی رسولؐ تھے سب سے پہلے ایمان لائے تھے آنکھ کھولتے ہی آپ نے پیغمبر اکرمؐ کی زیارت کی اور انہیں کے دامن میں پرورش پائی ان تمام فضیلتوں کے باوجود معاویہ نے آپؑ پر سب وشتم کو نہ صرف جائز بلکہ خطبہ کا جزء لاینفک قرار دیا جبکہ تمام اسلامی فرقے اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

والی کوفہ وخطیب امام جمعہ کو اس فعل قبیح سے روکنے کی پاداش میں حجر ابن عدی جیسے عظیم صحابی اور دیگر اصحاب رسول اللہؐ کو معاویہ کے غیض وغضب کا نشانہ بننا پڑا، یہاں تک کہ انہیں موت کی سزائیں دی گئی حالانکہ انہوں نے صرف اتنا کہا تھا کہ علیؑ پر سب وشتم نہ کرو اس جرم میں ان کا سر قلم کر کے شام بھیج دیا گیا۔

خوارج

اسلام کی ابتدائی تاریخ سے واقف لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے دور خلافت میں ایک ایسا فرقہ وجود میں آیا جس سے طول تاریخ میں پوری ملت خوفزدہ اور نالاں رہی ہے اس فرقہ کی حیثیت اپنے ابتدائی دور میں جنگ صفین میں حضرت علی - کی فتح کو شکست میں تبدیل کرنے کے لئے معاویہ اور عمرو بن عاص کی طرف سے پھینکے گئے ایک تیر کی سی تھی البتہ یہ تیر معاویہ کے ترکش میں نہیں تھا بلکہ خود علیؑ ہی کے لشکر میں تھا مگر اس کو بنانے والے معاویہ اور عمرو بن عاص تھا اگرچہ علیؑ کے مخالفین یہ تیر بنا کر اس وقت تو کامیاب رہے لیکن جہاں اس فرقہ نے علیؑ کو رلایا، وہاں اس سے معاویہ بھی ہمیشہ خوفزدہ رہا اس فرقہ کو مارقین کہتے ہیں اور خوارج بھی کہا جاتا ہے۔

اس فرقہ نے علیؑ کو دو مرتبہ شہید کیا پہلی مرتبہ جنگ صفین کے موقع پر جب انہوں نے صفوں کے پیچھے سے آ کر علیؑ کے سینہ پر تلوار رکھ کر حضرت علیؑ کو جنگ ختم کرنے پر مجبور کیا اور بصورت دیگر خلافت سے عزل کرنے، معاویہ کے سپرد کرنے اور شہید کرنے کی دھمکی دی، یہ علیؑ کی شخصیت کا پہلا قتل تھا دوسری مرتبہ اسی فرقہ کے ایک شقی انسان نے ۱۹ رمضان المبارک کو علی الصبح علیؑ کو محراب عبادت میں شہید کر کے جسم اسلام پر ایسی

شدید ضرب لگائی جس نے تاریخ اسلام کا رخ ہی موڑ دیا۔

اس فرقے کی خصوصیات کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ لوگ:

۱۔ علیؑ عثمانؓ معاویہ سب ہی کو کافر گردانتے ہیں
۲۔ گناہ کبیرہ کرنے والوں کو کافر اور واجب القتل سمجھتے ہیں
۳۔ غیر خوارج سے شادی کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے
۴۔ اپنی جنگوں میں شریک نہ ہونے والوں کو بھی کافر سمجھتے تھے
۵۔ جہاں علیؑ کے دشمن تھے وہاں بنوامیہ کے بھی دشمن تھے

خوارج حضرت علیؑ اور انکے پیروکاروں کو حکمین کے معاہدہ کو غلط ٹھہرانے میں قتل کا مستحق گردانتے تھے اور اس بنیاد پر ان کے خون کو ہدر سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے حامل قرآن صحابی رسولؐ حباب اور ان کی زوجہ کو علیؑ سے دستبردار نہ ہونے کے جرم میں قتل کیا اسکے برعکس وہ یہود ونصاریٰ کو پیغمبر اسلام ﷺ کے معاہدہ ضمنی کا خیال کرتے ہوئے محترم سمجھتے تھے اور انہیں امانتِ رسولؐ گردانتے تھے گویا ان کی نظر میں مولا علیؑ امانت رسولؐ اللہ نہیں تھے اور یہود ونصاریٰ امانتِ رسولؐ تھے۔

خوارج کی خاص سیرت یہ تھی کہ وہ اصل کو چھوڑ کر فرع پر سختی سے کاربند ہونے کے احکام نافذ کرتے تھے آج امت محمدیؐ کے تمام فرقے کم وبیش اسی سیرت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں آپس میں افہام وتفہیم کے دروازے سب ہی بند کئے ہوئے ہیں ہر ایک فرقہ افہام وتفہیم کو وقت کا ضیاع اور اپنے خلاف سازش گردانتا ہے اور ہر کسی نے دہشت گردی کی سیاست کو اپنایا ہوا ہے ہر فرقہ نے یہی رویہ یہود ونصاریٰ اور کفر والحاد کی استعماری طاقتوں کے مقابل بھی اپنایا ہوا ہے آج مسلمان یہود ونصاریٰ کو، ایک کلمہ توحید پڑھنے والے، محمدؐ کی رسالت کو تسلیم کرنے والے کعبہ کے معتقد صوم وصلوۃ اور حج وزکوۃ کے معتقد اپنے مسلمان بھائی سے بہتر قرار دیتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ خود اپنے ہی فرقہ میں کسی شخص کو اگر ان کے مزاج کا مخالف پاتے ہیں تو اسے بھی مخالف فرقہ سے منسوب کر کے خوفزدہ کراتے ہیں کچھ یہی صورتحال عزاداری امام حسینؑ میں خرافات کو رواج دینے والوں اور

ان خرافات کے حامیوں کی بھی ہے وہ بھی ان جعلی رسومات کے منکرین کو اسی طریقہ سے متہم کرتے ہیں۔

۷۔امام حسینؑ:

یزید نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد والی مدینہ ولید بن عتبہ کے نام ایک حکم بھیجا کہ اگر حسین بن علی+ میری بیعت سے سرتابی کریں تو ان کا سر تن سے جدا کریں چنانچہ مروان بن حکم نے بھی ولید کو یہی مشورہ دیا کہ امام حسینؑ کو واپس جانے نہ دیا جائے بلکہ آپؑ کو گرفتار کرلیا جائے یا قتل کر دیا جائے لیکن ولید نے یہ کہہ کر اس کی بات ماننے سے انکار کردیا کہ آیا حسینؑ کو صرف یہ کہنے پر کہ ''بیعت نہیں کروں گا''، قتل کیا جاسکتا ہے؟

صبح عاشورا امام حسین کبھی اپنے اصحاب سے دشمن کے سامنے جا کر انہیں وعظ ونصیحت کرنے کو کہتے اور کبھی خود تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے''آخر تم لوگ کیوں میرے قتل کے درپے ہو، کس منطق کے تحت مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ آیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میں نے کسی کو بے گناہ قتل کیا ہے؟ یا میں دین سے منحرف ہوگیا ہوں، مرتد ہوگیا ہوں، کیا میں نے شریعت میں کوئی تبدیلی کی ہے؟ آخر تمھارے پاس میرے قتل کیا کا جواز ہے؟'' لیکن لشکر عمر ابن سعد نے جواب دیا کہ ''ہم آپؑ کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہیں، ہم صرف ایک بات جانتے ہیں اور وہ یہ کہ آپؑ یزید کی بیعت کریں'' ان کے پاس بس یہی جواز تھا جس کی پاداش میں وہ امام حسینؑ اور آپکے اصحاب کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

۸۔دربار عبیداللہ بن زیاد

اسیران آلِ محمد ﷺ جب دربار ابن زیاد میں پہنچے تو اس لعین نے امام سجاد- کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ کون ہے؟ امام سجاد نے فرمایا: ''میں علی ابن الحسینؑ ہوں'' تو اس نے کہا ''کیا علی ابن الحسینؑ کربلا میں قتل نہیں ہوئے تھے؟'' آپؑ نے فرمایا ''وہ میرے بڑے بھائی علی اکبرؑ تھے جسے تمھارے لشکر والوں نے شہید کیا'' یہ سن کر ابن زیاد نے فوراً جلاد کو حکم دیا کہ آپؑ کا سر تن سے جدا کردے یہ سنتے ہی جناب زینب= نے خود کو آپؑ کے اوپر گرا دیا اس نے حکم دیا کہ جناب زینبؑ کو بھی آپؑ کے ساتھ قتل کر دیا جائے لیکن عمر ابن کریز نے اسے اس ظلم سے باز رکھا۔

اس قسم کے تشدد کی بہت سی مثالیں دور جدید میں بھی موجود ہیں بہت سے اعمال وافعال ایسے ہیں جن کی کوئی منطق نہیں ہے مگر پھر بھی انہیں انجام دینے پر نہ صرف اصرار بلکہ اکثر ضد بازی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، خواہ اسکے نتیجہ میں کتنی ہی قیمتی جانیں اور مال کا ضیاع ہی کیوں نہ ہو خود یہ موقف اس عمل میں تشدد کی دلیل ہے بطور مثال ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں عید نوروز کے موقعہ پر جلوس نکالے جاتے ہیں حالانکہ عید نوروز کا مذہب اسلام سے دور کا واسطہ نہیں یہ تو ایران کے آتش پرست شہنشاہوں کی تاج پوشی کا دن ہے ایک ایسا تہوار جسکا نہ اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہمارے وطن پاکستان سے کوئی رشتہ ہے، اس کو مذہب کا جزء قرار دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ خود ایران میں اس تہوار پر کوئی جلوس نہیں نکلتا پھر ہمارے یہاں اس موقع پر جلوس نکالنے، مخالفین سے ٹکراو اور تشدد آمیز رویہ اختیار کرنے کا کیا جواز ہے؟ جبکہ اس کی پاداش میں قیمتی جانیں تک ضائع ہوجاتی ہیں، یہ غیر منطقی تشدد نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح بعض علاقوں میں اعیاد مذہبی پر چراغان کرنے اور نہ کرنے کے مسئلہ میں بھی کتنی ہی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں۔

اسی طرح ایک کلمہ گو مسلمان کو جو خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے، حضورؐ کو آخری نبی برحق مانتا ہے، کعبہ کو قبلہ سمجھتا ہے، فروع دین پر عمل کرتا ہے فقط صحابہ کرام پر تنقید کرنے کی پاداش میں موت کا حقدار قرار دینا بھی ایک بدترین تشدد ہے گو کہ مذکورہ عمل مذموم ہے لیکن اسے بہانہ بنا کر ایک مسلمان کو قتل کرنا غیر منطقی تشدد کی ایک واضح مثال ہے گزشتہ کئی برسوں سے ہمارے ملک میں تشدد کا یہ سلسلہ پوری شد ومد کے ساتھ جاری ہے۔

تشدد مذموم اور عدم تفہیم

تشدد مذموم میں سب سے بُری حماسہ گیری فریق مخالف سے افہام وتفہیم کے دروازہ کو بند کرنا ہے اس سے بدتر کوئی تشدد کا مظہر نہیں ہے پیغمبر اکرمؐ مشرکین سے افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کرنے کی پیشکش کرتے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے آپؐ فرماتے تھے: ''ہم دونوں میں سے ایک گمراہ ہے اور ایک ہدایت پر، ایسا نہیں ہے کہ دونوں گمراہی پر ہوں یا دونوں حق پر ہوں آیئے ہم افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں''۔

مشرکین مکہ پیغمبر اسلامؐ کی اس پیشکش کے جواب میں کیا کہتے تھے قرآن کی آیت ملاحظہ ہو:

﴿وقالو قلوبنا فی اکنة مما تدعونا الیه وفی اذاننا و قرو من بیننا و بینک حجابٌ فاعمل اننا عاملون﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل جن باتوں کی تم دعوت دے رہے ہو، ان کی طرف سے پردہ میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بہرا پن ہے اور ہمارے درمیان پردہ حائل ہے، لہٰذا تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں'' (فصلت/۵)

مذموم تشدد اور تفسیر باطل:

مذموم تشدد اپنانے والوں کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ کسی ایک کلمہ صحیح یا کلامِ مستند کو لے کر اس کی غلط تفسیر کرتے ہیں اور پھر اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں چنانچہ فرقہ خوارج نے صفین، مسجد کوفہ اور نہروان میں ایک ایسے ہی کلمہ کو اپنا شعار بنایا: **لا حکم الا اللہ** (حکومت صرف اللہ کے لئے) کہہ کر کتنے فساد برپا کیے جس کے نتیجے میں کس قدر خون بہایا گیا امیر المومنین- نے اس غلط تفسیر سے پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ یہ کلمہ اپنی جگہ صحیح ہے حکومت اصل میں خدا ہی کی ہے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ حاکم صرف خدا ہے، جبکہ اس حکومت کو اس کے احکام کے مطابق چلانے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔

دور حاضر میں ہمارے ملک میں بھی ایک ٹولہ اہل بیتؑ کے مسئلہ نورانیت کی غلط تفسیر کے ذریعہ خوارج ہی کا کردار کر رہا ہیں اس طرح سے یہ لوگ اہل بیتؑ کی حقانیت کو پس پشت ڈالنے کی مہم چلا رہے ہیں یہ بات ٹھیک ہے کہ اہل بیتؑ کے نور ہونے سے متعلق آیات وروایات کثرت سے موجود ہیں لیکن یہاں نور سے مراد یہ ہے کہ خود بھی واضح وروشن ہو اور دوسروں کو بھی واضح وروشن کرے یہ ذوات ایسے نور ہیں اور حسب روایات اتنے جلی ہیں کہ وجہ اللہ قرار پائے یعنی ان کو دیکھ کے یاد خدا آتی ہے یہ ذوات دیگر انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی دینے کے لئے آئے ہیں لیکن افسوس کہ تشدد مذموم اپنانے والوں نے ان کے نور ہونے کی غلط تفسیر کر کے لوگوں کو انکی نورانیت سے فائدہ اٹھانے سے باز رکھا ہے۔

تشدد مذموم کا نتیجہ: تمسک سے محرومی

تشدد مذموم وہی لوگ اپناتے ہیں جنہیں اپنے افعال حرکات وسکنات، کردار وگفتار اور دعویٰ کے بارے

میں کوئی مستند دلیل نہیں ملتی ہے جس کے پاس اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کی فراوانی ہوتی ہے وہ انہیں کمال اطمینان کے ساتھ اور بغیر کسی جھجک کے پیش کرتا ہے اور مخالفین کو انکے ذریعہ سے چیلنج کرتا ہے اس لیے جو صحیح معنوں میں امام حسینؑ کا پیروکار ہے اسے حسینؑ سیرت کا مجسم بننا چاہئے اور دور حاضر میں اس سیرت کا ترسیم پیش کرنا چاہئے۔

امام حسین- نے جب خود کو سفاک لشکر کے سامنے پیش کیا تو فرمایا:

''میں تمہارے سامنے آیا ہوں بتلاؤ کس بنیاد پر تم میرے خون کے درپے ہو؟ آیا تمھیں میرے مسلمان ہونے میں شک ہے؟ کیا میں دین سے منحرف ہو گیا ہوں؟ آیا میرے ذمہ کسی کا قصاص ہے؟ کیا میں نے شریعت میں کوئی تبدیلی کی ہے؟''

امام کے ان سوالوں کے جواب میں لشکر عمر سعد میں سے کسی کے پاس بھی کوئی منطق ودلیل نہیں تھی آج عزاداری امام حسین- اور مراسم عزاداری کو خرافات سے پر کرنے والوں کے پاس اگر کوئی دلیل ومنطق ہے، اگر وہ خرافات کو عزاداری میں روا رکھنے کیلئے کوئی سند رکھتے ہیں اور اگر وہ صحیح معنوں میں حسین- کے پیروکار ہیں تو کیوں حسین- بن کر کمال اطمینان سے پیش نہیں کرتے؟

حماسہ ممدوح یا پسندیدہ تشدد

حماسہ ممدوح وپسندیدہ کا مطلب ہے حق وباطل کی راہیں واضح وروشن ہونے کے بعد بغیر کسی خوف وہراس کے، بغیر کسی کی پرواکئے، حق پر شدت اور سختی سے قائم ودائم رہے یہی انبیاء کی سیرت رہی ہے اور قرآن کریم میں ایسی ہی ہستیوں کی تعریف کی ہے ملاحظہ ہو:

﴿ان الذین قالوا ربنا ثم استقامو تتنزل علیهم الملئکة الا تخافوا و لا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون﴾ ''بیشک جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر جمے رہے ان پر ملائکہ یہ پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں کہ ڈرو نہیں اور رنجیدہ بھی نہ ہو اور اس جنت سے مسرور ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے'' (حم سجدہ/۳۰) ﴿ان الذین قالوا

ربنا اللہ ثم استقامو فلا خوف علیھم و لا ھم یحزنون﴾ ’’بیشک جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا اور اسی پر جمے رہے ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہونے والے ہیں‘‘ (احقاف/۱۳) اسی طرح خداوند متعال سورۂ یوسف میں یوسف صدیقؑ کی زبان سے فرماتا ہے:

’’یہی میرا راستہ ہے کہ میں بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اتباع کرنے والا بھی ہوں‘‘ (یوسف/۱۰۸)

صرف خوف وہراس پھیلانے والوں اور ملامت کرنے والوں کے مقابلے میں اہل حق کا اپنے موقف پر ڈٹے رہنا حماسہ ممدوح نہیں ہے بلکہ باطل طاقتوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے سمجھوتوں اور مصالحتی ایجنڈوں کو مسترد کرنا، اگرچہ ان میں صلح وآشتی کی فضا قائم کرنے کی سفارش ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس قسم کے جالوں میں نہ پھنسنا اور سختی سے اپنے موقف پر ڈٹے رہنا حماسہ ممدوح یا پسندیدہ تشدد ہے یہ عقلی بات ہے کہ باطل پر جب تک حق واضح نہ ہوا سے حق کی طرف بلانے کی ضرورت باقی رہتی ہے لیکن اس پر حق کو واضح وروشن کردینے کے بعد اہل حق کا استقامت دکھانا اس لیے ضروری ہے کہ باطل چونکہ حق سے دشمنی رکھتا ہے اسلئے اسکی صلح طلبی یا نرم گوشہ اختیار کرنے کی درخواست حسن نیت پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کے ذریعہ کسی موقع کی تلاش میں ہوتا ہے وہ اہل حق کو نرم گوشہ اختیار کرنے کی دعوت اس لئے دیتا ہے تاکہ ان کے دین میں سستی پیدا ہوجائے اور وہ خود اس موقع سے فائدہ اٹھائے چنانچہ مشرکین جب پیغمبر اکرمؐ کو دعوت اسلام سے ہاتھ اٹھانے کے لئے قانع نہ کرسکے تو انہوں نے خدا اور بتوں کی پرستش میں سال کو تقسیم کرنے کی بات شروع کردی، کہنے لگے، جب خدا کی پرستش کا موقع آئے گا تو ہم پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ خدا کی پرستش کریں گے اور جب ہمارے بتوں کی پرستش کا وقت آئے گا تو پیغمبرؐ کو بھی ہمارے ساتھ بتوں کی پرستش کرنا ہوگی گویا ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود تو مشرک تھے ہی، اس لئے خدا کی پرستش سے ان کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہونا تھا جبکہ پیغمبر ﷺ موحد تھے، بتوں کی پرستش سے پیغمبرؐ خود بخود توحید پرستی سے نکل کر شرک میں داخل ہو جائیں اور پھر وہ کہہ سکیں گے کہ پیغمبر اسلامؐ اپنے موقف سے منحرف ہوگئے ہیں خدا نے پیغمبر اسلامؐ کو ان

سازشوں کے سامنے خاضع ہونے اور ایسا نرم گوشہ رکھنے والوں کے آگے جھکنے کے تمام طریقوں سے منع فرمایا، سورۂ مبارکہ کافرون اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہے اسی طرح سورۂ یونس میں خداوند متعال پیغمبر اسلامؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

’’اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمھارے لئے تمھارا عمل، تم میرے عمل سے بری اور میں تمھارے اعمال سے بیزار ہوں‘‘ (یونس/۴۱)

اس سلسلے میں قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات وارد ہوئیں ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

’’اور جب لغو بات سنتے ہیں تو کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمھارے اعمال‘‘ (قصص/۵۵) ’’آپ کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے اس بات کا حکم دیتے ہو کہ میں غیر خدا کی عبادت کرنے لگوں اور یقیناً تمھاری طرف اور تم سے پہلے والوں کی طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ اگر تم شرک اختیار کروگے تو تمہارے اعمال برباد کردیے جائیں گے اور تمہارا شمار گھاٹے والوں میں ہوجائیگا تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار بندوں میں ہوجاؤ‘‘ (زمر/۶۴، ۶۵، ۶۶) ’’اور اگر ہماری توفیق خاص نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ (بشری طور پر) کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ضرور ہو جاتے‘‘ (اسراء/۷۴) ’’اور خبردار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاؤ اختیار نہ کرنا کہ جہنم کی آگ تمھیں چھولے گی اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئی سرپرست نہیں ہوگا اور تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی‘‘ (ہود/۱۱۳)۔ ’’ایمان والو! اپنے آس پاس والے کفار سے جہاد کرو اور وہ تم میں سختی اور طاقت کا احساس کریں‘‘ (توبہ/۱۲۳) ’’اپنے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور انکے ساتھ سختی سے پیش آؤ‘‘ (مریم/۹) ’’تم سے بہت سخت قسم کا عہد لیا ہے‘‘ (نساء/۲۱) ’’اور ہم نے ان سے بہت سخت قسم کا عہد لیا ہے‘‘ (احزاب/۷) ’’پیغمبر! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے‘‘ (توبہ/۷۳)

قرآن کریم کی آیات یہی درس دیتی ہیں اور سیرت پاک انبیاء وآئمہ طاہرینؑ میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ وہ کبھی بھی دلیل و برہان اور منطق کے بغیر کسی تشدد کے قائل نہ تھے وہ نہ خدا اور اس کے عطا کردہ دین کو اپنی زندگی کے نشیب وفراز کی ہواؤں کے زد میں رکھنے کے حق میں تھے اور نہ ہی اس بات کے حق میں تھے کہ کسی کی خوش آمد میں آ کر دین کو قربان کیا جائے یا فلسفہ ضرورت کو اقدار بنا کے دین کو پس پشت ڈالا جائے۔ سورۂ مبارکہ فتح کی آیت ۲۹ میں خداوند عالم نے پیغمبر اور پیغمبر پر ایمان لانے والوں کے اوصاف واضح طور پر بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں' وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں آپ انہیں رکوع سجود میں دیکھتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں سجدوں کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں ان کے یہی اوصاف توریت میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی ان کے یہی اوصاف ہیں وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) سوئی نکالی پھر اسکو مضبوط کیا اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اس طرح کفار کا جی جلائے۔''

اس آیت میں خداوند تعالی نے واضح طور پر بتایا ہے کہ اہل حق کو کفر والحاد کے ساتھ کیا روّیہ اختیار کرنا ہے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں اور دین خدا کیلئے سر تن دینے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان اسی اصول کے تحت اگر دیکھیں کہ دین ومکتب کی بقاء ذلت اختیار کرنے اور دشمن کے آگے سر تسلیم خم کرنے میں ہے تو انہیں ایسا کرنا چاہئے تا کہ دین باقی رہے اور دین کے داعی بھی باقی رہیں لیکن اگر دیکھیں کہ ان کی بقا سے دین باقی نہیں رہتا ہے بلکہ ایسے حالات میں خود ان کی حیات دین کی کمزوری کی نشانی بن جاتی ہے تو اس وقت انہیں چاہئے کہ اپنے وجود کو داؤ پر لگا دیں' ہر قسم کی اذیت وتکلیف کو برداشت کریں اور اس ظاہری تذلیل سے خوف نہ کھائیں' تا کہ دین سر بلند رہے۔

حماسۂ حسینی

تحریک ونہضت حسینی ،شروع سے لیکر آخر تک حسینؑ وحسینیوں کے حماسہ سازی کا مظاہرہ ہے امام حسینؑ اور آپ کے جانثاروں نے ان مخصوص حالات میں جس محیر العقول حماسہ کا مظاہرہ کیا ہے دنیا بھر کے مردانِ شجاع آج تک اس پر انگشت بدندان ہیں۔

حماسہ حسینی ،ادائے حقوق کی خاطر ایک ایسی حماسہ گری ہے جسکے کرداروں کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔اس حماسہ کا مرکز خود امام حسینؑ ہیں اس تمام واقعہ میں آپکو وہی مقام حاصل ہے جو منظومہ شمسی میں سورج کا ہے منظومہ شمسی کے دوسرے تمام ستاروں کی روشنی کا دارو مدار سورج کی روشنی پر ہوتا ہے اگر سورج کی روشنی نہ ہو تو باقی سب ستارے بے نور ہو جائینگے۔

۲۔حماسہ حسینیؑ کا دوسرا کردار وہ جانثاران حسینؑ ہیں جو تمام تر خطرات دیکھتے بھالتے ،امام حسینؑ کے گرد پروانوں کی طرح چکر لگاتے رہے ،یہ دلیرانِ بے مثل دشمن کی قوت و درندگی کو چیلنج کرتے ہوئے ابراہیمؑ خلیل کی طرح نارِ نمرود میں کود پڑے اور ہر موقع اور مقام پر انہیں ایسا دندان شکن جواب دیا کہ دنیا بھر کی حماسہ خواہوں کیلئے بہترین اسوہ اور مینارِ حماسہ بن گئے یہ ہیں اس منظومہ شمسی کے وہ درخشان ستارے کہ جسکا سورج حسینؑ ہیں۔

اس گروہ میں چھوٹی چھوٹی عمروں کے نابالغ بچے' نوجوان' جوان اور بوڑھے' غرض ہر عمر اور ہر سن کے افراد شامل تھے انکے علاوہ چادر اسارت پہن کر دشمن کے ایوانوں میں آتشین خطبہ دینے والی سیدانیاں' اہلبیت اطہارؑ اور جوانان بنو ہاشم بھی اسی گروہ کے اہم ارکان ہیں۔

یہاں ہم اس معرکۂ حق وباطل میں حماسہ عمومی کا مظاہرہ کرنے والی شخصیات کا ذکر کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ انہوں نے کس انداز میں حماسہ کی مظہر نمائی کی ہے۔

۱۔نمائندہ یا سفیرِ اوّلِ حسینؑ کا حماسہ

اکثر کتب مقاتل بالخصوص مقتل بحرالعلوم ص ۲۳۱ پر لکھا ہے کہ جب لشکر عبیداللہ بن زیاد نے حضرت مسلمؑ کی پناہ گاہ یعنی منزل طوعہ کا محاصرہ کیا تو مسلم بن عقیل انتہائی جرائت وشہامت کا مظاہر کرتے ہوئے دشمن کی طاقت وقدرت سے بے پرواہو کر گھر سے باہر نکلے آپؑ نے فرمایا: ''میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر مروں تو آزاد مروں گرچہ موت میرے لئے کڑوی ہی کیوں نہ ہو ہر انسان کو ایک نہ ایک دن موت سے ملاقات کرنی ہے بالکل ویسے ہی جیسے سردی کے بعد گرمی کا آنا یقینی ہے اگر مرنا ہی ہے تو آزاد کیوں نہ مروں!''

جب آپ کو اسیر کر کے دارالامارۃ لایا گیا اور ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے کمال بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا، عبیداللہ ابن زیاد کو سلام کیے بغیر داخل دربار ہوئے درباریوں کو آپ کی اس جرأت پر بہت غصہ آیا کہنے لگے ''امیر کو سلام کرو'' آپ نے فرمایا: ''خاموش ہو جاؤ! یہ میرا امیر نہیں ہے؟ میرا امیر حسینؑ ہے''۔

ابن زیاد نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے عاق اے شاق! تم نے وقت کے امام کے خلاف خروج کر کے وحدت امت کو پاش پاش کیا اور فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش کی'' آیئے دیکھتے ہیں اس موقع پر یہ اسیر کس قسم کے حماسہ کا مظاہرہ کرتا ہے آپ نے اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''تم نے جھوٹ بولا ہے' وحدت کو ہم نے نہیں معاویہ اور اس کے بیٹے یزید نے پاش پاش کیا ہے فتنہ تم نے اور تمہارے باپ نے پھیلایا ہے میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس کے بدترین خلائق کے ہاتھوں شہادت نصیب کرے۔''

ابن زیاد نے کہا:

''تم تو حکومت کی خواہش لیکر آئے تھے لیکن خدا تمہارے اور حکومت کے درمیان حائل ہو گیا تم حکومت تک نہیں پہنچ سکے اور حکومت کو خدا نے اسکے اہل کیلئے باقی رکھا''۔

آپ نے پوچھا: ''تمہاری نظر میں اہل سے مراد کون ہے؟''

اس نے کہا: ''یزید ابن معاویہ''

پھر آپ سے پوچھنے لگا کہ: ''کیا تمہیں اس کے برحق ہونے کا گمان ہے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''مجھے گمان نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہ اس منصب کا سزاوار نہیں ہے۔''

اس طرح سے امامؑ کے اس نمائندے نے دیارِ غربت میں ہونے کے باجود شقی ترین انسان کی شقاوت و جسارت کو چیلنج کیا یہ وہی شقی انسان تھا جس کے شقی باپ کو معاویہ نے محض اس کی شقاوت کی وجہ سے اہل کوفہ پر مسلط کیا تھا اسکے سینہ میں محبان علیؑ کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی آپ نے نہایت بے جگری سے اس کا مقابلہ کیا اور اپنے ہدف پر یقین رکھتے ہوئے دشمن کے ظلم وستم اور جنایتوں کا جواب دیا۔

۲۔حماسۂ مسلم بن عوسجہ

''مقتل بحرالعلوم ص ۲۸۱ پر نقل ہے کہ: شب عاشور امام مظلومؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے فرمایا: ''دشمن ہمارا محاصرہ کر چکا ہے اب بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی یہ لوگ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں' لہٰذا آپ حضرات جو میرے باوفا اصحاب ہیں' رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے چلے جائیں دشمن آپ سے تعرض نہیں کریگا، میری طرف سے آپ سب کو اجازت ہے'' یہ سننا تھا کہ مسلم بن عوسجہ اپنی جگہ سے اٹھے اور بولے:

''مولاؑ ہم ایسا کیوں کریں؟ خدا کبھی ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ ہم ایسی شرمناک حرکت کے مرتکب ہوں میں اپنا نیزہ دشمن کے سینے کے آر پار کردونگا جب تک میرا ہاتھ سالم ہے جنگ کروں گا اگر اسلحہ ختم ہو گیا تو ہم پتھروں سے جنگ کریں گے لیکن کسی قیمت پر آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے آپ - کے ساتھ جئیں گے اور آپ کے ہی ساتھ مریں گے۔''

۳۔حماسۂ سعید بن عبداللہ حنفی

سعید بن عبداللہ حنفی امام حسینؑ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اے فرزند رسولؐ! ہم کبھی بھی آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے' یہاں تک کہ خدا کو گواہ بنالیں کہ ہم نے پیغمبر اسلامؐ کے بعد آپؑ کی حفاظت کی ہے اگر ہمیں ستر (۷۰) بار قتل کیا جائے' ہماری لاشوں کو جلا کر اسکی راکھ

ہوا میں اڑائیں اور پھر ہمیں زندہ کیا جائے، تب بھی ہم آپؑ سے جدا نہیں ہوں گے ہم اپنی جانیں آپؐ پر نثار کریں گے ہم ایسا کیوں نہ کریں، یہ ہمارے لئے آسان اور ختم نہ ہونے والی کرامت ہے"۔

۴۔حماسۂ زہیر ابن القین

زہیر نے کہا: "فرزند رسولؐ! میری خواہش ہے کہ اعداء مجھے قتل کریں، اسکے بعد مجھے زندہ کیا جائے پھر قتل کریں، پھر زندہ کیا جائے اس طرح ہزار بار بھی ہو جائے تو مجھے منظور ہے اگر آپؑ اور آپؑ کے اہل بیتؑ بچ جائیں میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہو سکتی ہم اپنے ہاتھوں سے آپؑ کا دفاع کریں گے، اپنے خون سے آپؑ کا دفاع کریں گے اور اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک کہ ہمارا خدا ہم سے راضی نہ ہو جائے۔"

۵۔حماسۂ علی اکبرؑ

حسینؑ کا یہ فرزند رشید میدان جنگ میں مثل شیر غضبناک اتر کے آیا دشمن کی کثرت کو خاطر میں لائے بغیر اپنے حماسہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے گرج کر بولا:

"میں علیؑ فرزند حسینؑ ابن علیؑ ہوں ہم وہ ہیں جنہیں کعبۃ اللہ اور رسولؐ اللہ کی نسبت سے بلندی عطا ہوئی ہے خدا کی قسم ہمارے اوپر فرزندِ زانیہ حکومت نہیں کر سکتا میں اپنے نیزے سے تمہیں ماروں گا یہاں تک کہ موت آ جائے اپنی تلوار سے بابا کا دفاع کروں گا اور علیؑ مرتضیٰ کی شجاعت کا مظاہرہ کروں گا"۔

۶۔حماسۂ عباسؑ

لشکر حسینؑ کا علمدار باوفا، امید و سہارائے اہل بیتؑ عباسؑ باوفا جب لشکر اعداء کے نرغہ میں گر گیا تو اس عالم میں بھی انتہائی بے پروائی کے ساتھ یہ رجز پڑھا: "میں موت سے نہیں ڈرتا اگر موت میری طرف آئے تو میں خود میدان جنگ میں کود جاؤں گا میرا نفس وقف ہے نفسِ مصطفیٰ کی حمایت کیلئے، میں آج میدان جنگ سے خوفزدہ نہیں ہوں اگر یہ لوگ میرا دایاں ہاتھ قطع کر دیں تب بھی میں دین کی حمایت نہیں چھوڑوں گا اور امام وقت کا دفاع کرتا رہوں گا اے نفس! کفار سے خوف زدہ نہ ہونا تیرے لئے رحمت جبار کی بشارت ہو"۔

حماسۂ خواتین

اس معرکۂ حق و باطل میں خواتین بھی کسی سے پیچھے نہیں تھیں عمر رسیدہ افراد اور کم سن بچوں کے علاوہ خواتین نے بھی لشکر اعداء کی تعداد اور قوت سے بے پرواہ ہو کر دشمن کے نیزوں اور پتھروں کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت کو آب کوثر کی مانند نوش کیا۔

حماسۂ زینب =

عقیلہ قریش، پروردۂ دامن عصمت حضرت زینب = جب پورے خاندان کا داغ جدائی لیے، اسیری کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے حاکم کوفہ کے دربار میں پہنچیں تو فتح کے نشہ میں چور فرعون بن کے کرسی پر بیٹھنے والے نے بزعم خود آپ کو ذلیل کرنے اور زخموں پر نمک پاشی کرنے کیلئے کہا: "اس خدا کیلئے حمد ہے جس نے آپ کو شرمندہ کیا، مردود قرار دیا اور آپ کی باتوں کو جھوٹا ثابت کر دیا" یہ جملے سنتے ہی وہ خستہ تن زینبؑ جسکا دل زخموں سے چور چور تھا، کمال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

"حمد ہے اس ذات کیلئے جس نے ہمیں نبوت سے نوازا اور رجس و پلیدگی سے دور رکھا، شرمندگی فاسق کیلئے ہے، جھوٹ فاجر بولتا ہے اور وہ ہم نہیں ہیں"۔

آپ کا جواب سن کر عبیداللہ بن زیاد نے پوچھا: "آپ نے اپنے بھائی اور اہل بیت سے متعلق خدا کے فیصلے کو کیسا پایا؟" ایک بار پھر آپ نے جرات مندی سے فرمایا:

"اے فرزند مرجانہ! تیری ماں تیرے غم میں روئے میں نے تو بجز حسن و جمال کے کچھ نہیں دیکھا۔"

اس کے بعد جب دختر علیؑ کو دربار یزید میں لایا گیا تو آپ نے دیکھا کہ یزید تختِ حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور سر حسینؑ اسکے سامنے رکھا ہے، کبھی وہ اپنے اس فعل قبیح پر خوشی کا اظہار کرتا ہے اور کبھی آپ کی شان میں شماتت کے کلمات ادا کرتا ہے جناب زینب (س) نے اس موقع پر یزید کے دربار میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے فرمایا:

"اے یزید! تو اپنے تمام تر مکر و فریب کو بروئے کار لے آ، جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کر لے لیکن یاد رکھ

ہمارے ذکر کو کبھی نہیں مٹا سکے گا میں تجھے انتہائی حقیر سمجھتی ہوں میرے لئے یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ آج میں تجھ سے مخاطب ہوں۔"

حماسۂ سردار حماسہ گران

امام حسن۔ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ منصب امامت پر فائز ہوئے جس دن آپؑ نے اس بار امانت کو سنبھالا اسی روز سے دین کے دفاع اور بقا کیلئے ہمیشہ حماسہ آفرینی کا عظیم مظاہرہ کیا ہے۔ اس حماسہ آفرینی کی شعاعین آپ۔ کے اہل بیت اطہارؑ اور یاران باوفا پر بھی پڑیں چنانچہ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں عرض کیا ان شخصیات والا صفات نے بھی اپنے اپنے مقام پر بے مثل شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کیا ہے یہاں پر ہم امام حسینؑ کی حماسہ آفرینی کے چند نمونے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں:

۱۔ معاویہ کی سرتوڑ کوشش تھی کہ کسی طرح یزید کی ولی عہدی کے معاملہ میں امام حسینؑ کو قانع کر سکے اس مقصد کے حصول کیلئے وہ ہر قسم کے مکروفریب دھوکہ اور چاپلوسی سے کام لیتا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ جب وہ مدینہ آیا تو کوشش کی کہ امام حسینؑ کو نظرانداز کرتے ہوئے ابن عباس کو خاندان رسالت کا سربراہ بنا کر ان سے یزید کی ولیعہدی کا اقرار لے لیں امام حسینؑ نے اسکے ارادوں کو بھانپتے ہوئے فرمایا: "اے ابن عباس! تم خاموش رہو میں جواب دیتا ہوں" پھر آپؑ نے معاویہ سے فرمایا: "تم ایک مجہول شخص کی تعریف کرنا چاہتے ہو گویا ہم اسے نہیں جانتے جبکہ یزید نے اپنے برے اعمال و کردار کے ذریعہ اپنا تعارف خود کرایا ہے"۔

۲۔ معاویہ نے امام حسین۔ پر فتنہ و فساد پھیلانے کی سازش کا الزام عائد کر کے آپکو متہم کرنے کی کوشش کی تا کہ اس تہمت کے دفاع میں آپؑ اس سے یہ وعدہ کریں کہ ہم تم سے کچھ نہیں کہہ رہے ہیں لیکن امامؑ نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے بیک وقت دو زاویوں سے حقیقت کو واضح کیا آپؑ نے فرمایا:

"اگر میں تمہارے ساتھ جنگ نہیں کر رہا ہوں تو یہ میری تقصیر ہے اور اگر تم دھمکی دے رہے ہو تو جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر بیٹھو۔"

۳۔ جب والی مدینہ نے امامؑ کو اپنے دربار میں بے وقت بلا کر بیعت کا سوال کیا تو آپؑ نے انتہائی جرأت مندانہ انداز میں اسے جواب دیا آپؑ نے فرمایا:

"ہمارا تعلق اہل بیت النبوۃؐ سے ہے معدن الرسالۃ سے ہے یزید فاسق و فاجر ہے مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا۔"

۴۔ جب بنوامیہ کے مقرر کردہ امیر حج عمر ابن سعید اشدق نے امام حسین - کو دوران حج شہید کرنے کی سازش کی تو آپؑ مکہ سے دن کی روشنی میں یہ فرماتے ہوئے نکلے:

"بنوامیہ نے اس سرزمین امن کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے انہوں نے اس کے امن کو بدامنی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے اب میرے لئے یہاں امن نہیں رہا لہٰذا میں یہاں سے نکل رہا ہوں۔"

۵۔ جب والی بنوامیہ کے بھائی، یحییٰ ابن سعید نے مکہ سے باہر امام حسینؑ کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ آپ۔ فتنہ و فساد پھیلانے جارہے ہیں، واپس چلیں تو امامؑ نے تلوار نیام سے نکالی اور مقابلہ کیلئے تیار ہوگئے، آپؑ نے فرمایا:

"میرے اعمال میرے لئے تمہارے اعمال تمہارے لئے، میں تم سے بری ہوں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

۶۔ جب اثنائے سفر حُر نے آپؑ کا راستہ روکا اور مقابلہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی تو آپؑ نے فرمایا:

"تم مجھے موت کا خوف دلاتے ہو میں اپنے ارادہ پر قائم ہوں موت جوانمردوں کیلئے کوئی عار نہیں شرط یہ ہے کہ وہ ارادتاً حق پر ہو اور دین کی راہ میں جہاد کیلئے آمادہ ہو۔"

اسی طرح جب حُر نے کوفہ سے آنے والے نافع بن ہلال اور ان کے ساتھیوں کو روکنا چاہا تو امامؑ نے فرمایا:

''ان کو چھوڑ دو اگر نہیں چھوڑو گے تو جس طرح میں اپنے اہل بیت کا دفاع کرتا ہوں ان کا دفاع بھی کروں گا'' حُر نے جب امام کے عزم وارادہ کو دیکھا تو ان کو چھوڑ دیا۔

۷۔ کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ جب سارے انصار اور بنو ہاشم کے تمام افراد درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے تو خود امام حسینؑ شوق لقاء اللہ میں کسی دولہا کی طرح موت سے معانقہ کرنے نکلے، آپؑ ایسے مردانہ وار اور شجاعانہ انداز میں خیمے سے نکلے کہ دیکھنے والوں نے کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''واللہ! ایسا شخص ہم نے کبھی نہیں دیکھا جس کے اہل بیتؑ و یاران سب شہید ہوئے ہوں اور وہ اتنا مطمئن و پرسکون ہو اور ایسے درخشان چہرہ اور ایسی جرأت و شہامت کے ساتھ میدان میں نکلا ہو'' میدان میں آ کر آپؑ نے دشمنوں کو للکارا، جب دشمن قریب آنے کی جرأت نہ کر سکا تو آپؑ خود ان پر ٹوٹ پڑے ،لکھا ہے کہ جس طرح شیر کو دیکھ کر بھیڑ بکریاں بھاگتی ہیں اسی طرح سے دشمن آپؑ کو دیکھ کر راہ فرار اختیار کرتے تھے کسی میں ہمت نہ تھی کہ قریب آئے اور آپؑ سے جنگ کرے، جب عمر سعد نے دیکھا کہ لشکر پر شکست کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں تو اس نے ملامتی لہجے میں کہا: ''اے قوم! افسوس ہو تمہارے لئے تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم کس کے مقابل میں ہو، جانتے ہو یہ کس کا فرزند ہے؟ یہ حسینؑ فرزند علیؑ ہیں، یہ قتال عرب کے فرزند ہیں ان کے ساتھ فرداً فرداً مقابلہ نہیں کر سکو گے ہر طرف سے گھیر کے ان پر حملہ کرو ادھر یہ شور تھا اور ادھر آپؑ فرما رہے تھے۔

''موت انسان کیلئے عار و ننگ سے بہتر ہے اور عار انسان کیلئے جہنم میں جانے سے بہتر ہے۔''

شہید مرتضیٰ مطہریؒ اور حماسہ سازی

شہید مرتضیٰ مطہری ایران اسلامی کے اس خطہ میں پیدا ہوئے جہاں مکتب اہل بیتؑ سے تعلق و وابستگی رکھنے والوں کو غلبہ و اکثریت حاصل ہے، جس زمانہ میں آپ نے حصول و معارف اسلامیہ کا دور مکمل کیا ان دنوں ایران مغرب و امریکہ کی استعماری سازشوں کی ایسی آماجگاہ تھا جو اس پورے خطے کے علمی فکری اور دیگر اسلامی مراکز کو نشانہ بنانے کیلئے ایک کنٹرول روم کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، دیگر منصوبہ جات کی طرح ایک کثیر الرّقم بجٹ اسلام و تشیع کو مسخ کرنے کیلئے مختص کیا جاتا تھا۔

ایک طرف دین اسلام کو دشمنی و عداوت کا نشانہ بنا کے اسکا مذاق اڑایا جاتا تھا اور دوسری طرف دوستی کی آڑ میں مختلف شعائر اسلامی میں خرافات داخل کی جاتی تھیں، حکیم و فیلسوف شہید مرتضیٰ مطہریؒ نے اِن حالات کو درک کرنے کے بعد ایک حکمت عملی تیار کی اور اسے عملی جامہ پہنانے میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا آپ نے تمامتر دور اندیشی باریک بینی اور حکمت ستیزی کے ساتھ ہر موقع و مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں رائج خرافات کے خلاف آواز بلند کی، وہ تمام خرافات جنہیں اسلام و مسلمین کو پسماندہ رکھنے کیلئے رواج دیا گیا تھا آپ نے ان کا انتہائی جرأت مندی سے مقابلہ کیا اور انکی جڑوں کو اس سرزمین سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے کمر بستہ ہو گئے ان خرافات میں سے بعض کے آثار آج انقلاب اسلامی کو کامیاب ہوئے بیس سال گزرنے کے بعد بھی واضح طور پر نظر آتے ہیں، اس کی ایک مثال عید نوروز کی ہے، آج ایران میں موجود قوم پرست عناصر اس تہوار کے مردہ جسم میں دوبارہ روح پھونکنے کیلئے سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں انہیں خاصی کامیابی بھی ہوئی ہے یہ لوگ نوروز کے تیرہویں دن کو ''سیزدہ بدر'' کہتے ہیں اس دن وہ اپنے گھروں کو قفل لگا کے کھلے آسمان کے نیچے دشت و بیابان میں نکل جاتے ہیں کیونکہ وہ اسے تمام دنوں میں سب سے زیادہ منحوس دن گردانتے ہیں شہید مطہری نے اس رسم کے خلاف جس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' بانگ دھل آواز اٹھائی اور اس فکر کا خوب مذاق اڑایا۔

جس زمانے میں نجف اشرف مرکز فقہاء و مجتہدین تھا ان دنوں میں بھی عالم تشیع ایران کو ہی اپنے لئے طاقت وقدرت کا سرچشمہ تصور کرتا تھا کیونکہ تشیع کی اکثریت یہیں پر تھی یہی وجہ ہے کہ یہاں کے معاشرہ میں عزاداری امام حسینؑ کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے، اس خطے کے لوگ ہمیشہ سے عزاداری کے فروغ کے طلبگار رہے ہیں، زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس مسئلہ میں بھی قانون طلب ورسد کا اطلاق ہونا لازمی تھا عزاداری کی اس بڑھتی ہوئی مانگ سے جعل سازوں نے خوب فائدہ اٹھایا، دین فروشوں نے عزاداری میں اصل متاع فراہم کرنے کے بجائے جعلی متاع فراہم کرنے کی مہم شروع کر دی عزاداری امام حسینؑ کے نام سے ایسی ایسی خرافات کا اجراء کیا جو غیر مسلموں کی نظروں میں مسلمانوں کی بدنامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں ان ظالموں نے عزاداری امام مظلوم کو ہر پہلو سے گرانے کی کوشش کی، خواہ اسکا تعلق خطابت وروضہ خوانی سے ہو یا جلوسوں میں شبیہ سازی سے، ان لوگوں نے خرابی پیدا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

رفتہ رفتہ یہ خرافات سرحد پار کر کے برصغیر میں داخل ہوگئیں ان چیزوں کو دیکھ کر یہاں رہنے والے ان لوگوں کو جو مکتب تشیع کا کچھ درد رکھتے تھے بہت دکھ پہنچا، درد دل رکھنے والے ایسے ہی ایک بزرگ عالم دین نے ایران کے اس وقت کے ایک نابغہ علم وحدیث محدث نوری کے محضر میں ایک درخواست ارسال فرمائی، اس مکتوب میں انہوں نے برصغیر میں خطباء وذاکرین کی خرافات سازی اور مصائب میں دروغ گوئی کی شکایت کی، ساتھ ہی ان سے اس سلسلے میں اصلاحی اقدامات کرنے کی غرض سے اہل منبر کے وظائف وشرائط پر مشتمل کتاب تالیف کرنے کی غرض سے اہل منبر کے وظائف وشرائط پر مشتمل کتاب تالیف کرنے کی درخواست کی، مرحوم محدث نوری اعلی اللہ مقامہ نے ان کی درخواست کی پذیرائی کرتے ہوئے "لؤلؤ مرجان"[1] کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی اس کتاب میں اس عالم دلسوز کی فریاد کو تالیف کا محرک قرار دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ ہند کا بیچارہ یہ عالم دین سمجھ رہا ہے کہ یہ خرافات اس کے علاقہ کی پیداوار ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے ان خرافات کا اصل مصدر وماخذ تو خود ایران ہے، نہ کہ برصغیر، امام حسین- کے بارے میں دروغ گوئیوں،

[1] اس کتاب کا اردو ترجمہ "آداب اہل منبر" کے نام سے دار الثقافۃ الاسلامیہ شائع کر چکا ہے۔

افتراء پردازیوں، کہانیوں اور افسانوں سے پر کتابیں اصل میں ایران ہی کی پیداوار ہیں جیسے: کتاب روضۃ الشہداء تالیف ملا کاشفی، اسرار الشہادۃ تالیف ملا دربندی، مخزن البکاء، طریق البکاء، محرق القلوب، ریاض القدس اور معالی السبطین وغیرہ۔

علمائے کرام ومراجع عظام ان خرافات کے خلاف ہوتے ہوئے بھی بے بس نظر آتے تھے کیونکہ ایک جانب یہ خرافات ملک کے طول وعرض میں جڑ پکڑ چکے تھے اور دوسری جانب خود انکے حاشیہ نشینوں نے اس سلسلے میں ایک غلط تجزیہ پیش کیا ہوا تھا، انکا کہنا تھا کہ اگر ان خرافات اور غلطیوں کو روکنے کا حکم دیا گیا تو لوگ مذہب ہی سے بدظن ہو جائیں گے، گویا ان حاشیہ نشینوں نے ابن حاجب کے گوسفند اور بھیڑیے کی مثال کو مراجع عظام کے حضور پیش کیا ہوا تھا، مراجع عظام کے حاشیہ نشین آج بھی انہیں ایسے ہی مشورے دیتے رہتے ہیں چنانچہ وقتاً فوقتاً اس سلسلے یں متضاد فتاویٰ سننے میں آتے رہتے ہیں۔

یہ علماء حضرات ایک عجیب مخمصہ میں گرفتار نظر آتے ہیں ایک طرف تجزیہ نگاروں کے تجزیوں پر کان دھرتے ہوئے جرائت وشہامت کے مظاہرے اور حماسہ گیری سے گریز کرتے ہیں اور دوسری طرف سے عزاداری امام حسین- اور مکتب اہل بیتؑ کو لاحق خطرات سے پریشان ہو کر ان اجتماعات کے ذمہ داروں کو اپنے گھروں پر بلا کے سرگوشی کے عالم میں ان خرافات کو چھوڑنے کی درخواست کرتے ہیں چنانچہ امام خمینی رضوان اللہ علیہ نے بھی اپنے بیانات میں اس سلسلے میں حوزہ علمیہ قم کے مؤسس وبانی آیت اللہ عبد الکریم حائریؒ اور ان سے پہلے آیت اللہ بروجردیؒ کی جانب سے کی گئی اس قسم کی کوششوں اور انکی ناکامی کا ذکر فرمایا ہے تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائے آپکی کتاب "قیام عاشورا" جسکا اردو ترجمہ دار الثقافۃ الاسلامیہ شائع کر چکا ہے۔

دور حاضر میں شہید آیت اللہ مطہریؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے بے مثال جرائت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور جان کی بازی لگا کر بانگ دہل، زبان وقلم دونوں ذریعوں سے نہ صرف ان خرافات کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ ان پر مہر باطل بھی ثبت کی ہے آپ کی قوت منطق کے ساتھ ساتھ حضرت امام خمینیؒ جیسے عظیم رہبر کی پشت پناہی آپ کے قلم وبیان کیلئے مہر صحت ثابت ہوئے امام خمینیؒ نے ایرانی قوم سے اس عظیم فیلسوف

وحکیم کی کتابوں کوفروغ دینے کی بھرپور سفارش کی ہے۔

شہید کے متدل بیانات اوراس پرامام خمینیؒ کی مہر تائید نے تاجرانِ مصائب امام حسینؑ کے عزائم پرایسی کاری ضرب لگائی کہ ایران اسلامی میں تو ان کی کمر ٹوٹ گئی اور ہمت قیام نہ کرسکی لیکن ایران سے باہر ہندوستان وغیرہ کے وہ علماء جن کے وسائل زندگی اورعزت وشرف سب انہی خرافات سے وابستہ تھے صبر کی تاب نہ لاسکے،ان لوگوں نے اپنے بغض وعناد کااظہار کرنے کیلئے اس مردمجاہد کاپتلانذرآتش کرنے سے بھی گریز نہیں کیا آپ کی روح مطہر کے حق میں انتہائی جسارت آمیز زبان استعمال کی ان پُرتشدد اقدامات کودیکھتے ہوئے ہندوپاک میں کسی کوہمت نہ ہوسکی کہ شہید مطہریؒ کی اس کتاب کواردوزبان میں شائع کرنے کی کوشش کرے، یہاںتک کہ ایران میں موجود شہید مطہریؒ کے آثار کادیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے والے ادارے بھی یہاں کے حالات کومدنظر رکھتے ہوئے گوسفندوبھیڑیے کی مثال دینے والوں کے جال میں پھنس کرہمت ہار بیٹھے لہٰذا یہ نسخہ اسی طرح پڑارہااور یہاں تک کہاجانے لگا کہ فی الحال یہ کتاب اردوزبان میں ناقابل نشر ہے۔

ان کی یہ گزارشات ایک لحاظ سے قرین قیاس بھی ہیں شہید مطہریؒ اپنی تمام ترعظمتوں کے باوجود اس درجہ پرتوبہرحال نہیں تھے جس پرآج آیت اللہ العظمیٰ سیدعلی خامنہ ای فائز ہیں،دورحاضر کے اس عظیم رہبر نے گذشتہ مراجع عظام کے ارمانوں کواپنی قیادت ورہبری کی طاقت وقدرت سے بلندکرتے ہوئے مراسم عزاداری کے بارے میں اپناتاریخی بیان صادرفرمایا آپ کا یہ بیان ایران کے تمام ذرائع ابلاغ سے نشرہوادیگرمراجع عظام نے بھی رہبر کے اس فتویٰ کی مکمل تائید کی لیکن بدقسمتی سے جس طرح انقلاب اسلامی' ایران کے اندرمسدود ہوکررہ گیا ہے اسی طرح رہبر کا یہ بیان بھی اس ملک کی حدتک ہی محدودرہا۔

ایران اسلامی کے وہ نمائندے جوایران سے باہرکے ملکوں میں اسلام ناب محمدیؐ اورتشیع کے صحیح چہرے کو رواج دینے پرمامور کئے گئے ہیں انہوں نے بھی گوسفند اور بھیڑیئے کامسئلہ کھڑا کردیا اپنے زعم وگمان کے تحت انہوں نے دین کوبچانے کی خاطر رہبرمعظم کے اس بیان ہی کی تردید کردی تاکہ انہیں یہاں کے لوگوں کی حمایت وخوشنودی حاصل رہے اوران کے خلاف کوئی آوازنہ اٹھنے پائے۔ اس سلسلے میں انہیں کچھ

توانائیاں بھی صرف کرناپڑیں تاکہ یہاں کی جمعیت پرقابض افراد ان کے خلاف زبان نہ کھول سکیں انہیں خطرہ تھا کہ اگران لوگوں نے زبان کھولی توان کے مقام کوصدمہ پہنچے گااوراگران کامقام گراتو گویااسلام کودھچکالگے گا گویاان کے زعم میں اسلام کی بقاان کی شخصی عزت سے مربوط ہے۔

اسکے برعکس ہم نے طے کرلیا ہے کہ اپنی تمام ترحیثیت کوبالائے طاق رکھ کرقیام امام حسینؑ کے اصل فلسفہ اورمحرک کودنیا کے سامنے واضح وآشکار کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے اورمروجہ مراسم عزاداری پرچھائے ہوئے خرافات کے گردوغبار کواپنی مصنوعی عزت واحترام کے لباس سے پاک کرتے رہیں گے اپنی گذشتہ زندگی میں اس سلسلے میں ہم نے جوخاموشی اختیار کی ہوئی تھی حسبِ فرمانِ امام حسینؑ ہم اسکے لئے استغفار کرتے ہیں ایک روزہمیں پیغمبراکرمؐ اورائمہ طاہرینؑ کے سامنے جاناہے،امام حسینؑ کومنہ دکھاناہے لہٰذا ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ اپنی تمام ترتوانائیوں کوان ذوات کی مرضی کوخریدنے میں صرف کرینگے۔

ہم شہید کی تقاریر پرمشتمل اس کتاب کااردوترجمہ پیش کرنے کی عرصہ سے خواہش رکھتے تھے لیکن بوجوہ اس پرعمل نہ ہوسکا تھا یہ تاخیر ہمارے ارادے میں کسی سقم کی وجہ سے نہیں تھی تاہم انتظار کی گھڑیاں گزرتی گئیں، آخرجامعہ تعلیمات اسلامی کے سربراہ حجۃ الاسلام یوسف حسین نفسی صاحب نے اسکی پہلی دوجلدوں کااردو ترجمہ جسے انہوں نے اپنے ادارے کیلئے کروایا تھاہمیں عنایت فرمایا،ہم نے ان کی اس پیش کش کوبصدشکریہ قبول کیااورسال گذشتہ اسے چھپواکرقارئین کی خدمت میں پیش کیاالحمدللہ کتاب کے منظرعام پرآتے ہی قارئین کرام نے اسکی بہت پذیرائی کی اوراس سال اسکادوسراایڈیشن شائع ہوا۔

عزاداری امام حسین۔ کوخرافات اورجھوٹ سے پاک کرنے کی خواہش رکھنے والے طالبان حق اوراہل دانش وعقل نے اسکے بعد کتاب کی تیسری جلدکااردوترجمہ شائع کرنے کی خواہش کااظہار کرنا شروع کردیا گرچہ ہم اسکی توقع نہیں کررہے تھے لوگوں کے اس استقبال نے ہماراحوصلہ بھی بلندکیاچنانچہ ہم نے جلدازجلدتیسری جلدکوزیورطباعت سے آراستہ کرکے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کاتہیہ کیااس سلسلے میں اپنے عزیز بھتیجے سیدمحمدسعید موسوی کوترجمہ کیلئے زحمت دی اورمشفق ومہربان محترم بزرگ سیدرسالت حسین

کوثر صاحب سے اسکی تصحیح کرنے کی درخواست کی ماشاءاللہ ان دونوں حضرات کی کوششوں اور کاوشوں کے نتیجہ میں یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ہماری خوشی کا باعث یہ بات نہیں ہے کہ کتاب کا ترجمہ ہمارے عزیز کے ہاتھوں ہوا ہے بلکہ خوشی ہمیں اس بات کی ہے کہ ہمارے حوزوں میں مصروف تعلیم طلباء کہ جو عزاداری امام حسین - میں شامل خرافات سے متعلق قلم وزبان سے کچھ لکھنے یا بولنے کو اپنی شان کے منافی سمجھتے ہیں الحمدللہ موصوف نے اس عمومی رجحان کے برخلاف یہاں قیام کے دوران شب وروز کی ان تھک محنت سے اس کتاب کا ترجمہ مکمل کیا ہماری دعا ہے کہ خدا ان کو اس راہ پر گامزن رکھے اور انکی توفیقات میں اضافہ فرمائے تاکہ وہ اپنے قلم وزبان سے مقصد حسینیؑ کے فروغ کیلئے بہتر سے بہتر انداز میں کوشاں رہیں، رب کریم وغفور سے دعا ہے کہ وہ انہیں ہدایت سے نزدیک فرمائے اور گمراہی سے دور رکھے (آمین) دارالثقافۃ الاسلامیۃ ان کی اس کاوش کو اس لئے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اسطرح انہوں نے ادارہ کے امام حسین - سے کئے ہوئے معاہدے کو آگے بڑھانے میں معاونت کی ہے۔

خدا سے ہماری دعا ہے کہ اس چراغ کو مزید توانائی عطا فرمائے تاکہ اس کی روشنی پھیلے اور پھر یہ روشنی آسمان حسینیؑ پر چھائے خرافات کے بادلوں کو جلا ڈالے دارالثقافۃ الاسلامیۃ کی امام حسینؑ سے متعلق پیش کی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنی جگہ ایک نسخہ شاخص ہے اور ممتاز ترین مقام رکھتی ہے۔امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب دوسری کتابوں کو بھی جلا بخشے گی۔

شہید مطہریؒ نے جہاں مراسم عزاداری امام حسینؑ سے متعلق انتہائی جرأت وشہامت وبے باکی کا مظاہرہ کیا ہے وہاں دیگر خرافات وموہومات کے خلاف بھی نہایت جرائت آمیز رویہ اختیار فرمایا ہے مثلاً آپ نے مراجع عظام کے بارے میں فرمایا کہ ان کے عظمت وکمال کا معترف ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی آراء کو مقدس قرار دے کر اختلاف رائے سے گریز کیا جائے آپ نے فرمایا کہ ہمارے مکتب کو جو افتخار حاصل ہے وہ باب اجتہاد کے کھلا رہنے کے سبب ہے اس افتخار کو دوام بخشنے کیلئے اختلاف نظر کا ہونا ضروری ہے ہمیں آپکی

اس فکر اور آپ کے ان اقوال زرین سے مکمل اتفاق ہے اسی اصول کے تحت ممکن ہے کہ ہم بھی اس کتاب میں موجود بعض نظریات سے شاید اتفاق نہ کریں، ہمارے اس جملہ کا اطلاق ہر اس کتاب پر ہوتا ہے جسے ہم زیور طباعت سے آراستہ کرنے کیلئے منتخب کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی بھی کتاب میں موجود تمام کلمات الف سے ی تک مثل وحی مطلق یا ناقابل اعتراض نہیں ہوتے ہیں۔

والسلام

علی شرف الدین موسوی کراچی

عید سعید فطر ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

کتاب حاضر ”حماسہ حسینی“ کی تیسری جلد ہے جو استاد شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ کے اس بارے میں تحریروں اور یادداشتوں پر مشتمل ہے اس مجموعہ کی پہلی دو جلدیں اس شہید بزرگوار کی حادثہ کربلا سے متعلق تقاریر پر مشتمل تھیں جن کا لوگوں نے شایان شان استقبال کیا اس جلد کے مطالب کے بارے میں کچھ ضروری توضیحات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ کتاب ایسے مطالب پر مشتمل ہے جو زمانہ گزرنے کے ساتھ استاد شہید نے لکھے تھے ان مطالب کے لکھنے کا مقصد قابل توجہ مفاہیم کی یادداشت تھی یہ مطالب دراصل بعد میں مراجعہ کرنے کیلئے یا تقریر سے پہلے تیاری کی غرض سے لکھے گئے تھے اس کتاب کے مفاہیم اجمال اور تفصیل کے لحاظ سے متفاوت اور مختلف ہیں ان میں بعض مطالب ایک مکمل مقالہ کی صورت میں ہیں بعض چند سطور سے زیادہ نہیں جبکہ بعض مطالب کی طرف شہیدؒ صرف اشارہ کر کے گزر گئے ہیں۔

۲۔ کتاب حاضر دس ابواب پر مشتمل ہے ان میں سے پانچ کے موضوعات جدید ہیں جبکہ بقیہ پانچ ابواب کے موضوعات اُنہی تقریروں کے موضوعات ہیں جو جلد اول اور دوم میں چھاپے جا چکے ہیں البتہ یہ پانچ ابواب کہ جو جلد اول اور دوم سے مشترک ہیں ان کے مطالب میں ایک فرق ضرور ہے پہلی دو جلدوں میں پیش کئے گئے یہ موضوعات شہید کی تقاریر پر مشتمل تھے جبکہ اس تیسری جلد کے موضوعات خود ان کے نوشتہ اور یادداشت ہیں اسکے علاوہ مفاہیم میں بھی کچھ نہ کچھ فرق

ضرور موجود ہے دوسرے لفظوں میں یہ دونوں ہی ایک دوسرے کو کامل بناتے ہیں بڑے افسوس کی بات ہوتی اگر تھوڑے سے مشترک مطالب کی وجہ سے ان کو چھاپنے سے سے صرف نظر کیا جاتا خصوصاً جبکہ یہ نوشتے یہ بیان کرتے ہیں کہ استاد شہید تقریر کرنے سے پہلے یہ کام انجام دیتے تھے لہٰذا یہ ان کے حقیقی نظریات ہیں جو تمام خطیبوں اور ذاکروں کے لئے سبق آموز ہو سکتے ہیں وہ پانچ ابواب جن کے موضوعات نئے ہیں ان کے پہلے باب سے متعلق ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس باب میں سرخیاں مضمون مرتب کرنے والے کی اختراع ہیں جو اس باب کے گونا گون مطالب پر مشتمل ہیں درحقیقت یہ باب نہضت حسینی سے متعلق ایک زبردست بحث ہے گو یہ عناوین باب کے تمام مطالب کو جذب نہیں کرتے لیکن اس کے اعظم اور مہمترین مفاہیم کو ضرور بیان کرتے ہیں۔

امید ہے کہ ”حماسۂ حسینی“ کا یہ مجموعہ حادثہ کربلا کی بہتر اور بیشتر شناخت کرنے اور اس مقدس نہضت کے اہداف کی راہ میں عمل کرنے میں مؤثر اور مفید واقع ہوگا خداوند متعال سے دعا ہے کہ استاد شہید کے آثار خصوصاً اس گرانقدر مفکر کے ابھی تک غیر نشر شدہ آثار کی تدوین و نشر کی توفیق عنایت فرمائے۔

۶۵/۶/۱۵

شوریٰ نظارت بر نشر آثار استاد شہید مرتضیٰ مطہری

پہلا باب

حادثۂ

کربلا کی تاریخی بنیاد

کس طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی خودامت نے پیغمبرؐ کے فرزند کو شہید کیا؟

امام حسین- کی شہادت کا حادثہ نہ فقط دردناک اور نہ صرف عظیم اور بے نظیر فدا کاری کا مظہر ہے بلکہ یہ روحی توجیہ اور علل کے نقطہ نظر سے بھی ایک بڑا عجیب وغریب حادثہ ہے۔

یہ قضیہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے پچاس سال بعد مسلمانوں اور رسول اکرمؐ کے پیروؤں کے ہاتھوں سرزد ہوا یہ واقعہ ان لوگوں کے ہاتھوں سرزد ہوا جو تشیع اور آل علیؑ کی دوستی کے نام سے معروف تھے۔اور واقعاً یہ لوگ آل علیؑ سے تعلق رکھتے بھی تھے انہوں نے امامؑ کے خلاف ان لوگوں کے پرچم تلے جنگ کی جو پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے تین چار سال قبل تک آپؐ سے جنگ کرتے رہے اور بعد میں جب دوسرے لوگ مسلمان ہوگئے تو یہ لوگ بھی مجبوراً اور ظاہراً مسلمان ہوگئے (بقول عمار یاسر:

[**استسلموا ولم یسلموا**] ''ان لوگوں نے اظہار اسلام کیا لیکن اسلام قبول نہیں کیا تھا''

ابوسفیان نے تقریباً بیس سال تک پیغمبر اسلامؐ سے جنگ کی اس بیس سال کے آخری پانچ چھ سالوں میں اسلام کے خلاف جو تحریکیں چل رہی تھیں' ابوسفیان اس کا بڑا قائد بن گیا تھا' اور اس کی پارٹی والے یعنی بنی امیہ پیغمبر اسلامؐ کے سخت دشمن تھے پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے دس سال بعد معاویہ جو ہمیشہ اسلام کے خلاف جنگ کرنے میں اپنے باپ کے دوش بدوش رہا تھا، شام اور سوریہ کا والی ہوگیا پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے تیس سال بعد یہ خلیفہ اور امیر المومنین بن بیٹھا! پیغمبرؐ خدا کی وفات کے پچاس سال بعد اس کا بیٹا یزید خلیفہ بن گیا اور اس نے دلخراش وضع کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کے فرزند گرامی کو ان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید کروایا جو شہادتیں پڑھتے تھے' نماز پڑھتے تھے، حج انجام دیتے تھے، اسلامی قوانین کے تحت شادیاں کرتے تھے اور اسلام کے آئین کے مطابق اپنے مُردوں کو دفن کرتے تھے یہ لوگ اسلام کے منکر نہیں ہوئے تھے (اگر اسلام کے منکر ہو چکے ہوتے تو پھر یہ معمانہ رہ گیا ہوتا) یہ لوگ نہ تو امام حسینؑ کی حرمت کے منکر تھے اور نہ ہی اس بات کے معتقد تھے کہ نعوذ باللہ امام حسین- اسلام سے خارج ہو چکے ہیں بلکہ ان کا عقیدہ قطعی طور پر یہ تھا کہ امام حسینؑ یزید سے افضل ہیں۔

اب یہ کیسے ہوا کہ ایک تو ابوسفیان کے گروہ نے زمام حکومت کو اپنی گرفت میں لے لیا اور دوسرے یہ کہ مسلمان بلکہ شیعہ امام حسینؑ کے قاتل ہوگئے درحالیکہ وہ انؑ کو مستحق قتل نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی نظر میں آپؑ کے خون کا احترام باقی سب لوگوں کے خون سے زیادہ تھا۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ ابوسفیان کے گروہ نے کس طرح زمام حکومت اپنی گرفت میں لی اس کی وجہ یہ بات بنی کہ بنی امیہ میں سے ایک فرد جو مسلمانوں کے درمیان بدنام بھی نہ تھا اور ابتدائی مسلمانوں میں سے بھی تھا خلافت پر فائز ہوا اس سے بنی امیہ کے افراد کو حکومت اسلامی میں پیر رکھنے کی جگہ ملی اس نے اس خوبی سے اپنے آپ کو داخل کیا کہ خلافت اسلامی کو اپنی ملکیت کہنے لگا (مروان نے انقلابیوں سے اسی طرح کہا تھا) اگرچہ ان کو حکومت اسلامی میں داخل ہونے کا موقعہ حضرت عمر کے زمانہ میں حاصل ہوا تھا جب معاویہ شام اور سوریہ کے زرخیز زمین کا والی بنا خصوصاً اس معما کو نظر میں رکھیں کہ حضرت عمر بہ استثناء معاویہ اپنے تمام حکام کو نصب اور عزل کیا کرتے تھے ان میں تغیر و تبدل لاتے رہتے تھے لیکن جب معاویہ کی باری آتی تو یہ حکم لغو ہو جاتا تھا اور اس کو انہوں نے کبھی بھی معزول نہیں کیا۔

یہی اموی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں فساد پھیلانے کا سبب بنے لوگوں نے اُن کے خلاف انقلاب برپا کیا اور اُن کو قتل کر دیا معاویہ ہمیشہ خلافت کے خیال کو اپنے دماغ میں پرورش کرتا رہا تھا اُس نے حضرت عثمانؓ کے قتل سے اپنی تبلیغات کے لئے خوب استفادہ کیا اور عثمانؓ کو خلیفہ مظلوم، خلیفہ شہید کا نام بھی دے دیا حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص کو بلند کیا اور خلیفہ پیغمبر ﷺ کی مظلومیت کے نعرے کو تقویت بخشی لوگوں سے کہا: عثمانؓ کے قاتلوں کے سربراہ علی - ہیں جنہوں نے عثمانؓ کے بعد خلیفہ بن کر انقلابیوں کو پناہ بھی دے دی اس طرح اس نے لوگوں کو کیسے کیسے انداز میں نہیں رُلایا! شام کے لوگ یعنی عرب کا ایک قبیلہ جس نے فتح اسلام کے بعد شام میں سکونت اختیار کر لی تھی سب ایک دل اور یک زبان ہو کر بولے کہ خلیفہ مظلوم کے خون کے انتقام کے لئے ہم اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑنے کے لئے حاضر ہیں آپ جو بھی حکم دیں ہم اطاعت کریں گے اس طرح معاویہ نے اسلام کی قوت کو خود اسلام کے خلاف تیار کیا۔

صدر اسلام کے پیچیدہ واقعات

کیونکر پیغمبر اسلام ﷺ کی امت نے فرزند پیغمبرؑ کو شہید کرنے کیلئے قدم اٹھائی؟

تاریخ میں بعض ایسے بے نظیر اور حیرت انگیز حوادث رونما ہوئے ہیں کہ جن کے اسباب و علل کی توجیہ کرتے وقت، ممکن ہے بعض اشکالات سے دوچار ہونا پڑے، ان حوادث میں سے ایک اسلام کی بہت جلد پیشرفت اور لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کا موضوع ہے: ﴿لیظهره علی الدین کله﴾ "انہی حوادث میں سے ایک حادثہ اور حرکت قیام اباعبداللہ الحسین- ہے۔

امام حسینؑ کو قریب و بعید، رشتہ دار اور بیگانہ سب منع کرتے تھے اور اس منع کرنے کا سبب کوفہ والوں کی بے وفائی اور غداری تھی عجیب بات یہ ہے کہ امامؑ ان کی منطق کو رد نہیں کرتے تھے لیکن آپؑ کے جوابی کلمات خصوصاً مکہ و کربلا میں راستے میں دیئے گئے خطبات سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ بھی ایک منطق رکھتے تھے جو ان لوگوں کی محدود منطق سے کہیں زیادہ وسیع تھی ان لوگوں کی منطق آپکی جان اور فرزندوں کی سلامتی کے گرد گھوم رہی تھی لیکن امامؑ کی منطق دین و ایمان اور عقیدہ کی حفاظت تھی، امامؑ نے مروان کی نصیحت کے جواب میں فرمایا: [وعلی الاسلام السلام اِذقدبلیت الامة براع مثل یزید]

"جب امت یزید جیسے کی بیعت میں مبتلا ہو تو اسلام پر میرا اسلام ہو"۔

معاویہ اور یزید کا خلیفہ بننا اور ان کا قوت و نیروئے اسلام کو علی بن ابی طالبؑ اور حسین بن علیؑ کے خلاف تیار کرنا، حالانکہ لوگ دین سے بیزار نہیں تھے صدر اسلام کے پیچیدہ حوادث میں سے ایک حادثہ ہے۔ یہاں پر ہمیں دو مطالب کو مورد بحث قرار دینا چاہیئے تا کہ قیام حسینیؑ کی ماہیت، ہدف اور علت واضح ہو جائے پہلی بحث یہ کہ امویوں (جن کا سربراہ ابوسفیان تھا) کا اسلام اور قرآن سے شدید مبارزہ کرنے کی علت کیا تھی؟

دوسری بحث یہ کہ بنوامیہ حکومت اسلامی کو اپنے گرفت میں لینے میں کامیاب ہوئے اس کے اسباب اور علل کیا تھے؟

پہلا مطلب: دو وجوہات تھیں کہ بنوامیہ اسلام اور قرآن سے شدید مبارزہ کر رہے تھے پہلی علت نژادی

اور نسلی رقابت تھی جو تین نسلوں سے سلسلہ وار چلی آ رہی تھی دوسری علت یہ تھی کہ اسلامی قوانین رؤسائے قریش خصوصاً بنوامیہ کی اجتماعی نظام زندگی سے کلی طور پر فرق رکھتے تھے اور ان کی طرز زندگی کو برہم کرنے والے تھے جبکہ قرآن ان کو ایک قانون کلی سمجھتا تھا سورہ سبا ۳۴ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وما ارسلنا فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا لما ارسلتم به کافرون﴾ ''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے بڑے لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم تمہارے پیغام کا انکار کرنے والے ہیں۔''

اس کے علاوہ سورہ زُخرف، واقعہ، مؤمنون اور ھود میں بھی یہی مطلب بیان ہوا ہے ان سب کو چھوڑ کر ہم بنوامیہ کی سرشت کا اگر مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مزاج اور طینت منفعت طلب اور مادہ پرست تھی اس طرح کے مزاج رکھنے والے انسانوں کی روح پر تعلیمات الٰہی و ربّانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور اس کا ان کے باہوش ہونے یا بے ہوش ہونے سے کوئی ربط نہیں ہوتا تعلیمات الٰہی کے وہی لوگ معتقد ہو سکتے ہیں جن میں شرافت، بزرگواری اور علوِ نفس کی کرن موجود ہو جن کے خمیر میں نور ھدایت اور حیات موجود ہو:

﴿لتنذرن کان حیاً، انما تنذر من اتبع الذکر و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنین، لیمیز الله الخبیث من الطیب﴾ یہ مفاہیم خود ایک بہت بڑا قانون حیات ہیں۔

ابوسفیان اور عباس کا قصہ اور یہ کہنا:

[ولقد صار ملک ابن اخیک عظیما" اور یہ قصہ بھی "بالله غلبتک یا اباسفیان!] (میں اللہ کی وجہ سے تم پر غالب آ گیا ہوں) اور یہ قصہ: "تلقفوها تلقف الکرة" یہ سب ابوسفیان کی ظاہر کے ساتھ باطن بھی اندھا ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اموی گروہ اسلام کے دور میں آخر کس طرح سے ایک فعال اور سربراہ گروہ بن کر سامنے آیا اور کیسے حکومت اسلامی پر مسلط ہو گیا؟

یہاں پر یہ بتاتے چلیں کہ ایک نو بنیاد اور نو ساز جامعہ میں اتحاد و ہمنوائی نہیں ہو سکتی گرچہ اسباب وحدت کتنے

ہی قوی کیوں نہ ہوں ۱ نو بنیاد اور نو ساز جامعہ اسلامی بھی اگر چہ توحید اور "لا الـٰه الا الله" کے پرچم تلے ایک نیرو اور قوتِ واحدہ بن چکا تھا، اسلام نے رنگی اور قبائلی اختلافات کو معجزے کی صورت میں ختم کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ ایک طبیعی بات ہے کہ مختلف لوگ جو مختلف نسلوں مختلف عناصر اور طرح طرح کے طبیعت، عادات، آداب اور عقائد میں پرورش پائے ہوئے ہوں، دینی مسائل کے قبول کرنے اور تربیت دینی کو اپنے اندر جگہ دینے میں سب یکساں نہیں ہوتے ایک کا ایمان قوی ہوتا ہے تو ایک کا ایمان ضعیف اور ایک باطنی طور پر شرک و کفر و الحاد میں زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے اسی وجہ سے اساس اسلامی پر قائم جمعیت میں سالوں بلکہ صدیوں میں بھی سب کو ایک معین حکومت کے تحت قرار دینا آسان کام نہیں ہے ۲

خود قرآن نے منافقین کے وجود کو مفت خور (parasite) کا نام دیا ہے یہ کہتے تھے:

﴿غرهؤلاء دینهم﴾ "ان کے دین نے ان کو دھوکا دیا" اور یہ بھی کہتے تھے ﴿انؤمن کما آمن السفهاء﴾ "کیا ہم ایمان لائیں جس طرح احمق لوگ ایمان لائے۔" قرآن کریم نے منافقین کے بارے میں خبروں کا بہت زیادہ اہتمام سے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کو ایک مہم خطرے سے دور رکھنا چاہتا ہے۔۳

---

۱ [آیا ہم یہاں سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ عجلت نہ کرتے تو بہتر ہوتا اور فتوحات میں نہ لگ جاتے صبر کرتے تو طبیعی طور پر اسلام دیواروں کو چیر کر نفوذ کر لیتا؟ اس عجلت کا نتیجہ یہی شگافات اور اختلافات ہیں جو ابھی تک موجود ہیں پیغمبر اسلامؐ نے بھی کوئی وصیت نہیں کی تھی کہ میرے بعد فتوحات کرنا درآنحالیکہ آپؐ نے کئی نوع کی وصیتیں کیں فتوحات کا ذائقہ شیرین تو ہے لیکن معلوم نہیں کہ عقلاً صائب ہے یا نہیں معلوم نہیں کہ حضرت علیؑ اگر خلیفہ بن جاتے تو آیا آپؑ ان فتوحات کی تصویب کرتے؟ جیسا کہ حکومت پر فائز ہونے کے بعد آپؑ داخلی اصلاح میں لگ گئے اسکے علاوہ یہی فتوحات عربوں کے اخلاق میں فساد پیدا کرنے کا سبب ہوئے پس یہ عجلت ایک طرف مختلف اقوام کا مخلوط جامعہ وجود میں لائی اور دوسری طرف اس نے عرب قوم کے جامعہ پر اثر انداز ہو کر اسے فاسد بنا دیا]

۲ [اس بارے میں گوستاو ولون کی کتاب ''تطوّر عقاید ملل'' کی طرف رجوع کریں، وہ روحیہ کے تغییر کو بہت زیادہ تدریجی اور ست جانتے ہیں] ۳ [قرآن کریم کی شجاعتوں میں سے ایک مخالفین یعنی کفار و منافقین کی منطق کو منعکس کرنا ہے اور یہ بہت زیادہ ہی ذکر ہوا ہے]

عبداللہ بن سلول مدینہ کے منافقوں کا سب سے بڑا سردار تھا قرآن کریم اس کو"مولفة قلوبهم" کے نام سے یاد کرتا ہے وہ لوگ جو چار و نا چار اجتماع اسلامی میں داخل ہوئے ہیں قرآن اس طرح کے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ ان پر نگاہ رکھنی چاہئے اور مسلمانوں کے عمومی احوال یعنی زکوۃ اور صدقات میں سے کچھ ان لوگوں کو بھی دینا چاہئے تاکہ ان میں ایمان تدریجاً قوت پکڑ لے کم از کم آئندہ آنے والی نسلوں میں اسلام واقعی پیدا ہو جائے لیکن ان لوگوں کو حساس اور مہم کاموں میں شامل نہیں کرنا چاہئے۔

پیغمبر اسلامؐ اپنے خُلق کریم سے کسی کو بھی محروم نہیں رکھتے حتیٰ کہ منافقین اور مؤلوفة قلوبهم کو بھی اپنے اس خُلق سے نوازتے تھے لیکن محتاط روش کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جب تک پیغمبر اکرمؐ زندہ رہے بنی امیہ کے ضعیف الایمان مؤلفة قلوبهم یا منافق کوئی جگہ نہ بنا سکے لیکن افسوس کہ پیغمبرؐ کے بعد یہ لوگ بتدریج حساس عہدوں پر فائز ہو گئے خصوصاً حضرت عثمانؓ کے دور میں مروان اور اس کا باپ جن کو رسول اللہؐ نے شہر بدر کیا تھا مدینہ واپس لائے گئے حالانکہ اس سے پہلے کے دونوں خلفاء نے حضرت عثمان کی ان لوگوں کی مدینہ واپسی کیلئے سفارش قبول نہ کی تھی اور یہی مروان اصل فتنوں اور حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب ہونا۔

بنی امیہ حضرت عثمانؓ کے دور حکومت میں عمالِ بیت المال اور دیگر بڑے بڑے مناصب پر فائز ہو گئے انھوں نے دو عوامل یعنی خزانہ اور سیاست کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا فقط ایک قوی اور قدرتمند عامل یعنی دیانت کی کسر باقی تھی حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد معاویہ نے ایک عجیب زبردستی اور عیاری کے ذریعے اس کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح سے اس کو بھی اپنا خادم بنا لیا یہاں سے پھر وہ اس فوج کو بھی جو دین کے نام پر تھی اور اس دین کی قوت تھی علی ابن ابی طالب- جیسی شخصیت کے خلاف تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد معاویہ نے اپنے دور خلافت میں ابو ہریرہ جیسے روحانیوں کو اجیر بنا کر عامل دیانت کے علاوہ عامل روحانیت کو بھی کلی طور پر اپنا زیر دست بنا لیا اس طرح چاروں عوامل اس کے ہاتھ آ گئے یعنی عامل سیاست اور سیاسی عہدے عامل ثروت، عامل دیانت اور عامل روحانیت، عثمانؓ کے دور خلافت میں بنی امیہ کے ہاتھوں جو بیت المال کا خُرد بُرد ہوا اور جس طرح سے مناصب اور عہدے ایک کے بعد دوسرے ہاتھ میں سونپے گئے یہ

باتیں عام لوگوں کی ناراضگی کا سبب بنیں اس میں اہل دنیا اور اہل دین میں کوئی فرق نہ تھا دونوں گروہ ان لوگوں کے ان کاموں سے ناراض تھے۔

اہل دنیا اپنی دنیا کی وجہ سے پریشان تھے وہ یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ ان کے دشمن کھائیں اور خود وہ تکتے رہیں۔

اہل دین بھی پریشان تھے کیونکہ اسلام کے اجتماعی اصول معاشرے سے رخصت ہو رہے تھے یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً عمرو عاص اور زبیر بھی مخالف تھے اور ابوذر و عمار بھی مخالف تھے، عمرو عاص نے کہا: میں نے کوئی چرواہا بھی نہیں چھوڑا کہ جسے قتل عثمان پر نہ اُبھارا ہو جب قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا:

[انا ابو عبداللہ ماحککت قرحة الاادمیتها] "میں ابو عبداللہ ہوں کسی بھی زخم پر میں نے ہاتھ نہیں رکھا مگر جس سے خون نہ نکلا ہو" یعنی جس زخم کو بھی چھوا اس سے خون نکال کر ہی رہا۔

امام علیؑ نے جنگ جمل میں زبیر سے فرمایا:

[لعن اللہ او لانا بقتل عثمان]'' خدا لعنت کرے اُس پر جو ہمیں قتل عثمان میں ملوث کرے۔''

حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ سے وہی سلوک اختیار کیا جو آپ کا دوسرے خلفاء کے ساتھ رہا آپؑ نے اپنی عمومی خیر خواہی اور نصیحت سے کبھی دریغ نہیں کیا جس وقت حضرت عثمانؓ محصور تھے آپؑ نے اُن کو صحیح راستہ بھی دکھلایا اور آپؑ انہیں کھانا پانی بھی پہنچا دیا کرتے تھے دوسری طرف معاویہ اپنی بہت بڑی طاقت کے ساتھ شام میں تھا وہ اس فتنہ، اس کے مقدمات اور اس کے نتائج سے بخوبی آگاہ تھا اور حضرت عثمانؓ نے بھی اس سے مدد مانگی تھی وہ انقلابیوں کو نیست و نابود بھی کر سکتا تھا[1] لیکن اس نے سوچا کہ عثمانؓ کے زندہ رہنے سے

[1] [نہج البلاغہ کتوب ۳۷ میں فرماتے ہیں:

(فاما اکثارک الحجاج فی عثمان وقتلتله فانک انما نصرت عثمان حیثُ کان النصر لک وخذلته حیث کان النصر له) ''تمہارا عثمان اور ان کے قاتلوں کے بارے میں زیادہ جھگڑنے کا مختصر جواب یہ ہے کہ تم نے عثمان کی مدد اس وقت کی ہے جب مدد میں خود تمہارا فائدہ تھا اور اس وقت لاوراث چھوڑ دیا جب مدد میں ان کا فائدہ تھا'' ان جملوں میں معاویہ کی سیاست خوب منکشف ہوئی ہے]

زیادہ وہ اُن کے مرنے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پہنچنے تک تو وہ اپنی جگہ بیٹھا رہا جب یہ خبر پہنچی تو اس نے واعثماناہ کی فریاد بلند کی، عثمان کے پیراہن کو علم بنایا، منبر پر جا کر خود بھی رویا لوگوں کو بھی رُلایا اور قرآن کریم کی اس آیت کو شعار بنایا:

﴿ومن قتل مظلوماً فقدجعلنالولیه سلطان ﴾ ''جو مظلوم قتل ہوتا ہے ہم اس کے ولی کو بدلہ کا اختیار دے دیتے ہیں۔'' (اسراء۳۳)

لاکھوں افراد نے خلیفہ مظلوم کے خون کا انتقام لینے کے لئے اس کی دعوت قبول کی اس طرح سے اس نے عامل دیانت کا بھی عامل ثروت اور منصب کے ساتھ اضافہ کرلیا [۱] اور کشور اسلامی کی اہم جگہوں سے تمام قوتوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

معاویہ کے قدرتِ خلافت اور روحانیتِ اسلامی پر تسلط حاصل کرنے کے راز میں چند چیزوں کا دخل تھا:

(۱) خود معاویہ کی ہوشیاری اور زیرکی

(۲) خلفاء کی بُری سیاست اور تدابیر جس نے ان لوگوں کو راہ دی۔

(۳) لوگوں کی جہالت، نادانی اور سادہ لوحی [۲]

---

[۱] [دوسرے الفاظ میں دیانت کے قدرت کی افزائش بھی سیاست اور ثروت کی قدرت پر کی اور لوگوں کو یعنی علیؑ کے پیروان کو مادّی لحاظ سے بھی فشار میں رکھا اور معنوی لحاظ سے بھی خطرناک ترین موقع وہ ہوتا ہے کہ جب یہ دونوں قدرتیں یعنی مادّی اور معنوی قدرت ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں دیتی لیتی رہیں اور اس سے ان کا مقصد کسی ملت کے سر پر سوار رہنا ہو البتہ دیانت خود اپنی جگہ ہمیشہ مظلوم کا دفاع کرتی ہے خدا امان میں رکھے اس وقت سے کہ جب لوگوں کی جہالت اور اولیاء کی خیانت کی وجہ سے یعنی عابدوں کی جہالت اور جسور لوگوں کی خیانت سے دین سیاست کا آلہ کار بن جائے]

[۲] [یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے لوگ خلیفہ یعنی ولی امر کے انتخاب کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے بالفرض ہم قبول بھی کرلیں کہ حکومت اسلامی انتخاب سے ہے نہ کہ انتصاب (نصب کرنا) سے جیسا کہ ان دنوں بلکہ سالوں اور صدیوں سے ہوتا رہا ہے تب بھی دنیا میں جہاں لوگ آزادی کی لیاقت نہ رکھتے ہوں اور حاکم کے تعین میں کوئی دخل نہ رکھتے ہوں وہاں ان کو آزادی نہیں ملنا چاہئے لیکن سوال یہ ہے کس نے ان کی یہ آزادی چھین رکھی ہے؟ خود وہ لوگ کہ جوان کے انتخاب سے

معاویہ اور بنی امیہ نے اسلام کے اصولوں میں سے دو کو محو کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی، ایک نسلی امتیاز کی روا رکھ کر عرب کو عجم پر ترجیح دی اور دوسرا طبقاتی فرق کی ایجاد عمل میں لائے جس سے بعض مثلاً عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر جیسے لاکھوں کی دولت کے مالک بن گئے اور بعض فقیر اور تہی دست ہو گئے حضرت علیؑ بلا وجہ نہیں فرماتے

[...ان لایقاروا علی کِظَّة ظالم ولاسغب مظلوم] ''ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے مت بیٹھے رہو'' [نہج البلاغہ خطبہ۳]

یا آپؑ کا یہ فرمان بے معنی نہ تھا:

[الاوان بلیتکم قدعادت کھیئتھایوم بعث اللہ نبیّه] ''تمہیں جاننا چاہئے کہ تمہارے لئے وہی بلائیں پھر پلٹ آئی ہیں، جو رسولؐ اللہ کی بعثت کے وقت تھیں۔''

علیؑ کی اجتماعی قوت سے معاویہ کا مقابلہ

حضرت علی -کے اس دنیا سے جانے کے بعد معاویہ خلیفہ بن گیا لیکن معاویہ کی توقع کے برخلاف حضرت علیؑ کی قوت وطاقت باقی رہ گئی معاویہ کے بے ہودہ الفاظ اور متجاوز طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ سے بہت زیادہ بے چین تھا لہٰذا اس نے علیؑ کے خلاف تبلیغ کا ستون قائم کیا اور حکم جاری کیا کہ منبروں سے اور خطبوں میں حضرت علیؑ کو سب وّلعن کیا جائے اس نے حضرت علیؑ کے قریبی دوستوں کو بے دریغ شہید کیا یہ بھی حکم دیا ہوا تھا کہ جس کسی پر علیؑ کی دوستداری کا گمان ہی کیوں نہ ہوا سے قتل کر دیا جائے تا کہ حضرت علیؑ کے فضائل کو منتشر ہونے سے روکا جا سکے، رقم دیگر حضرت علیؑ کے خلاف اور بنی امیہ کے حق میں احادیث جعل

ڈرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو آزادی نہیں ملنی چاہئے یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ مقام نبوت یہ کام کرسکتا ہے غرض یہ کہ اس وقت کے لوگوں کی جہالت اور عدم صلاحیت کے سبب بنوامیہ نے اپنی زیرکی اور ہوشیاری سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت علیؑ عدالت کا مجسمہ بھی تھے اور ہوشیاری اور پیش بینی کا مجسمہ بھی، بنوامیہ کا فتنہ جو پس پردہ تھا اور اسلامی روپ دھارے ہوا تھا حضرت علیؑ نے اس کی کلی طور پر پیش بینی کردی تھی اور لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیا تھا لیکن ان کے کلمات کا ادراک کرنے والا کوئی وجود نہ رکھتا تھا]

کی گئیں حضرت علیؑ کی وہ فکر جو لوگوں کے دلوں اور سینوں میں جاگزیں تھی یہ تینوں کام اس فکر کے خلاف جنگ کرنے کیلئے کئے گئے تھے اسی لئے حجر بن عدی اور عمرو بن حَمِق کو قتل کیا گیا اور اسی لئے کوفہ میں عبید اللہ کو حکم دیا کہ میثم تمار اور رُشید کو شہید کردے ،نتیجتاً تشیع کے نام سے موسوم ایک غیر منظّم قوت ہمیشہ حکومتِ بنی امیہ کی مخالفت کرتی رہی۔

بنی امیہ حکومت پر کیسے پہنچے اس پر ہماری تحقیق صرف تعجب آمیز جہت پر ختم نہیں ہوتی ، یہ ایک سطحی بات نہیں ہے جو تیرہ صدی پہلے پیش آئی اور ختم ہوگئی بلکہ یہ اسلام کے لئے ایک خطرہ تھا جو اس وقت اسلام پر عارض ہوا اور خدا جانے کب تک رہے گا اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی نفسانی کیفیات کی تاریخ کی جانچ پڑتال کریں تو ہمیں بنوامیہ کی تاریخ تک رسائی حاصل کرنی چاہیئے ، بنی امیہ کی فکر در پردہ اسلام کے لبادے میں فکرِ اسلامی سے جنگ کرتی رہی ،اموی فکر کا عنصر اسلامی فکر کے عنصر میں داخل ہوگیا حد یہ ہے کہ جو لوگ صبح وشام بنی امیہ پر لعنت بھیجتے ہیں ان کی فکر میں بھی فکر بنی امیہ کا ایک عنصر موجود ہوتا ہے اور وہ بہ زعمِ خود یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسلامی فکر ہے اور قطعاً ایسا ہی ہے [1] مثلاً مصرف زکوٰۃ وخمس استطاعت حج ،نفقۂ زوجہ اور اسی طرح دیگر امور میں چند شؤونات کی رعایت کرنا۔

حضرت علیؑ نے بنی امیہ کے تسلط کے خطرے کو بہت زیادہ اہمیت دی اور اس خطرہ کی علامت سے آگاہ کرتے رہے لیکن اس طرف بہت کم لوگ متوجہ ہوئے خود حضرتؑ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ بعد میں متوجہ ہوگے:

[فعندہ ذلک تودقریش بالدنیاومافیہالویروننی مقاماًواحداًولوقدرجزرجزورلاقبل منہم مااطلب منہم الیوم بعضہ ولایعطوننیہ]

[1] [بنوامیہ تو چلے گئے لیکن افسوس کہ اموی فکر کے عناصر اور اموی اصول وقواعد باقی رہ گئے اور کچھ تغیر وتبدیل کے ساتھ ہماری زندگی کے اصول کا جزء بن گئے آج بھی معاویہ کی راہ پر چلتے ہوئے لوگ عامل دیانت کو اپنا خادم بنا کر دیانت کے خلاف عامل بن جاتے ہیں بنوامیہ کے اصولوں کے خلاف ایک بات بھی نہیں کرتے جس قدر آنسو عثمانؓ کے پیراہن کے تلے بہائے گئے تھے اُتنے ہی آنسو آج بھی بہائے جاتے ہیں]

''وہ وقت ہوگا جب قریش (یعنی بنی امیہ) یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا ومافیہا اور اس کی تمام دولت دے کر وہ مجھے ایک منزل پر دیکھ لیں چاہے صرف اتنی دیر کے لئے جتنی دیر میں ایک اونٹ نحر کیا جاتا ہے تاکہ میں ان سے اس چیز کو قبول کرلوں جس کا ایک حصہ آج مانگنے پر بھی وہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

بنی امیہ کے فتنوں کے بارے میں آپؑ کے فرامین میں سے چند درج ذیل ہیں:

[ان الفتن اذااقبلت شبہت ،واذاادبرت نبہت] ''فتنے جب آتے ہیں تو لوگوں کو شبہات میں ڈال دیتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو ہوشیار کرجاتے ہیں'' [نہج البلاغہ خطبہ/۹۳]

[ایہاالناس سیّأتی علیکم زمان یکفاء الاسلام کمایکفاالاناء بمافیہ] ''لوگو!عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں اسلام کو اسی طرح الٹ دیا جائے گا جس طرح سے برتن کو اس کے سامان سمیت الٹ دیا جاتا ہے۔'' [نہج البلاغہ خطبہ/۱۰۳]

[فمااحلولت لکم الدنیافی لذتہا] ''(بنی امیہ) یہ دنیا تمام لذتوں سمیت تمہیں شیریں نہیں لگے گی۔'' [نہج البلاغہ خطبہ/۱۰۵]

[مالی اراکم اشباحاًبلاارواح] ''آخر کیا ہوگیا ہے کہ میں تمہیں بالکل بے جان پیکر کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔'' [نہج البلاغہ خطبہ/۱۰۸]

حضرت علیؑ نے چند موضوعات کی پیش بینی فرمائی تھی:

(ا) بنی امیہ ظلم وستم اور استحصال کریں گے اور اچھی چیزوں کو خود اپنے لئے انتخاب کریں گے پھر آج کے اس عدل وانصاف اور مساوات کا نشان بھی نہیں ملے گا:

﴿لایتخذ بعضنا بعضاً ارباباًمن دون اللہ﴾ ''ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے'' (آل عمران/۶۴)

[لن تقدس اُمۃً حتی یوخذللضعیف حقہ ..] ''وہ اُمت پاکیزہ کردار نہیں ہوسکتی

ہے جس میں کمزور کو آزادی کے ساتھ طاقتور سے اپنا حق لینے کا موقع نہ دیا جائے۔''

[مالک اشتر کے نام خط نہج البلاغہ؍مکتوب ۵۳]

[لایکون انتصار احدکم منھم الا کانتصار العبد من ربہ] ''ان سے تمہاری دادخواہی ایسی ہی مشکل ہو جائے گی جیسے غلام اپنے آقا سے یا مرید اپنے پیر سے انصاف کا تقاضا کرے'' [خطبہ؍۹۳]

امام علیؑ کی اس پیش بینی کی تصدیق اس وقت ہوئی جب مسلم بن عقبہ نے مدینہ میں لوگوں سے یزید کے لئے عبودیت اور غلامی کی بیعت لی۔

(۲) تمہارے برگزیدہ، نیک، سمجھدار اور روشن فکر لوگوں کو مارا جائے گا اور ہر وہ سر جس میں مغز ہو اور اس مغز میں ذرا سی بھی ایمان کی روشنی موجود ہو وہ سرتن پر باقی نہیں رہے گا۔

آپؑ نے فرمایا:

[عمت خطتھا وخصت بلیتھا واصاب البلاء من ابصر فیھا واخطا البلاء من عمی عنھا] ''میری نگاہ میں سب سے خوفناک فتنہ بنی امیہ کا ہے جو خود بھی اندھا ہوگا اور دوسروں کو بھی اندھیرے میں رکھے گا اس کے خطوط عام ہوں گے لیکن اس کی بلاء ان خاص لوگوں کے لئے ہوگی جو اس فتنہ میں آنکھ کھولے ہوئے ہونگے ورنہ اندھوں کے پاس تو وہ آسانی گزر جائے گا'' [خطبہ؍۹۳]

(۳) احکام اسلامی کا احترام عملاً ختم ہو جائے گا اور کوئی بھی ایسا حرام باقی نہیں رہے گا جو حلال نہ ہو جائے:

[واللہ لایزالون حتی لایدعو اللہ محرماً الا استحلوہ، ولا عقداً الا حلوہ، وحتی لا یبقی بیت مدر ولا وبر الا دخلہ ظلمھم ونبابہ سوء رعیھم] ''خدا کی قسم یہ یوں ہی ظلم کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کوئی حرام نہ بچے گا جسے حلال نہ بنالیں اور خدا کا کوئی عہد و پیمان نہ بچے گا جسے توڑ نہ دیں اور کوئی بھی مٹی کا گھر یا خیمہ باقی نہ رہے گا جس میں ان کا ظلم داخل نہ ہو جائے

اور ان کا بدترین برتاؤ انھیں ترک وطن پر آمادہ نہ کردے۔'' [نہج البلاغہ خطبہ ۹۸]

عبداللہ بن حنظلہ نے کہا: ہم اس آدمی (یزید) کے پاس سے آرہے ہیں جو **ینکح الامھات والا خوات** یعنی اپنے ماؤں اور بہنوں سے نکاح کرتا ہے۔

(۴) اسلام تحریف کا شکار ہوگا اور اس کے احکام پلٹ دئے جائینگے، غیر اسلامی عناصر لوگوں کے افکار میں بیٹھ جائیں گے:

[یکفا الاسلام کما یکفا الاناء] ''اسلام کو اس طرح الٹ دیا جائے گا جس طرح برتن کو اس میں سامان سمیت الٹ دیا جاتا ہے'' [خطبہ؍۱۰۳]

[ولبس الاسلام لبس الفرو مقلوباً] ''اسلام یوں الٹ دیا جائے گا جیسے کوئی پوستین کو الٹا پہن لے'' [خطبہ؍۱۰۸]

یہ سب کچھ علیؑ نے جیسے آئینہ میں دیکھا ہو، وقوع پذیر بھی ہوا۔

کچھ لوگ جو حد سے زیادہ حضرت علیؑ سے محبت کرتے تھے، اس کا ایک سبب آپؑ کی سیرت و عدل اور اخلاق کے علاوہ آپؑ کی یہی پیش بینی تھی کہ جو سب کچھ وقوع پذیر ہوا۔ معاویہ مرگیا مگر اموال کا خرد برد، عہدوں کا غصب کرنا کہ جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے شروع ہوا تھا، باقی رہا اس کے علاوہ کچھ اور بُری سنتیں بھی باقی چھوڑ کر گیا:

(۱) حضرت علیؑ پر سبّ ولعن کرنا۔

(۲) حضرت علیؑ کے خلاف حدیث جعل کرنے کے لئے پیسہ خرچ کرنا اور لوگوں کو اس پر اُبھارنا دوسرے الفاظ میں یوں کہوں کہ عامل دیانت کو تو عثمانؓ کے قتل کے راستے (سُمرہ بن جندب کا قصہ اور آیہ: **ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ**) ہاتھ میں لے ہی لیا تھا، اس کے علاوہ عامل روحانیت کو بھی علمائے سوء کے ذریعے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

(۳) بے گناہوں کو بے دریغ قتل کرنا جس کی اسلام میں اس سے پہلے کوئی مثال نہیں اسی طرح لوگوں

کے احترام کی پامالی، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینا اور ان کے سروں کو نیزہ پر بلند کرنا، جیسے عمرو بن حمق خزاعی کا سر۔

(۴) لوگوں کو زہر دینا اور اس بزدلانہ کام کو عام کرنا جو مروت اور انسانیت کے خلاف ہے خلفاء کے بعد دوسرے لوگ بھی اس کی پیروی کرنے لگے۔

معاویہ نے امام حسنؑ، مالک اشتر، سعد وقاص کو مسموم کیا اس کے علاوہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید جو اُس کے بہترین مددگاروں میں سے تھا اس کو بھی مسموم کیا۔

(۵) خلافت کو اپنے خاندان میں موروثی قرار دے دیا[1] اور یزید کو جو ہرگز لیاقت نہیں رکھتا تھا، ولی عہد بنالیا۔

(۶) نسلی امتیاز کی آگ کو ہوا دینا، عرب کو عجم پر، قریش کو غیر قریش پر فضیلت دینا۔

ان تمام کاموں میں حضرت علیؑ پر لعن وسبّ کرنا، علیؑ کے خلاف احادیث جعل کرنا اور یزید کو ولی عہدی پر فائز کرنا، معاویہ کی بدترین تدابیر میں سے شمار ہوتے ہیں۔

یزید ایک جاہل اور کم عقل آدمی تھا خلیفہ زادوں کو گذشتہ زمانے میں خلافت کیلئے تربیت دی جاتی تھی۔ اس کے لئے کچھ مدت تعلیم وتربیت دی جاتی ہے تاکہ حداقل زعامت کے لائق ہوجائیں (جس طرح عباسیوں نے کیا تھا) یزید دیہات میں پلا بڑھا تھا دنیا وآخرت سے بے خبر شخص تھا اور خلیفہ بننے کی قطعاً لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ اگر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مال اور مناصب غصب ہوئے اور اگر معاویہ کے زمانہ میں حضرت علیؑ پر

---

[1] [اس طرح گروہ اموی کی دیرینہ آرزو جس کا اظہار ابوسفیان نے عثمان کے گھر میں کیا تھا: **یابنی اُمیه تلقفوها تلقف الکرة اماوالذی یحلف به ابوسفیان مازلت ارجوها لکم ولتصبرن الی صبیانکم ورثةً** ، حقیقت کا روپ دھار گئی خود معاویہ کو بھی اس پر یقین نہیں تھا کہ یہ آرزو پوری ہوگی، البتہ امام حسینؑ سب سے زیادہ ان نیتوں سے آگاہ تھے اور دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ خلافت کے ساتھ گیند کی طرح کھیل رہے ہیں اور اس کو اپنے بچوں کے لئے موروثی بنا رہے ہیں امام حسینؑ کا قیام گروہ بنو امیہ کے افکار کو عملی صورت دینے میں رکاوٹ بنا]

لعن وسبّ ہوئے، حدیثیں جعل ہوئیں، پیغمبر اسلامؐ سے جھوٹ کو نسبت دینا، بے گناہ لوگوں کا قتل اور مسموم کیا جانا، خلافت کو موروثی بنانا اور نسلی امتیاز وجود میں لانا معمول بن گیا تھا، تو یزید کا عہد اسلام ومسلمین کی رسوائی کا زمانہ تھا، دوسرے ممالک سے نمائندے آتے تھے اور پیغمبر اکرمؐ کی جگہ پر ایک ایسے آدمی کو دیکھتے تھے جو ساری دنیا سے بے خبر ہے، ہاتھ میں شراب ہے، بغل میں ریشمی کپڑوں میں ملبوس بندر بیٹھا ہوا ہے اب اسلام کی کیا آبرو اور عزت باقی رہ گئی یزید، غرور، جوانی، حکومت اور شراب میں مست تھا اس صورت حال کی واضح عکاسی حضرت سیدالشھداء امام حسین - کے اس کلام سے ہوجاتی ہے: [**وعلی الاسلام السلام اذقدبلیت الامة براعٍ مثل یزید**]

یزید اعلانیہ فسق وفجور پھیلاتا اور کفر آمیز الفاظ استعمال کرتا تھا، دوسرے الفاظ میں یزید نے سب پردے چاک کردیئے تھے ایسے موقع پر قیام کرنا لازمی ہوتا ہے جب خلیفہ مسلمین اعلانیہ فسق وفجور انجام دے، کفر کو فروغ دے، تو پھر اسلام ومسلمین کی کیا عزت اور آبرو باقی رہ جائے گی؟

بنابراین ہمارا یہ سوال کہ امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا؟ اس سوال کی طرح ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مکہ میں کیوں قیام فرمایا؟ کیوں قریش والوں کے ساتھ مصالحت نہیں کی؟ یا حضرت علیؑ کیوں پیغمبر اسلام ﷺ کی حمایت میں جنگ بدر، حنین، احد، احزاب اور لیلۃ المبیت میں اس قدر رنج اور مصائب کے متحمل ہوئے؟

یا یہ سوال کہ کیوں حضرت ابراہیمؑ نے تن تنہا نمرود کی عظیم قدرت کے مقابل قیام کیا؟ یا یہ کہ کس لئے حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی ہارون کے علاوہ کسی اور مددگار کے بغیر فرعون کے دربار میں گئے؟ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا؟ اس ''کیوں'' کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ امام حسینؑ کا قیام اس وقت اچھا ہوتا کہ جب آپؑ کے پاس بھی یزید کے برابر فوج ہوتی، لیکن جواب یہ ہے کہ اگر امام حسینؑ کے پاس یزید کے برابر فوج ہوتی اور آپؑ ایک ایسے اجتماع کے ساتھ قیام کرتے جس میں لوگ دو حصوں میں ہوتے، دو بہت بڑی صفیں تشکیل پاتیں اور امام حسینؑ ایک صف کے آگے ہوتے تو اس وقت قیام حسینؑ ایک مقدس اور جاوداں قیام نہ ہوتا یہ سوال ''کیوں''، تمام مقدس اور تاریخی قیاموں کے بارے میں کیا جاتا ہے، قیام مقدس بشری دو تشخیص

رکھتے ہیں:

ایک تشخص قیام کے ہدف کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی یہ کہ قیام انسانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کیلئے ہو، توحید کے لئے ہو، عدل کیلئے، آزادی کیلئے، ظلم واستبداد کے خاتمہ کے لئے ہو، کسب جاہ کیلئے نہ ہو اور نہ مقام اور ثروت حاصل کرنے کیلئے ہو، بقول حنظلہ بادغیسی اگر کوئی قیام قوم کا بزرگ بننے کے لئے یا تعصب وطنی یا قبیلہ کے لئے یا نسب کیلئے ہو تو ایسا قیام مقدس نہیں ہوسکتا۔

دوسرا تشخص یہ ہے کہ اس طرح کا قیام بجلی کی چمک کے مانند ہوتا ہے جو انتہائی ظلمتوں اور تاریکیوں میں ظاہر ہوتی ہے، ایک ایسا شعلہ جو ظلم واستبداد، انانیت اور دروغ گوئی کے درمیان لَو دیتا ہے، ایک ایسا ستارہ جو رات کے اندھیرے میں انسان کی نیک بختی کے آسمان پر طلوع ہوتا ہے یہ ایک ایسی نہضت یا تحریک ہوتی ہے جس کو ''عقلائے قوم!'' درست نہیں گردانتے۔

نہضت حسینی کے افتخارات میں سے ایک یہی ہے کہ عقلائے قوم! اس کو درست نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ عقلاء کے سطح نظر سے بلند تھا، نہ یہ کہ ان کی نظروں سے دور تھا، عرفاء نے اس کے عرفانی پہلو کو اور اسکے بالائے عقل زاویہ کو نظر میں لے کر اسے مکتب عشق کا نام دیا ہے ہمارے مرثیہ گو شعراء کی منطق بھی یہی ہے، اسکے علاوہ بہت سے لوگوں نے اس کو معنوی پہلو دیا ہے یہ درست ہے کہ یہ عشق الٰہی کا مکتب ہے حضرت علی - کا فرمان بھی ہے: [مناخ رکاب ومصارع عشاق] لیکن سوال یہ ہے کہ یہ عشق اور سلوک میدان کربلا جیسی نمائش گاہ میں کیوں ظہور پذیر ہوا؟ خداوند عالم کیلئے یا اس معشوق کے لئے تو اس میں کوئی فرق نہیں تھا ہاں! خداوند عالم کی رضایت دین کی راہ میں فداکاری، سعادت بشر اور عدالت کے قیام کے لئے فداکاری میں ہے کہ جو پیغمبروں کا مقصد اور ہدف بھی تھا ہمارے عرفاء حضرات اگر سچے عاشق ہیں تو کیوں فقط مجلس سماع کی حد تک اپنے عشق کا ثبوت پیش کرتے ہیں؟ عشق حسینؑ بے شک عشق الٰہی ہے، ان کا عشق صادق اور حقیقی عشق ہے ان کا یہ عشق فقط مجلس سماع میں اظہار نہیں بلکہ میدان مبارزہ میں عشق کی تصدیق بھی ہے پس قیام حسینیؑ کا افتخار یہ ہے کہ ابن عباس جیسے لوگ اس کو صحیح نہیں جانتے تھے، بشر کے وہ تمام مقدس قیام جو تاریکیوں میں ایک شعلے کی

مانند لَو دیتے ہیں، دوسروں کو صائب نہیں لگتے، خود ہمارے زمانے میں مثلاً ہماری روحانی قدرت اگر غیر راہ خدا میں صرف ہو رہی ہو، اس پر کوئی اعتراض کرے، ان حالات میں جبکہ ہر جگہ پر شیطانی قوت پورے طور پر مسلط ہو، کوئی اعتراض کرے اور قیام کرے تو دونوں صورتوں میں عقلاء اشکال کرینگے اور اس کو بد سلیقہ کہیں گے اور کہیں گے کہ یہ کیا سلیقہ اور رسم ہے، یہ کہاں کی استقامت اور کجروی ہے؟

پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں امیر المومنینؑ کیا اچھی تعبیر رکھتے ہیں، فرماتے ہیں:

[ارسله علی حین فترة من الرسل] ''آپؐ کو اس وقت نبی بنا کر بھیجا کہ جب یہ دنیا پیغمبرؐ کے وجود سے خالی تھی''

[والدنیا کاسفة النور] ''دنیا نے نور کو گہن لگا دیا تھا۔''

قرآن کریم حضرت ابراہیمؑ کے قیام کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ولقد آتینا ابراهیم رشده﴾ ''یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیمؑ کو اسکی سمجھ بوجھ بخشی تھی۔'' (الانبیاء/۵۱)

لفظ رشـــد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایک چیز کا احساس کرتے تھے جس کا دوسرے لوگوں کو احساس نہیں تھا یہاں تک کہ کہا:

﴿قالوا احرقوه انصروا آلهتکم﴾ ''کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداوؤں کی مدد کرو'' (الانبیاء/۶۸)

حضرت موسیٰؑ کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا﴾ ''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ پراگندہ کر رکھا تھا'' (قصص/۴)

حضرت علیؑ نے بنی امیہ کے فتنہ کے بارے میں فرمایا:

[انهـــا فتـــنه عَـمیـاءُ مُـظـلـمةً] ''سب سے خوفناک فتنہ بنی امیہ کا ہے جو خود بھی

اندھا ہوگا اور دوسروں کو بھی اندھیرے میں رکھے گا'' [خطبہ/۹۳]

آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

[**لتجدن بنی امیة لکم ارباب سوء**] ''تم لوگ بنی امیہ کو ہر آئینہ میں اپنے لئے بدترین حاکم پاؤ گے''۔

اور یہ بھی فرمایا:

[**حتیٰ لایکون انتصار احدکم منهم الا کانتصار العبدمن ربّه**] ''ان سے تمہاری دادخواہی ایسی ہی مشکل ہوجائے گی جیسے غلام اپنے آقا سے یا مرید اپنے پیر سے انصاف کا تقاضا کرے'' [خطبہ/۹۳]۔

امام حسینؑ اور وہ مصلحین جنہوں نے قیام کیا

وہ تمام لوگ جنھوں نے بشریت کی خدمت کی ہے بشریت پر ایک حق رکھتے ہیں، یہ خدمت خواہ از راہ علم ہو، صنعت و ہنر کے میدان میں ہو، یا اکتشاف اور اختراع ہو، فلسفہ حکمت، ادب و اخلاق، غرض کسی بھی راہ میں ہو ان میں سے کوئی بھی راہ حق کے شہداء کے برابر بشریت پر حق نہیں رکھتا، اسی وجہ سے بشریت کا ردّعمل اور اظہار تشکر شہداء کے بارے میں دوسروں سے زیادہ ہے، تمام اجتماع بشر کے لئے عدل اور آزادی اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ تنفس کے لئے ہوا کی اہمیت ہے جسکے بغیر حیات انسانی کا دوام ممکن نہیں، پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

[**الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم**] ''یعنی ملک کفر کے ساتھ باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا''

عالم اپنے علم میں، کشف کرنے والا اپنے اکتشاف میں، استاد اور تربیت دینے والا اپنے تعلیمات میں، حکیم اور فیلسوف اپنے حکمت اور فلسفہ میں، شہداءؑ کے مقروض اور مرہون منت ہیں جبکہ شہداء اپنے کاموں میں کسی کے مرہون منت نہیں ہیں اسلئے کہ یہ شہداء ہی ہیں جنہوں نے دوسروں کو آزادی دلائی تاکہ وہ اپنے فکر نبوغ اور ذکاوت کا اظہار کرسکیں، شہداء بشریت کے لئے شمع محفل کے مانند ہیں جو خود تو جل گئے مگر بشریت کی محفل

کو روشن کر گئے۔[1] (کسی شہید نے ایک شمع سے کہا کہ آج رات میں نے در و دیوار کو مزین کر دیا....)

﴿**یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھداً و مبشراً و نذیراً ....و سراجاً منیراً**﴾ ''اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔'' (احزاب/۴۵،۴۶)

یہاں سراج سے تعبیر ظہور پیغمبرؐ کے زمانہ کے جامعہ کو بیان کرتی ہے، اگر لوگ راہ راست پر ہوں تو جامعہ تاریک نہیں رہتا اور پھر چراغ کی حاجت بھی نہیں رہتی۔

ایک ایسے حالات میں یزید خلیفہ بن گیا، یزید نے حاکم مدینہ کو لکھا:

[**خذ حسینا.......بالبیعة اخذاً شدیداً**] ''یعنی امام حسینؑ سے سختی سے بیعت لی جائے۔''

بنابراین وہ بیعت کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں تھا، اب امام حسینؑ کیلئے تین راستے تھے، جن میں سے آپؑ کو ایک کا انتخاب کرنا تھا، یا بیعت کریں اور تسلیم ہو جائیں، یا جیسا کہ بعض لوگ پیشنہاد کر رہے تھے، بیعت نہ کریں اور اگر لازم ہو (البتہ لازم بھی ہوتا) تو اپنے آپؑ کنارہ کشی اختیار کرلیں اور کسی درّہ یا کوہ کے دامن میں پناہ لے کر سرکش لوگوں کی طرح خوف و شجاعت کے درمیان مخلوط زندگی بسر کریں، تیسرا راستہ امامؑ کے لئے یہ تھا کہ یزید کے خلاف قیام کریں، یہاں تک کہ شہید ہو جائیں، ان تین راستوں میں سے پہلا راستہ بنی امیہ کے اعوان و انصار کی تجویز تھی، جیسے مروان، دوسرے راستے کی محمد حنفیہ اور ابن عباس نے تجویز دی تھی اور تیسرا راستہ وہ ہے جس کو خود آپؑ نے انتخاب فرمایا۔

اگر امام عالی مقام پہلی راہ کا انتخاب کرلیتے تو اس کا معنی یہ تھا کہ آپؑ اپنے دین اور آخرت دونوں کو یزید کی دنیا کیلئے فروخت کر دیتے اور مسلمانوں کے کام سے کچھ سروکار نہ رکھتے، جو بھی ہونا ہے سو ہو، یزید کے ساتھ

[1] [شہید اور شہادت کے صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر شہادت اپنے بعد نورانیت کو وجود بخشتی ہے اور اس کو ہم نے ایک فرد کی حالت سے تشبیہ دی ہے کہ اچھے اعمال اور خود فراموشی اس شخص کے قلب میں صفا اور نورانیت ایجاد کرتی ہیں۔ یہ مطلب ایک اعلیٰ نمونہ ہے جس کے بارے میں بحث و گفتگو کی ضرورت ہے]

مصالحت کریں اوراپنی جان بچانے کے لئے یزید سے ڈرکراس کی بیعت کرلیں یہ وہی بات ہے جسکے بارے میں آپؑ نے فرمایا:

[یابی اللہ ذلک لناورسولہ والمومنون وحجورطابت وطہرت وانوف حمیۃ ونفوس ابیۃ] اس کام کی نہ خدانے اجازت دی ہے، نہ دین خدانے اورنہ ہی یہ ایمان کا تقاضاہے وہ چھاتی جس سے دودھ پیاہے اوروہ روح عالی جوسینہ میں رکھتے ہیں اس کام کی اجازت نہیں دیتے۔

لیکن دوسراراستہ! یہ درست ہے کہ اس راستہ کواگراختیار کرلیتے تو بیعت نہ کرتے، لیکن موضوعِ بیعت فقط منفی پہلونہ رکھتا تھا کہ بیعت نہ کریں بلکہ آپؑ اپنے لئے ایک مثبت ذمہ داری بھی معین کرچکے تھے، آپؑ نے فرمایا:

[ایھاالناس من رای سلطاناً جائراًمستحلاًلحُرُم اللہ......] ان سب باتوں کے علاوہ کہاں امام حسینؑ کی بلندروح اورکہاں دشت وکوہ میں فرارکرنا۔

امامؑ جب مدینہ سے مکہ کی طرف جارہے تھے تو آپؑ اس بات پربھی راضی نہیں ہوئے کہ شاہراہ چھوڑکرغیر معروف راستہ اختیارکریں، اپنے بعض ہمراہیوں کی تجویز پرآپؑ نے فرمایا:

[لاواللہ لاافارقہ حتیٰ یقضی اللہ ماھو قاض] ''خدا کی قسم میں اس راہ سے جدانہیں ہوں گا' یہاں تک کہ خداجوچاہتاہے، وہی ہوکررہتاہے۔''

یہ بھی فرمایا:

[لااعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولااقرفرارالعبید] ''میں نہ ذلیل وخوارہوکرکسی کوہاتھ دینے کوتیارہوں اورنہ غلام بن کرفرارکرنے کو۔''

آپؑ کے پدربزرگوارفرماتے تھے:

[واللہ لوتظاھرت العرب علی قتالی لماولیت عنھاولوامکنت الفرص من رقابھالسارعت الیھا] ''خدا کی قسم اگرکُلِ عرب والے ایک ہوکرمجھ سے جنگ کریں تو میں ان

سے روگردانی نہیں کروں گا اگرفرصت ملی تو میں ان کے تعاقب میں جلدی کروں گا''۔

تیسراراستہ وہی ہے جوآپؑ نے خودانتخاب فرمایا۔

اجتماع میں شہیداورشہادت کی قدروقیمت

ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ ہرشہادت اجتماع میں ایک نورانیت کووجودبخشتی ہے اورہم نے اس کوتشبیہ دی تھی اس نورانیت سے جوکسی فردکے قلب میں عمل خیراورخودفراموشی سے پیداہوتی ہے جس قلب نے پاکیزگی پیدا کرلی اورہدایت پالی اس سے تاریکی زائل ہوجاتی ہے اوراس کے لئے راہ زیادہ روشن ہوجاتی ہے یہ مفہوم شہیداورشہادت کے قدروقیمت کے بارے میں بحث کے لئے اچھااورعالی زمینہ ہے، خصوصاً قیام حسینیؑ کے دنیائے اسلام میں آثارکے نقطہ نظرسے، اوراس نظرسے بھی کہ اگرامامؑ نے شہادت ہی کے قصدسے حرکت کی' تب بھی آپؑ ایک صحیح منطق رکھتے تھے، یہ جملہ [ان اللہ شاء ان یراک قتیلاً] گرصحیح سندرکھتاہے تومعنی اورمطلب کے لحاظ سے ایک درست بات ہے۔

منطقِ منفعت اورمنطقِ حقیقت

منفعت پرستی کی منطق ایک منطق ہے اورحق پرستی اوراصلاح کی منطق دوسری منطق ہے[1] ابی عبداللہ - کوعقلائے قوم حرکت سے منع کررہے تھے ان سب کی نصیحتوں کامحورامام حسینؑ کی شخصی مصلحت، دنیوی زندگی، تن کی سلامتی اورفرزندوں کی حفاظت تھا، کہتے ہیں سب سے زیادہ جامع گفتگوابن عباس کی تھی، اگرکسی جگہ پر تعجب کرناہوتوہمیں ابن عباس کی منطق پرتعجب کرناچاہئے ابن عباس کی منطق میں جوچیزنہیں ملتی وہ فکراسلامی، ایثاراورخودفراموشی ہے اورجوچیزمنطق حسینؑ میں نظرنہیں آتی وہ ذاتی مصالح اورمنافع ہیں۔[2]

---

[1] [حضرت علیؑ نے سرزمین کربلا کے بارے میں فرمایا: [مُناخ رکابٍ ومصارع عشاق] اوراس کی خاک کے بارے میں فرمایا: [واھاًلک ایتھاالتربۃ لیحشرنّ منک اقوام یدخلون الجنّۃ بغیرحساب] ''تجھ پرآفرین ہے اے خاک کہ تیرے اندرسے ایک ایسی قوم محشورہوگی جوحساب کے بغیربہشت میں جائے گی''۔]

[2] [فروغی کے نقل کے مطابق ھربرٹ اسپنسر (herbertSpencer) نے کہا: ''نیک لوگوں کی ⟷

منطق حسینؑ وہی ہے جو آپؑ نے فرمایا:

[**خط الموت علی ولد آدم......**] آپؑ نے اپنی منطق کا اظہار حُر ریاحی کے جواب میں فرمایا: [**افبالموت تخوفنی**] ''(کیا مجھے موت سے ڈراتے ہو)'' اس کے بعد وہ چند معروف و مشہور اشعار پڑھے: **سامضی ومابالموت عارعلی الفتی........**

مقدس ہدف اور حسِّ تعالیٰ، حسِّ تقدس

کلمۂ شہید اور کلمۂ شہادت[1] ان معمول کے رائج کلمات میں سے ہیں جو ہم فقط کچھ افراد کے لئے استعمال کرتے ہیں، ہر قتل ہونے والا اور ہر مرنے والا شہید نہیں ہے، ہر روز سینکڑوں آدمی مارے جاتے ہیں ہزاروں انسان مر جاتے ہیں ہم ان کو شہید نہیں کہتے کلمہ شہید کو ایک بلند و بالا، پاک و پاکیزہ اور نورانی دائرہ نے اپنے احاطہ میں لیا ہوا ہے شہید اس کو کہتے ہیں جو ایک مقدس راہ اور مقدس ہدف کی خاطر اپنی جان دے شہید کی تین خصوصیات ہیں:

(۱) وہ ایک مقدس ہدف کی راہ میں قتل ہو جاتا ہے۔

(۲) اسے جاودانی اور پائندگی مل جاتی ہے۔

(۳) تیسری چیز وہ ہے جس کو ہم نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ شہید ایک پاک اور محیط جامعہ عطا کرتا ہے۔

ہم نے یہاں پر کہا ''مقدس راہ میں''، یہ نہیں کہا ''بزرگ راہ میں''، چونکہ ممکن ہے مقصد بزرگ اور بااہمیت ہو لیکن مقدس نہ ہو، اسکندر کہ جس نے دنیا کو اپنے قبضہ میں لینے کی آرزو کا تعاقب کیا، اصطلاحاً ہدف تو عظیم تھا لیکن مقدس نہیں تھا بلکہ عالی اور بلند و بالا بھی نہ تھا اور جو بھی اس راہ میں مارا جاتا ہے وہ بشر کی نظروں میں محترم اور مقدس نہیں ہوتا[1] اس نے اپنی خود پرستی کے دائرے کو توسیع دی تھی، ایسا شخص اگر تمام آسمانی کُرّوں کو بھی تسخیر کر لے، تب بھی اس کا یہ عمل اس کے لئے کوئی تقدس اور احترام کا پہلو پیدا نہیں کرتا عمل اس وقت مقدس ہوتا ہے جب وہ خود پرستی سے ہٹ کر کسی ہدف کا حامل ہو۔[1] فقط مکلّف ہونے کے ناطے اور اپنا وظیفہ سمجھ کر اسے انجام دیا جائے، خصوصاً وہ تکالیف جو نوع بشریت اور اجتماع کے لئے ہوں [**المقتول دون عیاله وماله**] ''جو قتل ہوا ہو لیکن نہ اپنے عیال کے لئے اور نہ ہی مال و دولت کی خاطر'' وہ شہید ہے کیونکہ اس نے یہ کام وظیفہ، شرافت، تکلیف وجدان اور دیانت کی خاطر انجام دیا ہے نہ کہ مادّی منفعت حاصل کرنے کے لئے چنانچہ اگر کوئی انسان عدل اور آزادی یا توحید اور ایمان کے لئے قتل ہو جائے تو اس کی پاکی اور پارسائی کے بہت بلند درجات ہیں۔

بلند ترین آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ آدم سازی میں شرکت کریں یعنی مصلح ہوں'' ہمارے پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: [**بعثت لاتمّم مکارم الاخلاق**] خداوند عالم نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿**عزیز علیه ماعنتّم**﴾ ''ان پر تمہاری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے'' (توبہ ۱۲۸)]

[1] [شہید وہ ہے جس نے اپنے خون کو قدر اور ابدیت بخشی اور اسے جاودان بنایا جو شخص اپنے مال کو نیک خدمت اور کار خیر میں خرچ کرتا ہے وہ اس مال کو جاودانگی اور ارزش بخشتا ہے جو شخص اپنے علمی آثار اور اپنی فکر چھوڑ کر جاتا ہے وہ اپنی فکر کو ابدیت بخشتا ہے، اسی طرح جس شخص نے صنعتی یا فنی آثار چھوڑے ہوں اس نے اپنے ہنر کو اور جس شخص نے اپنے فرزند یا دوسروں کو تربیت دی ہے اس نے اپنے عمل کو ارزش اور ابدیت عطا کی ہے شہید اپنے خون سے ارزش اور ابدیت بخشتا ہے شہید اور دوسروں کے درمیان یہ فرق ہے کہ شہید پاکباز ہوتے ہیں'' اور سودا وہی اچھا ہوتا ہے جس میں سب کچھ یکجا ہو جائے'' عالم یا منفق (انفاق کرنے والا) معلّم یا مربی (تربیت دینے والا) یا ہنرمندان سب کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے ایک حصہ کو ارزش اور ابدیت بخشتے ہیں ہم اس سے قبل یہ بتا چکے ہیں کہ عالم' مربی' صنعتگر' فیلسوف' منفق' سب کے سب شہدا کے مقروض ہیں' لیکن شہداء کسی کے مقروض نہیں، شہید کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ ہزار گُنا ہو جاتا ہے یہ خون دوسروں سے منتقل ہو جاتا اور ان کی رگ و پے میں ہمیشہ کے لئے دوڑنے لگتا ہے خون شہید کی ابدیت یا جاودانی کا مطلب یہی ہے شہداء حماسہ آفرین ہوتے ہیں، یہی اسکا مطلب ہے اسی وجہ سے ہمارے بزرگوار اور پیشوایان شہادت کی آرزو کرتے تھے اسی وجہ سے اسلام ہر زمانہ میں شہید کا محتاج ہے]

[1] [یہاں پر اس بات کی تحقیق ہونی چاہئے کہ قداست کا اصلی ملاک (معیار) کیا ہے؟ خود پرستی کیوں پلید ہے اور دوسروں کی خدمت کیلئے، انجام وظیفہ کے لئے اور مسؤلیت یا خدا کی رضایت کے لئے عمل کیوں مقدس ہے؟ آیا ملاک، مادیت اور مادہ سے خالی ہونا ہے؟ آیا ملاک، وجود و عدم ہے؟ آیا ملاک، حرکت اور توقف ہے؟ آیا ملاک، جہان کے اہداف سے ہم آہنگی اور دنیا کی تکاملی کی طرف حرکت ہے؟ آیا تقدس کی علت جیسا کہ متن میں ذکر ہوا، ابدی ہو جانا، جاودانگی اور مرگ سے نجات ہیں؟]

تعالی اورتقدس کی حس بشر میں ایک محکم اور استوار احس ہے اس کا سرچشمہ بشر کی روح کی گہرائی میں جاگزیں ہوتا ہے مثلاً حس حقیقت خواہی (علم) نیکی خواہی (اخلاق) زیبائی خواہی (جمال) اورخود یہ وجود، بشر کے معماؤں میں سے ایک ہے کہ انسان محسوس اور ملموس منافع کے ماوراء کچھ امور کے سامنے ایک قسم کی تعظیم وتکریم اور خضوع کرتا نظر آتا ہے، لہٰذا ہر جھکاؤ اور طلب جوانسان کے اندر سے ظہور کرتی ہے، ایک محتاج عینی کی حکایت کرتی ہے اسکی جوانتہا مشاہدے میں آتی ہے بدن نہیں ہے بلکہ وہ ایک مستقل وجود ہے جو روح انسان میں ہے۔

بشر کے مقدسات کا سلسلہ ذات احدیت پر منتہی ہوتا ہے خداوند عالم قدوس ہے مطلقاً تمام نقصانات سے منزہ ہے﴿ھو اللہ الذی لاالہ الا ھو الملك القدوس﴾ ''وہ اللہ ہے جس کے سوائے کوئی اللہ نہیں وہ بادشاہ ہے، بڑا پاکیزہ صفت ہے'' (احزاب/٢٣)

لہٰذا بشر کے لئے مقدس ترین عمل شرک اور بت پرستی سے جنگ ہے۔

مقدس تحریکیں

مقدس قیام اورتحریکیں انبیائے عظام سے شروع ہوئی ہیں، قرآن کریم کے سورۂ شعراء میں انبیاء کے مقدس جہاد کا خلاصہ بیان ہوا ہے حضرت موسیٰ، ابراہیم، نوح، ھود، لوط، صالح، شعیبؑ اور خاتم الانبیاء ﷺ کی داستانوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ ان سب نے بت پرستی، ظلم وستم، جہل، تعصب، تقلید، اسراف، تبذیر، زمین پر فساد، فحشاء اور موہوم اجتماعی امتیازات سے مبارزہ کیا، بشر کے مقدسات بھی ان چیزوں سے تجاوز نہیں کرتے۔

امام حسینؑ اسی راہ پر چلے جس راہ پر تمام انبیاء چلے تھے لیکن امام حسینؑ کے لئے ایک ایسی صورت پیش آئی جو دوسروں کو پیش نہیں آئی تھی۔ یہ اعتراض کہ امام حسینؑ نے کیوں فداکاری کی اور کیوں تسلیم نہیں ہوئے ؟اور کیوں اپنی جان کی حفاظت نہیں کی؟ درحقیقت تمام انبیاء اور اولیاء پر اعتراض ہے، دین کی بنیاد خود فراموشی اور فداکاری میں ہے دین کی منطق ایثار ہے:

﴿ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ﴾ ''دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں چاہے خود انھیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو'' (حشر/٩)﴿ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیراً﴾ ''یہ اس کی محبت میں مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں'' (انسان ٨)

[من اصبح ولم یھتم بامور المسلمین فلیس بمسلمٍ] ''اگر کوئی مسلمان صبح کرے اور مسلمانوں کے بارے میں کوئی اہتمام نہ کرے، وہ مسلمان نہیں۔''

اپنی جان، ماں، باپ، فرزند، بیوی، رشتہ دار، خاندان، سرمایہ، نوکری، پیشہ اور گھر ان سب سے تعلق ایک انسان کیلئے طبیعی بات ہے بلکہ ان میں سے اکثر ہر حیوان کے لئے بھی طبیعی ہیں، دین آیا ہے تاکہ انسان کو عالی امور کا شیفتہ بنائے اور عالی تر درس دے:

﴿قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفاسقین﴾ ''پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا، اولاد، برادران، ازواج، خاندان وقبیلہ اور وہ اموال جنھیں تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کے خسارہ کی طرف سے فکرمند رہتے ہو اور وہ مکانات جنھیں پسند کرتے ہو، تمہاری نگاہ میں اللہ، اس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو وقت کا انتظار کرو یہاں تک کہ امر الٰہی آجائے اور اللہ فاسق قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔'' (توبہ/٢٤)

تحریک حسینی میں ایک قوی ادراک کا وجود

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک نہضت کے مقدس، محترم اور متعالی ہونے اور لوگوں کے افکار وعقول میں روحانی سیادت پیدا کرنے کیلئے چند چیزیں ہوتی ہیں۔

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اس کے اہداف ومقاصد پاک اور طاہر ہوں۔ ہدف ومقصد شخصی اغراض، مادّی منافع، اپنی

آرزوؤں کا حصول، حرص وطمع، جاہ طلبی، شہوت رانی، خودخواہی، خود پرستی، تعصب، قومیت اور بے مورد غیرت نہ ہو، نہضت خدا، امرخدا، توحید، عدل وانصاف، آزادی اور مظلوم کی حمایت اور ضعیف کے دفاع کے لئے ہو:

﴿ان فرعون علیٰ فی الارض وجعل اهلها شيعاً يستضعف طائفة منهم﴾ ''فرعون نے روئے زمین پر سرکشی اختیار کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو کمزور بنا کر ذلیل کرتا تھا'' (قصص/۴)

مقدس نہضت دلوں کو لرزا دیتا ہے، یہ نہضت ایک ایسی سوزش ہے جو انسانی ضمیر اور وجدان میں پیدا ہوتا ہے ، جامعہ انسانیت کی خاطر ہوتا ہے، اجتماع بشری کے کچھ مقدس اصول ہیں یہاں پر اصولوں کا اجتماعی پہلو ہوتا ہے نہ کہ انفرادی پہلو[1] انسانیت کے یہ وہ عالی اصول ہیں کہ انسانی زندگی انہی پر قائم ہے اور انسانی زندگی کی روح یہی اصول ہیں، زندگی کے لئے روح ہے جو زندگی کے وسائل سے بلند وبالاتر ہے، زندگی کے وسیلوں میں سے اگر ایک وسیلہ موجود نہ ہو تو بشر دوسرے وسائل کے ذریعے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن اگر عدالت، حق اور آزادی کے مقدس کلمات بشریت کی کتاب سے محو ہو جائیں تو یہ ایسا ہے جیسے ''ہوا'' کو فضا سے محو کر دیا جائے اس فضا میں اگر چراغ نہ ہو، فرش نہ ہو، لاؤڈ سپیکر نہ ہو، چادر نہ ہو، پنکھا نہ ہو ان کے نہ ہونے اور ''ہوا'' کے نہ ہونے میں فرق ہے۔

ان نہضتوں کے مقدس، متعالی اور محترم ہونے کی دوسری علت یہ ہے کہ انبوہِ ظلمت مایوسی اور مطلق ناامیدی کے درمیان ایسے موقعوں پر کہ جب آسمان بشریت پر کوئی ستارہ نظر نہ آئے اس وقت یہ نہضتیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں اور حقانیت کی مشعل راہ کے مثل نمودار ہو کر آدمیوں کی راہ نمائی کرتی ہیں یہ نہضتیں سکون کے درمیان ایک حرکت اور موت کے سکوت وسناٹے میں ایک چیخ ہیں، یہ تاریکی میں بجلی کے مانند اور کثیر کے درمیان قلیل ہیں:

[1] [دوسرے الفاظ میں خود پرستی اور منفعت پرستی سے ہٹ کر خود کو جامعہ کے مصالح پر فدا کر دیں حق وعدالت پر فدا ہو جائیں، حق وعدالت میں تبدیل ہو کر اس کا پیکر بن جائیں اور حق وعدالت کی طرح مقدس ہو جائیں]

﴿کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله﴾ ''اکثر چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر حکم خدا سے غالب آجاتے ہیں۔'' (بقرہ/۲۴۹)

یہی وجہ ہے کہ یہ نہضتیں خود پرست عقلاء کو صائب نظر نہیں آتیں، یہ نہضتیں ایک ایسے بادل کی طرح ہیں جو صحراؤں میں پیاسوں پر برستے ہیں، اس محبوب کی طرح ہے جو پہلے سے بتائے بغیر عاشق کی افسردہ حالت میں خود کو اس تک پہنچا دیتا ہے۔

[وبرید یاتی بوصل حبیب   وحبیب یاتی بلامیعادِ]

''اور وہ قاصد جو دوست کے وصال کی خبر لا رہا ہے، اور وہ دوست جو وعدہ کیے بغیر ہی پہنچ جاتا ہے۔''

ان نہضتوں کے مقدس اور محترم ہونے کی تیسری علت یہ ہے کہ یہ ایک قوی ادراک اور ایک مؤثر بصیرت ساتھ لئے ہوئے ہوتی ہیں جو پردہ کے پیچھے سے ظواہر کو دیکھ سکتی ہیں، دوسرے الفاظ میں یہ چشم بصیرت سے خام اینٹ میں اس چیز کو دیکھ لیتی ہیں جو دوسروں کو آئینہ میں بھی نظر نہیں آتی، جس طرح گزشتہ دو علتوں کے بیان میں ہم نے اِن آیات قرآنی سے استنباط کیا آیہ:

﴿من انصاری الی الله﴾ ''کون ہے جو خدا کی راہ میں میرا مددگار ہو'' (آل عمران/۵۲) اور آیہ سراج منیر (احزاب/۴۶) اور آیہ ﴿یستضعف طائفة﴾ (قصص/۴) اسی طرح اس علت میں بھی کہ مقدس نہضتوں میں ایک قوی احساس اور بصیرت موجود ہے، قرآن سے استنباط ہوتا ہے ، یہ ایک چیز کو محسوس کر لیتے ہیں جو دوسرے نہیں کر پاتے، یہ ایک چیز کو دیکھ لیتے ہیں جو دوسروں کو نظر نہیں آتی، یہاں بھی قرآن سے استنباط ہوتا ہے جیسے آیہ: ﴿ولقد آتینا ابراهیم رشده﴾ ''اور ہم نے ابراہیمؑ کو اس سے پہلے ہی رشد عطا کر دی تھی'' (الانبیاء/۵۱) اور آیہ ﴿نحن نقص علیک نباهم بالحق انهم فتية آمنوا بربهم وزدناهم هدیً﴾ ''ہم آپ کو ان کے واقعات بالکل سچے سچے بتا رہے ہیں یہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا تھا'' (کہف/۱۳)

(کلمہ رشد عربی میں بڑھنے اور پھولنے کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ فارسی میں استعمال ہوتا ہے بلکہ اس کے معنی وہی ہیں جو فقہ میں ہے مثلاً کہتے ہیں "عاقل بالغ اور رشید ہونا چاہئے" دوسری آیت میں کلمہ ﴿زدناھم ھدی﴾ بھی اسی رشد کے معنی میں ہے) سید جمال الدین افغانی کی نہضت اس لحاظ سے مقدس ہے کہ یہ اپنے زمانہ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے یہ سید جمال کے ان خطوط سے پتہ چلتا ہے جو انھوں نے علماء کے نام لکھے ہیں۔ البتہ ان نہضتوں کے مقدس ہونے کے اور بھی پہلو موجود ہیں، جیسے فوج اور قوت کا برابر نہ ہونا، ظاہری اور مادی لحاظ سے لیس نہ ہونا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ نے یکہ وتنہا قیام کیے اور اسی طرح حضرت امام حسینؑ نے بھی (اس پہلو کی دوسری علت کی طرف برگشت ہے)۔

نہضت امام حسینؑ میں ایک قوی ادراک موجود تھا اور وہ یہ تھا کہ بنی امیہ کا پس پردہ اسلام کے خلاف جاری عمل جسے ظاہر بین لوگ نہیں دیکھ رہے تھے، وہ نہضت حسینیؑ کے شرکاء کو نظر آ رہا تھا، ابوسفیان نے حضرت عثمانؓ کے گھر میں کہا تھا:

[یابنی امیہ! تلقفوھا تلقف الکرة' اما والذی یحلف بہ ابوسفیان لاجنة ولانار' ومازلت ارجوھا لکم ولتصیرن الیٰ ابنائکم وراثة] "اے بنو امیہ! ملک ہے اور سلطنت ہے حق، معنویت، جنت جہنم یہ سب جھوٹ ہے اس گیند کو اپنے میدان سے خارج نہ ہونے دو ایک دوسرے کو پاس دیتے رہو اور اس کو اپنے بیٹوں کیلئے موروثی قرار دے دو۔"

یزید کی ولیعہدی کا موضوع اور اسکے لئے لوگوں سے بیعت لینا، ان سب میں مقدم امام حسینؑ سے بیعت لینا ابوسفیان کی خطرناک حزبی فکر کو جامہ عمل پہنانے کے لئے تھا اور یہ بھی اپنی جگہ پر ایک اصول تھا۔

لیکن ظاہر بین آنکھیں، تظاہر سے فریب کھانے والے اور ہر چیز کو ظاہر پر حمل کرنے والے لوگ ان امور پر کوئی توجہ نہیں رکھتے تھے اور یہ جو امام حسینؑ نے فرمایا: [وعلی الاسلام السلام اذقد بلیت الامة براع مثل یزید] ایک حقیقت تھی جسے امام حسینؑ درک کر رہے تھے، دوسرے لوگوں نے اس حقیقت کو درک نہیں کیا

امام حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ یزید کی خلافت درحقیقت ابوسفیان کے دیے ہوئے اصول "خلافت اپنے بیٹوں کیلئے موروثی بناؤ" کو عملی جامہ پہنانا ہے آپؑ جان رہے تھے کہ اس صورتحال میں اگر خاموشی اختیار کر لیں گے تو یہ ایک سنت بن جائیگی اور کچھ احادیث بھی جعل ہو جائیں گی کہ خلافت ابوسفیان کے خاندان میں ہونا چاہئے، امام حسینؑ یہود و نصاریٰ، مجوسی، عرب کے مشرکین یا مرتد لوگوں کے ہاتھوں نہیں مارے گئے، مسلمانوں بلکہ اپنے پدر بزرگوار کے دوستوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، حتیٰ کہ شامیوں کے ہاتھوں بھی شہید نہیں ہوئے' کوفیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، البتہ کوفی مرعوب تھے، تمام لوگ رؤسا کے تابع دار تھے اور رؤسا رشوت خور تھے [اما رؤساؤھم فقد اعظمت رشوتھم وملئت غرائرھم] "ان کے رؤسا کی جھولیاں بھر چکی تھی اور وہ بڑے بڑے بینک دریافت کر چکے تھے" درھم و دینار ان کے راستوں میں بکھیر دیئے گئے تھے، لیکن عمدہ چیز یہ ہے کہ عام لوگوں کی درک ضعیف تھی اور وہ جلد بُھلا دینے والے تھے جیسا کہ ہم آگے اس کی وضاحت کریں گے۔

اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کی علتوں میں سے اہم ترین علت اسی طرح لوگوں کے بنی امیہ کا گرویدہ ہو جانے کی اہم ترین علت لوگوں کی جہالت تھی، دوسری طرف ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ امام حسینؑ شخص یزید سے جنگ نہیں کر رہے تھے آپؑ کی شخصیت اس سے کہیں بلند و بالا تھی کہ آپؑ کا ہدف کوئی شخص یا فرد ہو، آپؑ کا ہدف اصولی اور کلی تھا حقیقت میں امام حسینؑ ظلم اور جہل سے مبارزہ کر رہے تھے چنانچہ زیارت میں ہمیں تلقین اور تعلیم دی گئی ہے کہ اس مقابلہ کا ہدف و مقصد جہل و گمراہی کا خاتمہ اور قلع قمع کرنا ہے زیارت اربعین میں ہے:

[وبذل مھجتہ فیک لیستنقذ عبادک من الجھالة وحیرة الضلالة] (اور تیری راہ میں اپنا خون بہایا تا کہ تیرے بندوں کو جہالت اور گمراہی کی حیرانی سے باہر نکال لیں)۔

اب ہم اس بات کی توضیح دیں گے کہ لوگوں کی جہالت سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے یا کچھ پڑھا نہیں تھا، اس لئے ایسے عمل کے مرتکب ہوئے، اور اگر کچھ پڑھے لکھے ہوتے، کچھ تعلیم یافتہ ہوتے تو

ایسا نہ کرتے نہیں، ایسا نہیں ہے، دین کی اصطلاح میں جہالت کو زیادہ تر عقل کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے مراد عقلی تنبُّہ ہے کہ لوگ عقلی بیداری رکھتے ہوں (دوسرے لفظوں میں مشاہدے میں آنیوالی واقعات کا تجزیہ وتحلیل اور کلیات کو جزئیات پر تطبیق کرنے کی قوت رکھتے ہوں، اسکا ان پڑھ اور پڑھا لکھا ہونے سے چنداں ربط نہیں ہے، علم، کلیات کو حفظ اور ضبط کر لینے کی قوت ہے اور عقل سے مراد تحلیل کرنے کی قوت ہے) بالفاظ دیگر امام حسین- لوگوں کی فراموشکاری سے شہید ہوئے کیونکہ لوگ اگر اپنی پچاس ساٹھ سالہ تاریخ کو مدنظر رکھتے اور ان میں اگر عبرت پکڑنے اور نتیجہ اخذ کرنے کی قوت بیدار ہوتی اور یہ تعبیر سید الشہداء:

[**ارجعوا الیٰ عقولکم**] اگر اپنے گذشتہ پچاس، ساٹھ سالہ تجربہ پر غور کر کے عقل سے کام لیتے، ابوسفیان، معاویہ اور کوفہ میں زیاد کی جنایات اور خاندان بنوامیہ کے جرائم کو اگر نہ بھلاتے، ذاتی منفعت کے لئے معاویہ کے ظاہری دین کا دم بھرنے سے اگر فریب نہ کھاتے اور اس کی گہرائی میں جا کر غور کرتے اور یہ حساب کرتے کہ آیا دین ودنیا کے لئے حسینؑ بہتر ہیں یا یزید ومعاویہ اور عبیداللہ، تو ہرگز اس طرح کے واقعے رونما نہ ہوتے

پس درحقیقت اس واقعہ کی اصل علت یہ تھی کہ لوگ جو نسبتاً اسلام کے معتقد تھے انہوں نے خاندانِ رسالت کے ساتھ یہ رویہّ رکھا تھا درحالانکہ سب قربۃً اِلی اللہ کفار سے جنگ میں شرکت کیلئے حاضر تھے یہاں فقط اور فقط لوگوں کی فراموش کاری تھی اور وہ مکر وفریب سے دھوکا کھا گئے تھے یعنی اُن میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ پشت پردۂ نفاق کو دیکھ لیتے وہ شعائر اسلامی کے ظاہر کو محفوظ دیکھ رہے تھے لیکن اصول اور معانی کے درمیان سے رخصت ہو جانے کی طرف انکی توجہ نہ تھی البتہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا کہ اس حادثہ میں رعب، خوف وہراس اور درندگی ایک طرف اور رؤساء کے اخلاق کی تباہی، اُنکی رشوت خوری، اُنکی طمع اور چھوٹے لوگوں کی قبیلہ کے رؤسا کی اندھی اطاعت (عرب قبیلوں کی خو کے مطابق) دوسری طرف اس حادثہ کے وقوع کے مہم عوامل میں سے ہے۔ یہ حادثہ سوفیصد ایک اسلامی حادثہ ہے اُس دشمن کے قول کے مطابق امام حسینؑ کو اپنے نانا کی تلوار سے مارا گیا اس کی علت لوگوں کی جہالت وظاہر بینی اور حفظ ظواہر وشعائر سے فریب کھانا تھا۔ اس حادثہ کے جملہ عوامل میں سے ایک جسکا اس میں زیادہ دخل تھا وہ اس کے محرکین میں سے ایسے لوگوں کا ایک گروہ

تھا جو فطرتاً جنایت کار تھے "عقاد" کے بقول:

[**المسخاء المشوّهین اؤلیک الذین تمتلی صدورهم بالحقدعلی ابناء آدم ولاسیمامن کان منهم علی سواء الخُلق وحسن الاحدوثة فاذابهم یفرغون حقدهم لعدائه وان لم ینتفعوا باجرا وغنیمة**] "یہ مسخ شدہ بدشکل لوگ ہیں ان کے سینوں میں فرزندان آدم خصوصاً خوش اخلاق اور نیک آثار کے حامل لوگوں کے لئے کینہ بھرا ہوا ہے اسی وجہ سے انہوں نے اپنے تمام کینوں کو دشمنی میں ان کے سر پر پھینک دیا اگرچہ اس کام سے ان کو کوئی پاداش یا غنیمت نصیب نہیں ہوئی۔"

امام حسینؑ کی شہادت میں داخل عوامل کا خلاصہ

ہم یہاں پر تاریخی بحث کے اعتبار سے اس طرح سے عناوین مرتب کر سکتے ہیں کہ امام حسین - کو کن لوگوں نے اور کس لئے شہید کر دیا؟ اسی طرح کن لوگوں نے اور کس لئے آپؑ کی مدد کی؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کن لوگوں نے شہید کیا یا کن لوگوں نے مدد کی تو وہ تو معلوم ہے، مگر یہ بات کہ کن چیزوں نے شہید کیا یا مدد کی اس کا جواب یہ ہے کہ امام حسینؑ کو "رے" کی حکومت کی لالچ نے، مال کی طمع نے (خولی نے کہا **جئتک بغنا الدهر**)، رؤساء کے رشوت لینے نے (**اما رؤساؤهم فقداعظمت رشوتهم وملئت غرائرهم**) بددلی نے، عام لوگوں کی مرعوبیت نے، یزید کی محبت کی طرف میل نے (ابن زیاد چاہتا تھا کہ یزید کے دل میں اس کے باپ سے جو کدورت ہے کہ اس کے باپ نے یزید کی ولی عہدی پر تعللّ کیا تھا' اس کی تلافی کرے)، ذاتی خباثت نے (جیسے شمر) اور مستی، غرور، تکبر، بدبختی اور یزید کے اوچھے پن نے اور ان سب سے بالاتر عام لوگ جو مسلمان تھے، معتقد تھے، لیکن فراموش کار تھے، جنہوں نے اپنی ساٹھ (٦٠) سالہ تاریخ پلٹ کر نہیں دیکھی تھی، جو گزر چکے تھے ان کو فراموش کر دیا تھا اور ظاہری کاموں سے فریب کھا گئے تھے ان سب نے حسینؑ کو شہید کیا۔ کن چیزوں نے امامؑ کا ساتھ دیا؟ ایمان نے، ساٹھ سالہ تاریخ پر توجہ نے، (جیسا کہ زہیر اور امثالِ زہیر کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے)، جوانمردی اور

مردانگی کی حس نے، غیب پر ایمان نے اور ان ہی جیسی دوسری صفات نے آپؑ کی مدد کی۔

ایک نہضت کے تقدس کے علل

گزشتہ مطالب سے مربوط رہتے ہوئے اب ہم یہ جاننے کی کوشش کرینگے کہ وہ کیا چیزیں ہیں جس کے سبب ایک قیام مقدس، پاک، عظیم اور لائق احترام ہوجاتا ہے تا کہ پھر وہ دوسری تحریکوں کے لئے مِلاک، مایہ، اصول اور معیار بن جائے، مقدس ہونے کے معنی یہ ہے کہ لوگ اسکی طرف ایسی نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح مافوق مادّی اور مافوق طبیعی چیزوں کی طرف نگاہ کرتے ہیں، پھر یہ اس حد تک عظیم اور محترم ہوجاتا ہے کہ کسی بھی نہضت کا اس کے مقابل قیاس نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ اُس سے تشبیہ دی جاتی ہے اور وہ پیروی کے قابل ہوتی ہے۔

تقریباً چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اس نہضت کی قداست اور خارق العادہ اہمیت ہونے کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں:

۱۔ اس نہضت کا ہدف قداسیت[1] تعالی اور عظمت ہے، یعنی جو ہدف ہے وہ حقیقت ہے نہ کہ ذاتی منفعت یہاں فداکاری ہے اور منفعت کی قربانی ہے حقیقت کیلئے اور خدا کی راہ میں، ظاہر ہے اگر کوئی اسلئے قیام کرے کہ پانی اور روٹی ملے کسی مقام اور منصب پر پہنچ سکے، مال و دولت یا قدرت حاصل ہو جائے بقول حنظلہ بادغیسی اگر قیام کرے سردار ہونے کے لئے یا نیشلسٹ (Nationslist) یعنی ملّی اور وطنی تعصب کے لئے ہو، تو ایسے قیام مقدس نہیں ہوتے بلکہ ایسے قیام میں تو دوسروں کو وسیلہ بنایا جاتا ہے لہٰذا قیام کرنے والا محکوم بھی ہوجاتا ہے خواہ نتائج موافقت میں ہوں یا شکست ہو، ایسا قیام کسی معاملہ یا تجارت کی طرح ہوتا ہے کہ کبھی اس میں نفع ہوتا ہے تو کبھی نقصان یہ نفع و نقصان کسی

۱ [ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مقدس و متعالی ہدف اور عظیم ہدف میں فرق ہے اسکندر، نادر شاہ، اسماعیل اور ان جیسے دوسرے لوگ عظیم ہدف کے مالک تھے لیکن ان کے ہدف مقدس نہیں تھے یہ لوگ خود خواہی اور جاہ طلبی کے عظیم نمونے تھے، نہ آزادی چاہنے والے تھے اور نہ حقیقت جو اور نہ ہی خیر خواہی "بشر دوستی اور خدا پرستی کے کوئی بڑے نمونے تھے]

اہمیت کا حامل نہیں ہے اس طرح کا قیام منافع کی خاطر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ مقابلہ و مبارزہ ہوتا ہے اسی دلیل کے تحت ایسے قیام بے وقعت ہیں امام حسینؑ کا اپنے پدر بزرگوار کی پیروی کرتے ہوئے یہ فرمانا:

[اللھم انک تعلم انّہُ لم یکن ماکان منّامُنافَسَۃً فی سلطان] درحقیقت اپنی آرزو اور اپنے درددل کا بیان ہے۔

لیکن اگر قیام ومبارزہ، دونفر کے درمیان شخصی نوعیت کا نہ ہو، منافع کے خاطر نہ ہو بلکہ ایک قسم کے عقیدہ، ظلم فساد، شرک اور بت پرستی پرمبنی حکومت کے خلاف ہو، بشریت کو اجتماعی غلامی سے نجات دلانے اور خطرناک اعتقاد سے بچانے کے لئے ہو بالآخر بشریت کو عفریت جہل وضلالت، ظلم و استبداد اور استحصال سے نجات دلانے کے لئے ہو (وبذل مھجتہ فیک لیستنقذ عبادک من الجھالۃ وحَیرۃِ الضلالۃ) خدا کے حکم کی تعمیل اور رضائے حق کی تحصیل کے لئے ہو (ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین)، ایثار اور فداکاری کی بنیاد پر ہو، خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر یہ مبارزہ خالصتاً اللہ کی خوشنودی کیلئے ہو اور کوئی بھی منفعت آڑے نہ آئے بلکہ منفعت کو حقیقت کی خاطر خطرے میں ڈال دے، ایسا مبارزہ درحقیقت بشر کی روحِ حقیقت کی خاطر خطرے میں ڈال دے، ایسا مبارزہ درحقیقت بشر کی روحِ حقیقت پرستی کا ایک جلوہ ہے اور خود پرستی کی ضد میں ہے یہ مبارزہ انی اعلم مالا تعلمون کا مصداق ہے جو طبیعتاً تقدس اور عظمت پیدا کرتا ہے، ایسا مبارزہ حدیث ھجرت الی اللہ اور الی الرسول کا مصداق ہے، بالفاظ دیگر قداست کا ایک پہلو صاحب نہضت کے درد کی نوعیت اور اس کی آرزو کی نوعیت سے مربوط ہے۔

قیام امام حسینؑ اس عنصر سے حد اعلیٰ کے درجے تک توانگر تھا اس قیام میں آپؑ کے تمام منافع کی کلی طور پر یقین دہانی ہو رہی تھی اسلام و مسلمین کو ظلم کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے آپؑ اپنے

جان ومال اور تمام تر ہستی کو خطرے میں ڈال دینے کے لئے خود حاضر ہو گئے تھے اس بناء پر آپؑ سو فیصد ایک شہید اور ایک پاکباز ہیں بلکہ سید الشہداء اور پاکبازوں کے سالار ہیں۔

۲۔ کسی نہضت کو پاکیزگی، بلندی اور جذبہ جاودانی دینے کیلئے دوسرا عامل اس معاشرہ کے خاص شرائط ہیں۔[۱]

[ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس طرح کے قیام تاریکی میں بجلی کی ایک لپک ہیں' سکوت' استبداد اور ظلم کے درمیان ایک مقدس شعلہ ہیں ایک ایسا ستارہ ہیں جو شب کی تاریکی میں بھٹکے ہوؤں کو راہ بتلانے کیلئے طلوع ہوا ہے ایسے قیام مظہر عشق ہوتے ہیں اور عام معاشی حساب گروں کی عقل میں نہیں سما سکتے] روز روشن میں چراغ کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور چاندنی رات میں جب مطلع صاف ہو تو تاروں بھرے آسمان کی اہمیت کم ہوتی ہے لیکن مطلق تاریکی میں جب ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، یہ زیادہ اہمیت کی حامل ہو جاتی ہیں، یہ اس پانی کے مانند ہے جو بیابان میں کسی پیاسے پر برسے یا اس بارش کی مانند جو بہت زیادہ بے آب وخشک زمین پر بادل سے برسے، بالفاظ دیگر یہ دوسرا عامل ایک ایسی قدرت ہے کہ جو''انا ربکم الاعلی '' کہنے والے فراعین و نماریدکے مقابلے میں اور ان مغروروں، ستمگروں اور خونخواروں کے مقابلہ میں کہ جن کی تلواروں سے خون ٹپکتا ہے، آتش جنگ روشن کرتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

[افضل الاعمال (افضل الجهاد) كلمة عدل عند امام جائر] ''افضل ترین اعمال (یا افضل ترین جہاد) جائر وظالم حاکم کے سامنے حق کی بات کرنا ہے''۔

جس ماحول میں آزادی ہو وہاں پر آزادی کی بات کرنا کوئی کمال نہیں لیکن جس ماحول میں ظلم وستم کی قدرت اور حکومت ہو، جہاں انسانی نفوس سینوں میں محبوس ہوں، گدّی سے زبانیں نکالی جارہی ہوں، ہاتھ اور پاؤں کاٹے جارہے ہوں، سروں کو نیزوں پر بلند کیا جارہا ہو، مطلق یاس چھائی ہوئی ہو اور بہ تعبیر امیر المومنینؑ:

[یظن الظان الدنیا معقولة علی بنی امیه] ''بنی امیہ کے مظالم نے اس قدر دہشت زدہ کر

دیا ہے کہ بعض لوگ خیال کر رہے ہیں کہ دنیا بنوامیہ کے دامن سے باندھ دی گئی ہے۔''

ایک ایسے ماحول میں آزادی کا دم بھرنا ہنر کی بات ہے امیر المومنینؑ نہج البلاغہ کے خطبہ ۹۳ میں فرماتے ہیں:

[الا وان اخوف الفتن عندی علیکم فتنة بنی امیة، فانها فتنة عَمیاء مُظلمة، عمت خطتها وخصت بلیتها واصاب البلاءُ من ابصر فیها واخطا البلاء من عمی عنها و ایم الله لتجدن بنی امیة لكم ارباب سوءٍ بعدی كالناب الضروس تعذم بفیها' وتخبط بیدها' وتزبن برجلها' وتمنع درها' لایزالون بكم حتی لا یتركوا منكم الا نافعا لهم او غیر ضائر بهم ' و لا یزال بلا ؤهم عنكم حتی لا یكون انتصار احدكم منهم الا كانتصار العبد من ربه] ''یاد رکھو میری نگاہ میں سب سے خوفناک فتنہ بنوامیہ کا ہے جو خود بھی اندھا ہوگا اور دوسروں کو بھی اندھیرے میں رکھے گا اس کے خطوط عام ہوں گے لیکن اس کی بلا خاص لوگوں کے لئے ہوگی جو اس فتنہ میں آنکھ کھولے ہوں گے ورنہ اندھوں کے پاس سے تو یہ بآسانی گزر جائے گا، خدا کی قسم! تم بنوامیہ کو میرے بعد بدترین صاحبان اقتدار پاؤ گے جن کی مثال اس کاٹنے والی اونٹنی کی سی ہوگی جو منہ سے کاٹے گی، ہاتھ مارے گی یا پاؤں چلائے گی مگر دودھ نہ دوہنے دے گی اور یہ سلسلہ یونہی برقرار رہے گا جس سے صرف وہ افراد بچیں گے جو ان کے حق میں مفید ہوں یا کم از کم نقصان دہ نہ ہوں یہ مصیبت تمھیں اسی طرح گھیرے رہے گی یہاں تک کہ تمہاری دادخواہی ایسی ہی مشکل ہو جائے گی جیسے غلام اپنے آقا سے انصاف کا تقاضا کرے۔''

بنا براین کسی قیام کی قدر و قیمت اس کی شہامت کے پہلو میں ہے اور جلّادوں، ستمگروں، فراعین و نماریدکو حقارت کی نظر سے دیکھنے میں ہے چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰؑ اور آخرین رسول خدا ﷺ کے قیام ان شر وفساد پھیلانے والے حاکموں کی قدرتوں کے مقابلہ میں تھے، وہاں غیر مساوی حالات تھے مگر ان برگزیدہ ہستیوں نے تن تنہا قیام کیا اور ﴿کم من فئة

قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللهﷻ ''اکثر چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر حکم خدا سے غالب آ جاتے ہیں'' (بقرہ/۲۴۹) کے مصداق بنے یہ سب چیزیں قیام کو قدر و قیمت دیتی ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ جیسے کتاب 'شہید جاوید' کے مصنف نے قیام امام حسینؑ کو موجّہ بتایا ہے اور کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل کوفہ قدرتمند اور قابل اعتماد تھے جس کی بناء پر آپؑ نے اُن پر اعتماد کر کے قیام کیا، جبکہ قیام حسینؑ کی عظمت اس میں ہے کہ امامؑ نے یکہ وتنہا قیام کیا لیکن اس کی روحی اور فکری روش ایسی تھی کہ اس وقت کی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا اور اس کا اثر ابھی تک باقی ہے۔

۳۔ تیسرا عامل روشن بینی، اجتماعی آ گاہی، جہت شناسی اور آزمودہ کاری کے مرتبہ سے مربوط ہے ایک ہوشیار ڈاکٹر کے مانند جو بیماری کی بھی شناخت رکھتا ہے اور اس کا علاج بھی جانتا ہے، مقدس نہضتوں کے سالار ملت کے خواب کے نوع کو بھی جانتے ہیں اور ان کو بیدار کرنے کے طریقوں سے بھی واقف ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ نہضت ایک بینش، درک قوی، فوق العادہ بصیرت اور بہت زیادہ دور بینی کے ساتھ ہے (اس معروف مثل کے مانند کہ وہ اینٹ میں اس چیز کو دیکھ لیتے ہیں جو دوسرے آئینہ میں نہیں دیکھ پاتے) ایک اصطلاح میں اس کو قیام پیش رس (نہ کہ زودرس) کہتے ہیں یعنی آنے والے خطرہ کی علامات کو بھانپ لینا اس سے قبل کہ دوسرے اس خطرے کا احساس کریں۔

یہاں نفسِ مطلب یہ ہے کہ بنوامیہ نے ان دنوں ایک چال پس پردہ چھپا رکھی تھی امام حسینؑ نے اس جریان کی طرف توجہ فرمائی اور اس کو سامنے لا کر بے نقاب کیا، حتیٰ کہ یزید کا شراب پینا بھی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھا جو بعد میں پردہ چاک کر کے سامنے آ گیا، ابوسفیان نے حضرت عثمانؓ کے گھر پر ایک فوق العادہ خطرناک سیاسی فکر دی تھی اس نے کہا تھا:

[**یابنی امیة تلقفوها تلقف الکرة ولتصیرن الی اولادکم وراثةً**] ''اے بنوامیہ

اسے (خلافت کو) اٹھالو اس طرح کہ جس طرح سے گیند اٹھاتے ہیں اور اسے اپنی اولاد میں وراثت قرار دے دو۔''

ظاہراً اس کا نظریہ یہ تھا کہ دین کی آڑ لیکر اور احادیث جعل کر کے خلافت کو موروثی قرار دے۔

[**اما والذی یحلف به ابوسفیان** ......] اور امام حسینؑ کا یہ فرمان: [**وعلی الاسلام السلام اذقد بلیت الامة براع مثل یزید**] بتاتا ہے کہ آپؑ نے شاید ابوسفیان کی فکر کو عملی جامہ پہنتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

امام حسینؑ اپنے کام کے اثر پر ایمان رکھتے تھے اور بار بار فرماتے تھے: ''میرے بعد یہ لوگ سرنگون ہونگے۔''

یہ امامؑ عالی مقام کے درک قوی کی ایک اور دلیل ہے۔

سیدالشہداء کا لقب

پہلے ''سیدالشہداء''، رسول اسلام ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا لقب تھا بعد میں یہ لقب اباعبداللہ -کیلئے مختص ہو گیا اباعبداللہؑ کی شہادت حضرت حمزہؓ کی شہادت کو بھلا دیتی ہے، اباعبداللہؑ کے اصحاب کی ہیئت ایسی تھی کہ وہ پہلے کے تمام شہداء سے سبقت لے گئے خود اباعبداللہؑ نے فرمایا:

[**انی لا اعلم اصحاباً اوفیٰ ولا خیراً من اصحابی ولا اهل بیت اوصل ولا افضل من اهل بیتی**] ''میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اور نیک خصلت اصحاب کو نہیں جانتا اور اپنے اہلبیتؑ سے زیادہ ہمدرد اور افضل اہلبیتؑ کو نہیں جانتا۔''

امام حسین- کے اصحاب وہ تھے جو دوست کی طرف سے بھی آزاد تھے اور دشمن کی طرف سے بھی۔

خود امامؑ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو میرے علاوہ کسی اور سے کچھ غرض نہیں۔''

آپؑ نے ان سب کو جانے کی اجازت دے دی تھی، فرمایا:

''رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے نکل جاؤ''۔

آپؑ نے اپنے سر کو بھی نیچے کرلیا تھا تاکہ آپؑ کا دیکھنا کسی کے لئے مروت وحیاء کا سبب نہ بنے بنابراین اصحابِ امامؑ نہ دشمن کی تنگی میں گرفتار تھے جیسے طارق بن زیاد کے اصحاب کہ طارق نے کشتیوں اور ایک دن سے زیادہ خوراک کے علاوہ سب کچھ جلا دیا تھا، نہ دوست نے ان سے کوئی خواہش اور التماس کی تھی اور نہ ہی وہ مرّوت کی وجہ سے رُکے تھے حتیٰ اس خیال سے کہ شاید ان کی طرف نگاہ کرنا ان کے فیصلے پر اثر انداز ہو آپؑ نے اس سے بھی اجتناب کیا۔[۱]

اصحاب امام حسینؑ اور اہل بدر وصفین

گذشتہ مطالب سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اصحاب امام حسینؑ، پیغمبر اکرمؐ کے اہل بدر اور حضرت علیؑ کے اہل صفین سے افضل تھے، اسی طرح عمر سعد کے اصحاب بھی ابوسفیان کے بدر والوں اور معاویہ کے صفین والوں سے شقاوت میں برتری رکھتے تھے کیونکہ عمر سعد کے اصحاب ابوسفیان کے بدریوں کی طرح عقیدہ اور عادت کے تحت جنگ نہیں کر رہے تھے اور معاویہ کے صفینیوں کی طرح قتل عثمان جیسا کوئی مسئلہ بھی پیش نہیں آیا تھا کہ جس سے لوگ اشتباہ میں پڑے ہوں یہ لوگ ایک ایسی حالت میں جنایت کے مرتکب ہوئے کہ دل کی ندا اور ضمیر کی فریاد ان کے عمل کے خلاف تھی: [**قلوبهم معک وسیوفهم علیک**] ''ان کے دل آپ کے ساتھ تھے مگر ان کی تلواریں آپ کے خلاف تھیں''

یہ لوگ روتے بھی تھے اور قتل کا حکم بھی دیتے تھے، آنسو بھی بہاتے تھے اور حسینؑ کے بچوں کے کانوں سے

۱۔ [خلاصہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں سوفی صد یہ جملہ جو ظاہراً ابن ابی الحدید سے ہے' صادق آتا ہے'' **آثر والموت** '' امیر المومنینؑ کی ایک معروف حدیث ہے (جو نفس المھموم ص ۱۱۰ پر موجود ہے) **مناخ رکاب ومصارع عشاق شهداء لایسبقهم من کان قبلهم ولایلحقهم من بعدهم** ''یہ سواروں کے اترنے کی جگہ اور عاشقوں کی قتلگاہ ہے یہ ان شہداء کی جگہ ہے کہ نہ ان سے پہلے والے شہداء ان پر سبقت لے سکے اور نہ آئندہ آنے والے ان کے مقام تک پہنچ سکیں گے۔]

گوشوارے بھی چھینتے تھے لرزتے بھی تھے اور حسینؑ کے سر اقدس کو بدن مبارک سے جدا کرنے کا آہنگ بھی رکھتے تھے۔

جہل اور ظلم سے مقابلہ

ہمارے زمانے میں مرض سے مبارزہ، فقر سے مبارزہ اور جہل سے مبارزہ عام اصطلاحیں ہیں اور ان کو مقدس اعمال بھی کہا جاتا ہے، البتہ ان میں سے کوئی بھی مبارزہ جہل اور ظلم کے ساتھ مبارزہ کی برابری نہیں کر سکتا کہ یہاں پر فداکاری لازم ہے قرآن کریم میں شہداء کو انبیاء اور صدیقین کا ردیف بتایا گیا ہے:

﴿**ومن یطع الله والرسول فاولئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا**﴾ ''اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے نعمت دی ہے جیسے نبی اور صدیقین اور شہداء اور صالحین' اور یہ بہترین رفیق ہیں۔'' (نساء/۶۹)

شہید کیلئے غسل وکفن نہیں شہداء کا خون پانی سے اولیٰ تر ہے۔

اہل کوفہ کیوں امام حسینؑ سے جنگ کرنے نکلے؟

کوفیوں کا امام حسینؑ کی محبت کا دم بھرنے کے باوجود ان سے جنگ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ ان لوگوں پر رعب اور دہشت طاری تھی جو زیاد اور معاویہ کے دور سے چھائی ہوئی تھی خود عبید اللہ نے بھی میثم، رُشید، مسلم اور ہانی کو شہید کر کے لوگوں کو مرعوب کر رکھا تھا، بالفاظ دیگر لوگ مرد وعورت سب ہی درندگی کا شکار تھے وہ اپنی قوت ارادی کھو چکے تھے اور اپنی عقل کے مطابق کوئی مستحکم فیصلہ نہیں کر سکتے تھے واقعہ کربلا کے ایام میں بھی جو فوجی سستی دکھلاتا یا آہستہ چلتا، اسے قتل کر دیا جاتا اس سے دوسرے اپنا کام سمجھ گئے کچھ لوگ حرص و طمع مال اور دنیا کے مقام کے پیچھے تھے جیسے خود عمر سعد جو اپنے وجدان کی عذاب میں گرفتار تھا:

[**فوالله ما ادری وانی لحائر افکر فی امری......**] ''خدا کی قسم کچھ سمجھ میں نہیں آتا، میں ابھی سرگردان ہوں بعد میں اپنے کام کے بارے میں سوچوں گا۔''

عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ میں داخل ہوتے ہی عرفاء کو بلوایا اور کہا: ''اگر عرفاء میں سے کوئی مخالف ہے تو میں اُس پر اپنی عطا ساقط کروں گا۔'' عامر بن مجمع عبیدی (یا مجمع بن عامر) نے کہا: [اما رؤساؤھم فقد اعظمت رشوتھم وملئت غرائرھم] ''لیکن ان کے بزرگوں کو بڑی بڑی رشوتیں ملی ہیں اور ان کی جھولیاں رشوت سے بھر گئی ہیں۔''

دو چیزیں حسینؑ کی آنکھوں کی روشنی کا سبب بنی

ایام کربلا میں اور اس عجیب ابتلاء کے وقت چند چیزیں ایسی تھیں جو اباعبداللہ۔ کی مصیبتوں میں اضافہ کا سبب ہوئیں ان سب مصائب سے بڑھ کر کچھ پست فطرت اور ناروا باتیں، بے ادبی اور وحشیانہ حرکتیں تھیں جو کوفہ والوں کی طرف سے دیکھنے میں آئیں، لیکن دو چیزیں ایسی تھیں جن سے آپؑ کی آنکھیں روشن اور دل خوش وخرم رہا اور وہ دو آپؑ کے اصحاب اور اہل بیتؑ تھے، ان کی وفاداری، جان نثاری اور بے مضائقہ خدمت یا دوسرے الفاظ میں ان لوگوں میں موجود صفا و وفا اور انکی آپؑ کے ساتھ ہمگامی اور ہم آہنگی دیکھ کر آپؑ کا دل شاد اور خرم تھا (ایک صاحب عقیدہ وایمان ومسلک شخص کے لئے کوئی بات بھی اتنی خوشی کا باعث نہیں ہوتی جتنی خوشی لوگوں کو ہمگام اور ہم آہنگ دیکھنے میں ہوتی ہے) آپؑ مکرراً مختلف مواقع پر تہ دل سے ان کے لئے دعا کرتے تھے اس کے علاوہ آپؑ کا یہ فرمان کہ:

[انی لا اعلم اصحاباً ابرولا اھل بیت اوصل ولا اوفی من اصحابی] ''میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اور نیک خصلت اصحاب کو نہیں جانتا اور اپنے اہلبیت سے زیادہ ہمدرد اور افضل اہل بیتؑ کو نہیں جانتا۔''

امام کا یہ جملہ حکایت کرتا ہے کہ اباعبداللہ ان پر اعتماد کامل رکھتے تھے اور آپؑ کے دل کو خوشی انہی سے حاصل تھی یہ بات مسلّم ہے کہ ابوثمامہ صائدی کے نماز کے تذکرہ نے کہ ہم آخری نماز آپؑ کے پیچھے پڑھنا چاہتے ہیں یقیناً حسینؑ کے دل کو شاد کیا ہوگا کہ آپؑ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اس سے بھی بڑھ کر سعید بن عبداللہ حنفی کی عجیب فدا کاری اور پھر [أَوَفَيْتُ؟] (کیا میں نے آپؑ سے وفا کی؟) کہنے نے امامؑ کے دل کو کس

قدر تقویت پہنچائی ہوگی۔ اباعبداللہ نے جن چند افراد کے لئے دعا کی ان میں سب سے زیادہ جانسوز خود اپنے جوان کیلئے تھی فرمایا: امید ہے جلد از جلد جدّ بزرگوار کے ہاتھوں سیراب ہونگے، شب عاشورا قاسم کے اس جواب نے حسینؑ کے دل کو کتنا شاد اور روشن کیا ہوگا جب قاسمؑ نے موت کے بارے میں کہا تھا: [احلی من العسل] ''موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیرین ہے۔''

اباعبداللہ نے روز عاشورا کچھ لوگوں کے لئے دعائیں کی تھیں:

۱۔ ابوثمامہ صائدی

۲۔ حضرت علی اکبرؑ

۳۔ شب عاشورا جب سب نے کہا کہ ہم آپؑ سے جدا نہیں ہونگے تو سب کے لئے دعا کی، فرمایا:

[جزاکم اللہ خیراً] ''خدا تمہیں جزائے خیر دے'' [نفس المہموم ص ۱۲۲]

مصلحین الٰہی کے فلسفۂ قیام کے بارے میں قرآن کا بیان

سورۂ مبارکہ ہود آیات ۱۱۶ اور ۱۱۷ میں خدا فرماتا ہے:

﴿فلولا کان من القرون من قبلکم اولوا بقیّة ینھون عن الفساد فی الارض الا قلیلاً ممّن انجینا منھم واتّبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه وکانوا مجرمین، وما کان ربّک لیھلک القریٰ بظلم واھلھا مصلحون﴾ ''پس تم سے پہلے والے زمانے اور نسلوں کے لوگوں میں سے ایسے صاحبان عقل کیوں نہ پیدا ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، علاوہ ان چند افراد کے جنہیں ہم نے نجات دے دی اور ظالم لوگ تو اپنے عیش کے ہی پیچھے پڑے رہے اور یہ سب کے سب مجرم تھے اور آپ کے رب کا کام یہ نہیں کہ کسی بستی کو ظلم کر کے تباہ کر دے جبکہ اس کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔''

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی پیغمبر ایسا نہیں آیا کہ جسکی قوم نے اس کی مخالفت نہ کی ہو اور وہ بھی قوم کی مخالفت میں اٹھ کھڑے نہ ہوئے ہوں، ایسا نہیں تھا کہ پیغمبر آسمان سے کوئی

بات لے کر آئے ہوں اور لوگوں کی نظام زندگی سے غیر مربوط باتیں کی ہوں اور ایسا بھی نہیں تھا کہ کچھ لوگ فقط اس لئے کہ ہر بات کی مخالفت ہو یا مخالفت کرنے کا مرض رکھتے ہوں اس وجہ سے پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہوں خیر ایسا نہیں ہے (ہر چند کہ ہم لوگ عموماً اپنے مطلب کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں جب کبھی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فلاں آدمی بے جہت اور بغیر کسی علت کے (نہ کہ بغیر حق وعدالت کے) مخالفت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ لوگ تو پیغمبروں کی بھی مخالفت کرتے رہے ہیں)۔

پیغمبرانِ برحق لوگوں سے مخالفت اور مبارزہ کرنے پر قیام کیا کرتے تھے قرآن کریم بتاتا ہے کہ لوگ اِس مخالفت کرنے کے لئے تشویق دینے والے اور اِس مخالفت کی علت کے طور پر ایک منطق گھڑ لیا کرتے تھے اور یہ کہ پیغمبروں کی مخالفت میں کھڑی ہونے والی نہضتوں کے علمدار کچھ خاص لوگ تھے یہی وہ لوگ تھے جو پیغمبروں کی مخالفت نہ کرنے والے عام لوگوں کے ذہنوں کو تشویش میں ڈالکر پریشان کرنے کے لئے کوئی منطق وضع کر لیتے تھے قرآن کریم نے ان سب باتوں کو ذکر کیا ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ اس مخالفت کی اصل وجہ عیاشوں کا عیش یا بالفاظ دیگر زندگی میں موجود ظالمانہ نظام ہے۔
سورۂ سبا آیت ۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وما ارسلنا فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا بما ارسلتم به کافرون﴾ ''اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں کے عیش وعشرت میں پڑے (آسودہ حال) لوگوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔''

﴿وکذٰلک ما ارسلنا من قبلک فی قریة من نذیر الاّ قال مترفوها انا وجدنا آباء نا علی اُمّة وانّا علی آثارهم مقتدون . قال: اولو جئتکم باهدیٰ ممّا وجدتم علیه آباء کم قالوا انّا بما ارسلتم به کافرون﴾ ''اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے عیش وعشرت میں پڑے (آسودہ حال) لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کی پیروی کرنے والے ہیں کہا اگر چہ میں

تمہارے پاس اس سے بہتر طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے'' (زخرف ۲۳)

اس آخری آیت میں خاتم الانبیاء کی ابتلاء کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ یہ ابتلاء عمومیت رکھتی تھی اور ان سب کا درد عیش وعشرت، اسراف اور ظالمانہ وضع سے فائدہ اٹھانا تھا انکی یہ بات کہ ہمارے باپ دادا ایسے تھے اپنی اسی عیش وعشرت کی حمایت کے لئے خود تراشیدہ منطق ہے تاکہ عیش وعشرت سے محروم جو بے چارہ اور ضعیف ہیں اور جن کے نجات کیلئے یہ جدید دعوت آئی ہے ان کو فکری لحاظ سے گمراہ کریں اور ان کی فکر میں یہ بات ڈال دیں کہ ماضی کی سنتیں لازم الاحترام ہیں اگر ان کا ہدف یہ نہ ہوتا تو وہ خود ان سنتوں سے ذَرّہ برابر بھی لگاؤ نہ رکھتے۔

قریش کے رؤسا پیغمبر اکرمؐ پر اشکال کرتے تھے کہ کیوں کھانا کھاتے ہیں کیوں راہ چلتے ہیں کیوں ان کے پاس سونے کا کوئی خزانہ اور میوے کا کوئی باغ نہیں ہے؟ آیا واقعاً ابوسفیان اور ابوجہل جیسے لوگ شک وشبہ میں گرفتار تھے اور اپنے شک کا اظہار کرنے کے لئے اس طرح کی باتیں کر رہے تھے یا پھر وہ دوسروں کو شک میں ڈالنے کے لئے ایسی باتیں کرتے تھے؟ کیا وہ لوگ جو حضرت ابراہیمؑ کو پیغمبر مانتے تھے اس بات کے معتقد تھے کہ ابراہیمؑ کچھ نہیں کھاتے تھے اور لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے نہ تھے اور سونے کا ذخیرہ اور میوہ کا کوئی باغ رکھتے تھے؟ یہ سب باتیں مستضعفین کو فریب دینے کا بہانہ تھا۔
بہر حال قرآن کریم پیغمبروں کا ہدف اور مقصد معاشرہ میں عدالت کا قیام بتلاتا ہے۔

﴿لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط﴾ ''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں'' (حدید ۲۵)

جب انبیاء ایسا ہدف ومقصد رکھتے تھے تو وہ لوگ جو اجتماعی عدالت کو نیست و نابود کرنا اور اجتماع کو اپنے مکرو فریب میں رکھنا چاہتے تھے یقیناً مخالفت کریں گے اور یہی ابوسفیان جیسے لوگوں کی پیغمبر اکرمؐ کی مخالفت کرنے

کی سب سے بڑی علت ہے یہاں تک کہ یہ لوگ خود آپس میں بھی ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے قریش کے بزرگوں کے پیغمبر اسلامؐ سے مخالفت کرنے کی اصل وجہ وہی ہے جس بنیاد پر فرعون نے موسیٰؑ کی نمرود نے ابراہیمؑ کی اور ہر پیغمبر کی قوم نے اس پیغمبر کی مخالفت کی تھی۔

آیہ:﴿فلولا کان من القرون من قبلکم......﴾(ہود/۱۱۶) سے چند مطالب استفادہ ہوتا ہے:

۱۔ روئے زمین پر فساد پھیلانے سے روکنا اور فسادیوں سے مبارزہ کرنا واجب ہے۔

۲۔ یہ کہ تعداد میں کم ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

۳۔ فساد کی علتوں کی علت غائی عیش وعشرت ہے۔

۴۔ کسی ملت کی بقا کی محافظ عدل ہے ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے لیکن اگر اس میں عدالت نہ ہو تو وہ باقی نہیں رہتا۔

بیضاوی اس آیت میں:﴿اولوا بقیۃٍ﴾(ہود/۱۱۶) کا معنی [اولوا بقیۃ من الرّی و العقل یاالوافضل ویااُولُوا الابقاء](یعنی وہ لوگ جو اپنے نفوس سے ابقاء کرتے ہیں (باقی رہتے ہیں) بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد والی آیت:﴿وما کان ربک لیُھلک القری بظلم.﴾''آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کردے'' (ہود/۱۱۷) میں بظلم سے مراد شرک ہے پس پوری آیت کے معنی یہ ہونگے کہ پروردگار عالم کسی بستی کو شرک کی بدولت ہلاک نہیں کرتا اگر وہاں کے لوگ اصلاح کرنے والے اور عدالت کے پاسبان رہیں۔شہرستانی کا کلام اس بابت یہ ہے کہ تمام حوادث کے بیج قرن اول میں بوئے گئے صاحب کتاب ''سمّوا المعنی ''(عبداللہ علائلی) صفحہ۵ پر شہرستانی کی ''ملل ونحل'' سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے:

[کُلُّ التبلیلات التی مرت بالتاریخ الاسلامی سواء فی العقیدۃ اَو السیاسۃ یمکننا أن نجدلھا مرتجعاً و مردّاًفی حوادث صدر التاریخ] ''تمام مشکلات اور گرفتاریاں جو تاریخ اسلام پر گزر گئی ہیں عقیدہ میں ہوں یا سیاست میں ہمیں ان سب کا سرچشمہ

صدر تاریخ کے حوادث میں ڈھونڈنا چاہئے۔''

مرد بزرگ کون؟

تاریخ کی بزرگ شخصیتیں، عظمت اور بزرگی

افراد کی عظمت اور بزرگی کی پیائش کا پیمانہ انکی روحانی شخصیت ہوتی ہے یہ بات واضح ہے کہ افراد کی عظمت کی پیائش کا ذریعہ ان کا جسمانی یا نسلی امتیاز نہیں ہوتا ہمیں تاریخ میں ایسے افراد اور اشخاص ملتے ہیں جن کا تاریخ کے برجستہ افراد میں شمار ہوتا ہے تاریخ کے صفحات میں یہ نمایاں ہوتے ہیں اور روئے زمین پر پہاڑ کی چوٹیوں کی مانند بلندی رکھتے ہیں جبکہ انکے مقابل دوسرے تمام افراد کنکریوں کی طرح شمار ہوتے ہیں انسان ہر نقطہ سے بالخصوص اگر اس بلندی پر کھڑا ہوکر دیکھے تو بعض اس قدر ریزہ ریزہ اور چھوٹے ہیں کہ اصلاً دکھائی ہی نہیں دیتے۔مثلاً سکندر، نپولین، نادر شاہ، شاہ اسماعیل اور ان جیسے لوگ تاریخ کے بزرگ اور برجستہ افراد ہیں اسی طرح انبیائے بزرگ اور اولیائے بزرگ الٰہی بھی جیسے ابراہیم، موسیٰ + اور محمدؐ و علیؑ تاریخ کی برجستہ اور بشریت کی بزرگ ہستیاں ہیں۔

اب ہم دیکھیں گے کہ آیا پہلے گروہ کی بزرگی اور دوسرے گروہ کی بزرگ باہم قابل پیائش ہے یا نہیں؟ ہرگز نہیں یہ صحیح ہے کہ گروہ اول کے لوگ اس جہت سے عظیم ہیں کہ وہ بڑے ہمت والے اور قوی الارادہ تھے لیکن ان کی آرزؤں اور خواہشات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا تھا اور وہ کسی کم اور چھوٹی چیز پر قناعت نہیں کرتے تھے جب انسان ان میں سے بعض کی ہمت اور دلاوری کے بارے میں پڑھتا ہے تو ان کی عظمت وبزرگی کے سامنے اسکی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں اور وہ مبہوت ہوکر رہ جاتا ہے کبھی تعظیم کے لئے سر بھی خم کردیتا ہے اور اپنے دل میں ان کے لئے ایک قسم کی محبت کا احساس کرتا ہے (فردوسی کے شاہنامہ سے نفوسِ انسانی میں جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ اسی قسم کا ہے) لیکن دوسرے دستہ کی بزرگی اور عظمت ایک دوسری نوع اور جنس ہے یہ ایسی بزرگی ہے جو پاک وپاکیزہ مقام پیدا کرتی ہے یہاں تک کہ خود ان کے نام بھی مقدس ہوجاتے ہیں جیسا کہ ہم

دیکھتے ہیں محمد، علی، حسین ؑ مقدس نام ہیں اسی طرح ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے ناموں کو بھی پاکیزگی کے ایک دائرہ نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ یہ صحیح ہے کہ دستہ اول بزرگ اور عظیم ہے لیکن ان کی عظمت اور درشتی ایک طرح سے خودخواہی اور خود پرستی کی عظمت و بزرگی ہے وہ سب ایک بڑے درندے اور بڑے حیوان ہیں کیا فرق پڑتا ہے اگر ایک آدمی بہت خوش خوراک ہے یہانتک کہ دس آدمیوں کے برابر کھاتا ہے لیکن اس پر انسان کبھی تعجب کرتا ہے اور کبھی کبھی آفرین کہہ دیتا ہے کوئی چھوٹی چیز کھانے والا ہے اور کوئی بڑی چیز، کوئی کسی چھوٹی ریاست کا طالب ہے اور کوئی بڑی ریاست کی طلب رکھتا ہے مثلاً ایک دس گھرانوں پر مشتمل دیہات کے مالک یا سربراہ کی فکر اور آرزو، ان دس گھروں کی کدخدائی (مالکیت) ہے، یہ ایک چھوٹا جاہ طلب ہے جس شخص کی کدخدائی (مالکیت) ہزار خانوادوں پر مشتمل قصبہ پر ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے لیکن وہ زیادہ تندخو ہے اسی طرح وہ شخص جو کسی شہر یا کسی صوبہ یا کسی ملک کی حکومت کے پیچھے ہو، اسی نسبت سے وہ اور بڑا جاہ طلب ہے، اور یہ شخص جس کے سر میں ساری دنیا کا حصول اور جہاں داری کا سودا ہو وہ ان سب سے زیادہ اور بہت بڑا جاہ طلب انسان ہے ان کی شخصیت عظیم ہے لیکن ان کی یہ عظمت ان کی خودخواہی میں مضمر ہے یہ عظیم درندے، عظیم جاہ طلب اور عظیم صاحبان استحصال ہیں انہوں نے وسعت روح اور شخصیت کی توانائی تو پیدا کرلی لیکن یہ روح و شخصیت کی وسعت ذاتی حوائج کے لئے ہے، ان کی خواہش ہے کہ ساری دنیا کو ہڑپ کرلیں یہ زمانے کے شکم پرست لوگ ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا کو خود کا جز (حصہ) بنالیں، دنیا کی تمام شخصیتوں کو مٹا دیں سوائے اپنی اور اپنے طفیلی شخصیتوں کے، یعنی وہ شخصیتیں جو ان کا جزو بن چکی ہیں اور جنکی شخصیت کو یہ نگل گئے ہیں پس یہ لوگ بزرگ ہیں اور فعال بھی، لیکن سرطان کے غدود کی طرح ایک بے تناسب سلّول (cellule) کے ساتھ بڑھنا شروع ہوجاتے ہیں اور یہی ان شخصیتوں کا مقصد ہے اور یہ سرطان ان کے بدن کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے اسکے برعکس دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے اندر وسعت شخصیت پیدا کرتا ہے، جس طرح ماں وسعت شخصیت پیدا کرتی ہے تاکہ اس کا فرزند اور اس کی شخصیت، مستقل، محفوظ اور محترم ہوجائے، وہ اس کی شخصیت کے لئے اسی طرح کام کرتی ہے گویا وہ اپنے لئے کرتی ہے وہ یہ نہیں چاہتی کہ ان

شخصیتوں کو اپنے اندر ہضم کرلے بلکہ چاہتی ہے کہ ان کی حفاظت کرے اور انہیں مستقل و محترم شمار کرے، اس دوسرے گروہ کے لوگ سرطان کے غدود کی طرح نہیں ہوتے بلکہ ایک روح قوی کی منزلت رکھتے ہیں جنکے پیکر میں اجتماع دوڑ رہا ہوتا ہے اور وہ سب کو زندہ اور فعال بنائے رکھتے ہیں وہ اس کے مصداق نہیں:

[من اَصبَحَ ولم یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم] ''جس نے صبح کی لیکن مسلمانوں کے امور کا اہتمام نہ کیا پس وہ مسلمان نہیں۔''

انہوں نے اپنی انسانی شخصیت کو بڑھا کر روح بشری میں وسعت پیدا کرلی ہوتی ہے نہ کہ حیوانی پہلو میں، وہ اپنے وجدان اور ایمان میں وسعت پیدا کرلیتے ہیں مولوی کے بقول:

روح حیوانی ندارد اتحاد — تومجو این اتحاد از روح باد

گر خورد این نان نگردد سیر آن — در کشد بار این نگردد آن گران

''حیوان کی روح اتحاد نہیں رکھتی تو ہوا میں اتحاد کومت تلاش کر، یہ اگر نان کھالے تو بھی سیر نہیں ہوتا اگر اسے بوجھ کھینچنا پڑے تو یہ اس کے لئے گراں نہیں ہوتا (حیوان جو ٹھہرا)۔

ہم آج کیوں حسینؑ پر فدا ہو رہے ہیں؟ اسلئے کہ جس کیلئے پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: [حسین مّنی و انا من الحسین] ہم سب آج اپنے اندر اس چیز کا احساس کررہے ہیں، یعنی ہم حسین- کو خود سے اور خود اپنے آپ کو حسینؑ سے جدا نہیں دیکھتے، ہم حسینؑ کو ایک ایسا شخص نہیں سمجھتے جو اپنے شخصی تقاضوں کے انجام دینے کی فکر میں ہو، ہم ان کو ایک کُلّی روح سمجھتے ہیں جو قبل از وقت ہمارے فکر مند تھے، پس وہ ہم سے ہیں اور ہم ان سے، وہ بشریت سے ہیں اور بشریت ان سے ہے، وہ ہماری روح میں اور ہماری سرنوشت کے ساتھ آمیختہ ہیں ہم انؑ سے ہیں اور وہ ہم سے ہیں۔

ان کی شخصیت کا توسعہ (وسعت) وہی تھا جو توسعہ علیؑ رکھتے تھے آپؑ فرماتے تھے:

[وحسبُک داء اَن تبیت ببطنة — وحولک اکبادٌ تحنّ الی القد]

''تمہارے لئے یہی درد کافی ہے کہ سیر ہو کے سو جاؤ اور تمہارے اطراف میں لوگ تشنہ جگر رہ

جائیں۔''

یا فرماتے تھے:

[**وھذا اخو غامدٍ وقد ورد خیلہ الانبار......ولو ان امرء مسلماً مات علی ھذا اسفا**] ''دیکھو صفیان بن عوف غامدی کی فوج ''انبار'' میں داخل ہوگئی ہے اور اس نے حسان ابن حسان بکری کو قتل کر دیا ہے اور تمہارے سپاہیوں کو ان کے مراکز سے نکال دیا ہے اور مجھے تو یہاں تک خبر ملی ہے کہ دشمن کا ایک ایک سپاہی مسلمان یا مسلمانوں کے معاہدہ میں رہنے والی عورت کے پاس وارد ہوتا تھا اور اس کے پیروں کے کڑے، ہاتھ کے کنگن، گلے کے گلوبند اور کان کے گوشوارے اتار لیتا تھا، وہ سوائے انا اللہ پڑھنے اور رحم وکرم کی درخواست کرنے کے، کچھ نہیں کرسکتی تھی اور وہ سارا ساز وسامان لے کر چلا جاتا تھا نہ کوئی زخم کھاتا تھا اور نہ کسی کا خون بہتا تھا اس صورتحال کے بعد اگر کوئی فرد مسلمان صدمے سے مر بھی جائے تو قابل مذمت نہیں ہے۔'' [خطبہ/۲۷]

شخصیت کا توسعہ یہ ہے کہ واقعاً انسان کہہ اٹھے:

من از بینوائی نیم روی زرد — غم بینوایان رُخم زردکرد

''میرا چہرہ بینوائی کی وجہ سے زرد نہیں ہوا بلکہ بینوا لوگوں کے دیئے ہوئے غم نے میرا چہرہ زرد کردیا ہے''

توسعۂ شخصیت یہ ہے جو امام حسین - نے فرمایا:

﴿**انی لم اخرج اشراً و لا بطراً**﴾ ''میں فساد پھیلانے یا دولت خواہی کے لئے نہیں نکل رہا ہوں'' یا یہ فرمایا: ﴿**من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحُرم اللہ**﴾ ''اگر کوئی حاکم کو حرام خدا کو حلال کرتا دیکھے......''

کربلا کی تمام مصیبتیں اس لئے تھیں کہ امامؑ نے اپنی رائے کا سودا نہیں کیا

معاویہ کے مرنے سے قبل اور اسی طرح اس کے مرنے کے بعد یعنی یزید کے دور میں ان لوگوں کا امامؑ سے بس ایک ہی تقاضا تھا جب حسین - مدینہ میں تھے یا جب مکہ آئے اسی طرح راستے میں اور کربلا میں بھی امامؑ سے صرف ایک امتیاز کے طلبگار تھے اگر امامؑ یہ ایک امتیاز ان کو دیدیتے تو پھر ان لوگوں کو امامؑ کے کسی کام سے کوئی غرض نہ تھی اور اس پر وہ امامؑ کو انعامات بھی دیتے امامؑ نے بھی یہ جو اتنی رنج ومصیبتیں برداشت کیں اپنا اور اپنے عزیز واقارب کا تن شہادت کی راہ میں دیدیا یہ سب اس لئے تھا کہ اس ایک امتیاز کو نہ دیں وہ ایک امتیاز اپنے عقیدہ اور رائے کو فروخت کرنا تھا اس زمانے میں آجکل کی طرح سے انتخابات یا حق رائے دہی کے لئے صندوق نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ بیعت ہوتی تھی۔

اُس زمانے کی بیعت آجکل کی رائے دہی تھی پس امامؑ اگر فقط ایک غیر وجدانی اور غیر شرعی رائے دے دیتے تو شہید نہ ہوتے امامؑ شہید اس لئے ہوئے تاکہ اپنی رائے اور اپنا عقیدہ فروخت نہ کریں۔

کربلا بشر کی معنویت وروحانیت کی نمائشگاہ تھی نہ کہ جنایت کی

ہمارے زمانے میں یہ معمول ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک صنعتی نمائش لگاتے ہیں اور کبھی تو بین الاقوامی صنعتی نمائش کا اہتمام کرتے ہیں ظاہراً ۶۰ سال میں ایک بار تمام دنیا ایک نمائشگاہ ترتیب دیتی ہے کہتے ہیں ایفل ٹاور (**EIFEL TOWER**) ایک نمائشگاہ کی یادگار ہے جو ساٹھ سال پہلے بنایا گیا تھا تین چار سال پہلے برسلز (**BRUSELES**) میں بھی ایک نمائش لگی تھی جس میں مشرق ومغرب کے تمام ممالک نے شرکت کی تھی اور تمام دنیا سے لوگ وہاں جمع ہوئے تھے ان نمائشوں کا مقصد بشر کی فکری اور عملی محصولات (کارکردگی سے حاصل کردہ نتائج) کا مظاہرہ ہوتا ہے وہاں جاکر انسان بشر کی فکر کی عظمت وفعالیت اور ہنرنمائی کے درجہ کو سمجھ پاتا ہے وہاں پر ہرنوع کی چیزیں، سوئی سے لیکر عظیم کارخانوں کے نمونے لاکر دکھائے جاتے ہیں ہم سانحۂ کربلا کو بھی ایک نمائشگاہ سے تشبیہ دے سکتے ہیں لیکن علم وصنعت کی نہیں بلکہ معنویت اور معرفت کی نمائشگاہ اس

نمائشگاہ میں ناظر بشر کی اخلاقی قدرت، روحی اور معنوی قدرت کی عظمت کی تہ تک پہنچ سکتا ہے اور یہ سمجھ سکتا ہے کہ بشر کس حد تک درگذشت کرنے والا، فداکار، آزاد، خداپرست، حق خواہ اور حق پرست ہوسکتا ہے اور کس قدر صبر و رضا، تسلیم وشجاعت، مروت وکرم اور بزرگواری کے معانی کے ظہور اور نمود کی قدرت رکھتا ہے۔

عام طور پر اہل منبر جب چاہتے ہیں کہ کربلا کے قضیہ کو بڑا بنا کر پیش کریں تو مصیبتوں اور ظلم وستم کے پہلو کو بڑا کر کے پیش کرتے ہیں مصیبتوں کے پیدا کرنے' حتیٰ جعل کرنے کی جستجو میں بھی لگے رہتے ہیں اپنے بیانات اور تشبیہات میں مصیبتوں کو مختلف زاویوں سے مجسم کرکے، اس وقعہ کے فاجعہ (غم انگیز واقعہ) ہونے کو تقویت دیتے ہیں حالانکہ ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیئے کہ حادثہ کربلا کی بزرگی کس نظر سے ہے؟ آیا اس کی بزرگی فجیع ہونے کے حوالے سے ہے؟ قطعی طور پر یہ فاجعہ ایسا ہے کہ اس کی نظیر کم ہے چنانچہ ابوریحان بیرونی نے کتاب ''الآثار الباقیۃ'' میں ''نفس المھموم'' سے اسی بات کو نقل کیا ہے اور اسی طرح دوسروں نے بھی یہ بات کہی ہے لیکن دنیا میں اس فاجعہ سے عظیم بلکہ شاید عظیم تر فاجعہ زیادہ ہوئے ہیں خود مدینہ کا فاجعہ، کربلا کے فاجعہ سے کمتر نہیں تھا، واقعہ کربلا کی عظمت سید الشہداء- اور آپؑ کے یارانؓ کے لحاظ سے ہے نہ کہ ابن زیاد و ابن سعد کے تابعین کے لحاظ سے یہاں سعادت کی عظمت مراد ہے نہ شقاوت کی عظمت، کربلا جہاں بشر کی شقاوت، بدی اور پلیدی کے اظہار کی ایک نمائشگاہ ہے، اس سے کہیں زیادہ روحانیت، معنویت، اعلیٰ اخلاق اور انسانیت کی نمائشگاہ ہے لیکن اہل منبر اس پہلو کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں بالفاظ دیگر ہمیں اس واقعہ کو اس پہلو سے دیکھنا چاہیئے کہ اباعبداللہ، اباالفضل، اور حضرت زینبؑ اس داستان کے قہرمان ہیں اس جہت سے نہ دیکھیں کہ شمر اور سنان اس داستان کے قہرمان ہیں۔

کیوں حضرت حُرؓ نے اپنی روحی کیفیت کو تبدیل کیا؟

کہا گیا ہے کہ جناب حُرؓ کی حضرت سید الشہداء- سے گرویدگی کی ایک علت یہ تھی کہ وہ زیادہ مدت تک آپؑ کے ہمراہ رہے تھے اور آپؑ کو نزدیک سے جانتے تھے۔

اصحاب حسین- میں سے کوئی بھی دشمن کی پناہ میں نہیں گیا بلکہ دشمن کے افراد کو جذب کیا۔

نہضت حسینیؑ کے کمال اور قوت کا ایک مظہر یہ حقیقت ہے کہ تمام تر ظلم اور رنج ومصیبت میں رہ کر بھی کوئی ایک فرد بھی دشمن سے نہیں جاملا، اس کے برخلاف لشکرِ غالب سے جناب حُر اور دوسرے تیس (۳۰) افراد کے دل اپنی طرف کھینچ لئے، اباعبداللہ- اصرار کرتے رہے کہ جو جانا چاہے چلا جائے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ چاہتے تھے کہ آپؑ کی نمائشگاہ کامل ہو اور آپؑ کے اصحاب کے درمیان کسی قسم کے ضعف کا وجود نہ ہو، تاکہ مشکل کے موقع پرستی کا مظاہرہ نہ ہو۔

جنگ بدر اور صفین میں ایسی صورت (مشکل کے وقت سستی دکھانا) زیادہ عیب شمار نہیں ہوتی تھی لیکن کربلا میں یہ عیب شمار کیا جاتا کیونکہ کربلا کی بنیاد خود فراموشی اور فداکاری پر تھی معمول یہ ہے کہ غالب مغلوب کا دل چھین لیتا ہے، نہ کہ مغلوب غالب کا اور یہاں روح کے لحاظ سے یہ لوگ (کاروان حسینیؑ) غالب تھے اور اس لحاظ سے وہ لوگ (لشکر عمر سعد) شکست خوردہ، مغلوب اور ان کے زیر اثر قرار پاتے ہیں۔

شہادت سید الشہداء -کا سب سے زیادہ دردناک پہلو

شہادت سید الشہداءؑ کا ایک پہلو سب سے زیادہ دردناک ہے اور لوگ اس کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں وہ موضوع ''یتقربون الی اللہ بدمہ'' ہے وہ لوگ امام حسین -کا خون بہا کر قرب الٰہی حاصل کرنا چاہتے تھے اور اسی حوالے سے انہوں نے سید الشہداء- کے قتل کا دینی جواز بنایا تھا، بڑا فرق ہے اس بات میں کہ بھیڑیا کسی گوسفند کو کھا جائے اور اس میں کہ کھا جائے اور لوگ اس عمل کو قربۃً الی اللہ قرار دے دیں اور دوسرے کے عمل کو مصالح ملی کے خلاف قیام اور ملت سے خیانت گردانیں جبکہ صاف نظر آرہا ہے کہ یہ جہت سب سے بالاتر تھی سب سے بڑا گناہ وہ ہے جو اخلاق، روحانیت اور صلح کے نام پر کئے جاتے ہیں۔

امام حسین -کی شہادت کے تین مرحلے

امام حسینؑ تین مرتبہ شہید ہوئے ایک یزیدیوں کے ہاتھ، آپؑ کے تن مبارک کی شہادت، دوسری بار کردار

کشی کی صورت میں آپؑ کی شہادت، جو یزیدیوں کے بعد آنے والوں بالخصوص متوکل عباسی کے ہاتھوں ہوئی، تیسری مرتبہ اہل منبر کے ہاتھوں آپؑ کے ہدف کی شہادت، ان تینوں میں سے تیسرا مرحلہ سب سے اہم ہے جناب زینب= کے اس جملہ میں جو آپؑ نے یزید سے فرمایا: [**کد کیدک واسع سعیک**] ''تو تمام مکر وفریب اور حیلہ کو بروئے کار لے آ اور جو بھی کوشش کر سکتا ہے کر......'' اس جملہ میں تینوں گروہ شامل ہیں۔

امام حسین -کا مکتب، مصلح سازی کا مکتب ہے گناھگار انسان بنانے کا نہیں

امام حسینؑ کا مکتب گناہگار سازی کا مکتب نہیں بلکہ مکتب انبیاءؑ کو دوام بخشنے کا مکتب ہے جن کا سورہ الشعراء میں ذکر ہوا ہے ہمیں ہر سال اور ہر وقت آپؑ کے ذکر کی تجدید کرتے رہنا چاہئے تا کہ آپؑ زندہ صورت میں لوگوں کے درمیان باقی رہیں چونکہ نبوت ختم ہوگئی ہے اس لئے اب یہی مکتب حسینیؑ انبیاءؑ کے وحی اور الہام کے منبع کی منزلت پر ہے دوسرے لفظوں میں خداوند عالم کی طرف سے پیغمبروں پر وحی کی گئی ہے کہ جس موقع پر لازم جانیں قیام کریں اب سلسلۂ وحی تو نہیں ہے لہٰذا اب مکتب حسینیؑ مردان بزرگ کو وحی اور الہام کرتا ہے تا کہ ضرورت پڑنے پر وہ مصلحین کی صورت میں قیام کریں نہ کہ انبیاءؑ کی صورت میں چونکہ نبوت تو ختم ہو چکی ہے۔

فروغی ہربرٹ اسپنسر **Herbert Spencer** سے نقل کرتے ہیں کہ ''نیک لوگوں کی سب سے بڑی آرزو آدم سازی میں شرکت کرنا ہے'' یعنی صالح انسان بنانے کا مکتب قائم کرنا ہے مکتب حسین- نہ فقط یہ کہ گناہگار سازی کا مکتب نہیں بلکہ صالح سازی سے بھی بڑھ کر مصلح سازی کا مکتب ہے۔

سیاست اموی کی خصوصیات: نژادی تعصب کی آگ کا بھڑکانا اور شعروشاعری کی ترویج

اموی حکمران چند چیزوں کی حمایت اور چند چیزوں سے مبارزہ کرتے تھے جن چیزوں کی حمایت کرتے تھے ان میں سے ایک نژادی یا نسبی امتیاز کے تعصب کی آگ کو پھیلانا تھا کتاب ''الامام الصادق'' میں لکھا ہے کہ حجاج نے بصرہ میں اپنے والی کو خط لکھا کہ ''میرا یہ خط ملتے ہی تم ''نبطیہ'' (عجمیوں) کو خود سے دور کرو یہ

تمہارے دین اور دنیا دونوں کے لئے ضرررساں ہیں''۔ والی بصرہ نے اس خط کے حوالے سے متقین اور قاریان قرآن کو حکم سے مستثنیٰ رکھ کر اس پر عملدرآمد کی خبر حجاج کو دی، حجاج نے ایک اور خط لکھا کہ اس کے ملتے ہی اطباء کو جمع کرو کہ وہ تمہارے سوتے ہوئے تمہارا معائنہ کریں اور اگر کوئی نبطی رگ پیدا ہوگئی ہو تو فوراً اسے قطع کردیں۔

دوسری چیز جس کی اموی حمایت کرتے تھے وہ شاعری کی ترویج تھی خصوصاً زمانۂ جاہلیت کے اشعار، بزم مشاعرہ کے قیام کے علاوہ، کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دیں کہ اشعار میں بھی حکمت ہے کتاب ''ابن خلّکان'' کی جلد چہارم صفحہ ۳۲۸ پر ابوعبیدہ نحوی کی شرح حال میں لکھتے ہیں:

[**وذکر المبرد فی کتاب الکامل انَّ معاویة بن ابی سفیان الاَمَویَّ قال: اجعَلُوا الشِّعرَ اَکبَرَ هَمِّکُم و اَکثَرَ آدابِکُم فَانَّ فیهِ مَآثِرَ اَسلافِکُم وَ مَوَاضِعَ اِرشادِکُم فَلَقَد رَاَیتنی یوم الهَزیمة وقد عزمت علی الفِرارِ فمارَدَّنی اِلاَّقَولُ ابنِ الاطنابةِ الانصاریِّ......**] ''مبرد نے کتاب کامل میں لکھا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے کہا: تم لوگوں کی ہمت و کوشش اور بہترین ادبیات، اشعار ہونا چاہئے کیونکہ تمہارے گذشتگان کے آثار اور تم لوگوں کی ارشاد ورہبری اشعار ہی میں پوشیدہ ہے چنانچہ جس دن میں نے شکست کھائی اور جنگ سے فرار اختیار کرنے لگا تو ابن المنابہ انصاری کے ان اشعار کے علاوہ کسی اور چیز نے مجھے فرار کرنے سے باز نہ رکھا: عفت کو اپنانے کے لئے ایک بہت بڑی قیمت دینا پڑتی ہے بہت سی خوبیوں سے اپنے لئے عفت کو خریدو، خواہ اس کے لئے نفس کو ناگوار باتیں برداشت کرنا پڑے اس کے لئے دلیری اور جوانمردی کی پیشانی کو رگڑ دینا پڑتا ہے جب بھی نفس پر بیتابی کا غلبہ ہوتا تھا تو میں کہتا تھا کہ آرام کرو یہی سب میرے لئے میدان کارزار سے فرار سے رکنے کا باعث بنا تا کہ صالح، شائستگی اور نیک آرزو سے خود کی حمایت کرسکوں۔''

معاویہ کے یہ جملے حقیقت میں سنت نبویؐ اور قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿**الشُّعراءُ یَتَّبِعُهم الغاؤن**﴾

''اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں'' (الشعراء/۲۲۴) سے مبارزہ ہیں۔ معاویہ اس وقت قرآن کریم کی آیاتِ جہاد کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوا؟ اور کیوں کر ان تعصب سے بھرے ہوئے اشعار کی طرف متوجہ ہوا؟ البتہ حکمت آمیز اشعار کا کہیں پر بطور مثال پیش کرنا کوئی عیب نہیں ہے جیسا کہ خود ابا عبداللہ نے کربلا کی طرف حرکت کرتے وقت ایک انصار کے اشعار کو اپنے لئے مثال کے طور پر دہرایا: [**سامضی و مافی الموت......**] لیکن معاویہ کا ایک کلی پور یہ بیان دینا کہ "**اجعلوا الشعر اکبر همّکم** "بہت زیادہ خطرناک ہے اُن اشعار میں اور ان میں بہت زیادہ فرق ہے۔

جرجی زیدان اپنی کتاب ''تمدن اسلام'' کی جلد چہارم صفحہ ۱۳۱ پر لکھتے ہیں: بنی امیہ کے نزدیک لوگوں کے تین گروہ تھے:

۱۔ حکام یہ خود عرب والے تھے۔
۲۔ اُنکے موالی یعنی غلام یہ آزاد شدہ مسلمان تھے
۳۔ ذمی

چنانچہ معاویہ مصر کے لوگوں کے بارے میں کہتا ہے: ''اس ملک کے رہنے والوں کے تین طبقے ہیں یہ یا انسان ہیں یا شبیہ انسان ہیں یا نسناس یا لاناس (جانور) ہیں طبقہ اول عرب، دوسرا طبقہ بندگان اور غلام اور تیسرا گروہ ذمّی یعنی قبطیان ہیں۔''

جرجی زیدان کی اسی کتاب کی جلد چہارم میں ایک باب ''عصر اموی میں حکومت کی سیاست'' کے نام سے ہے وہ اس باب میں لکھتے ہیں کہ بنوامیہ اہل ذمّہ سے پیسہ لینے کی خاطر سخت گیری کرتے تھے اگر وہ لوگ پیسہ دیتے تو ان کو زیادہ دوست رکھتے تھے وہ اس بارے میں کتاب ''خِططِ مقریزی'' کا حوالہ دیتے ہیں۔

❁ شجاعت حسینیؑ (یعنی شجاعت بدنی) کے ظاہر ہونے کے (مواطن) مواقع۔
❁ مروت حسینیؑ کے ظاہر ہونے کے مواقع۔
❁ صبر کے مواقع۔

❁ غیرت حمیت اور اباء نفس کے ظاہر ہونے کے مواقع۔
❁ توجہ بہ خدا [1]

رضا اور تسلیم

کتاب ''راہنمائی دانشوران'' میں اس رباعی کو ''رکن الدین محمود خوافی'' کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

غواصی کن کرت گہر می باید   غواصان را چار هنر می باید
سر رشته به دست یار وجان در کف دست   دم نازدن و قدم زسر می باید

اس رباعی میں تسلیم کی حقیقت کو مثبت جہت سے خوب بیان کیا گیا ہے تسلیم کے معنی سکونت' سکون اور توقف نہیں بلکہ تسلیم سے مراد حرکت کی کیفیت کو تغیر دینا ہے۔ اس رباعی میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایک غواص جو دریا کی تہ میں حرکت کرتا ہے اور ایک آدمی جو سڑک پر معمول کی حرکت کرتا ہے' ان دونوں حرکتوں میں چار جہت سے فرق ہے :

۱۔ غواص کے کام کا دارومدار دوسرے کے ہاتھ میں ہے اس کے لئے امر کا حکم دینا خداوند عالم کے ہاتھ میں ہے یعنی وہ خداوند عالم پر توکل کر کے چلا جاتا ہے یہاں پر اس کا پروگرام اس کی ہوائے نفس کا تابع نہیں۔
۲۔ ایسا اقدام بہت خطرناک ہوتا ہے اس کام کی انجام دہی میں کئی بڑے اژدھوں اور گھڑیال کے درمیان جانا پڑتا ہے اور ہر لحظہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کسی ایک عظیم الجثہ گھڑیال کے منہ کا لقمہ بن جائے۔
۳۔ اس عمل میں دم سادھنا، منہ بند کرنا اور حرکت کرنا اس فوجی جوان کی طرح سے ہے جو اپنے کمانڈر کے فرمان کے تحت ہے اور فرمان ملتے ہی ہاتھ اٹھا کر بتاتا ہے کہ وہ سن رہا ہے اور اطاعت میں حرکت کناں ہے۔
۴۔ غواص کو سر کے بل جانا ہوتا ہے نہ کہ پاؤں سے، دوسرے لفظوں میں اس کے کام میں انتہائی میل، شوق اور عشق لازم ہے، فقط اسی کی فروتنی، اطاعت اور اس کا دم سادھ لینا کافی نہیں ہے، پرستش کے لئے عشق اور محرکات داخلی لازم ہیں احرار اور عشاق جیسی بندگی ہونا چاہئے۔

۱ [یہاں پر استاد شہیدؒ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخہ میں نیچے توضیح کی غرض سے کچھ جگہ چھوڑی ہوئی ہے لیکن مطالب لکھے ہوئے نہیں ہیں]

قرآن کریم میں پہلی اور تیسری جہت کی طرف اشارہ ہے خدا فرماتا ہے:

﴿فلاو ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم﴾ ''تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مؤمن نہ ہونگے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو حَکم نہ بنائیں'' (نساء/۶۵)

جب غواص یہ چاروں ہنر پیدا کر لیتا ہے تب وہ دریا کی تہ سے موتی حاصل کر پاتا ہے۔

شجاعت روحی، قلبی، عملی، قیافہ اور زبان کے تعادل کی حفاظت

عقاد کہتا ہے: [ملک جأشه و کل شئ من حوله یوهن الجأش] وہ اپنے قلب کے مالک تھے حالانکہ آپ کے اردگرد تمام چیزیں قلب کو کمزور کرنے والی تھیں۔

اباعبداللہ - کی شہادت اور مظلومیت کے بارے میں عام طور پر ذاکرین کی منطق

مرنے اور وفات پانے کی چند قسمیں ہیں:

۱۔ طبیعی موت مرنا (نہ کہ اخترامی موت) یعنی کوئی انسان طبیعی عمر کو پہنچا اور گزر گیا۔

۲۔ اخترامی موت جو طبیعی عوامل کے ذریعہ ہو جیسے جوانی میں وبا، طاعون اور اس طرح کے دوسرے امراض سے مرنا۔

۳۔ اخترامی موت جو کسی حادثہ اور سانحہ کی وجہ سے ہو جیسے زلزلہ یا سیلاب یا موٹر کار کے حادثہ کی وجہ سے کوئی مر جائے، ان مواقع پر کسی نے عمداً نہیں مارا ہوتا اور نہ ہی اس میں مقتول کی کوئی تقصیر ہوتی ہے۔

۴۔ اخترامی موت جس کا سبب غیر طبیعی عوامل ہوں، جیسے کوئی ایسا حادثہ یا سانحہ جس میں قصور خود مقتول کا ہو۔ مثلاً کسی آدمی کا نشہ کی حالت میں موٹر کار چلانے کے سبب حادثہ میں ہلاک ہو جانا اس ہلاکت میں ظاہر ہے کہ کسی دوسرے شخص کا کوئی قصور نہیں۔

۵۔ ایسی اخترامی موت جو کسی حادثہ اور سانحہ کی وجہ سے واقع ہوئی ہو مگر اس میں مقتول اور دوسرا شخص دونوں ہی قصوروار ہوں جیسے عام طور پر لجاجت، تعصب، جہالت، مستی اور ضد میں یا مثلاً فحاشی خانہ میں دو افراد

ایک ہرجائی عورت کی خاطر ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں یہاں تک کہ قتل کر دیتے ہیں۔

۶۔ اخترامی موت جو قتل عمد کی وجہ سے ہوئی لیکن مقتول کا اس میں کسی قسم کا کوئی قصور نہیں بلکہ صرف قاتل کی جنایت سبب موت بنی ہو مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص کو خود اس کے اپنے کسی قصور کے بغیر قتل کر دیتا ہے یا مثلاً کوئی اپنا راستہ چل رہا ہے اور دوسرا شخص اس شخص کو نشانہ بناتا ہے یا مقتول کے باپ بھائی یا کسی دوسرے رشتہ دار سے بدلہ لینے کی خاطر اسے مار دیتا ہے تاکہ اس کے خاندان کو اس شخص کے مرنے سے دکھ پہنچے یا مقتول کے مرحوم باپ سے خاندانی نفرت کے نتیجہ میں اسے بلاتقصیر مار دیتا ہے یا اس شخص کے وجود کو اپنے لئے مزاحم سمجھتا ہے مثلاً یہ کہ جب تک یہ شخص زندہ رہے گا فلاں عورت اس کے عشق کو قبول نہ کریگی یا فلاں مقام و منصب اس شخص کے ہوتے ہوئے اس کو نہیں مل سکے گا اگر چہ یہ شخص خود اس کے عشق اور مقام میں ذرا بھی مزاحم نہیں پھر بھی وہ اسے مار دیتا ہے۔

۷۔ جانبازی و فداکاری اور شوقِ شہادت میں مرنا یہاں مقتول خود کو اپنے عقیدہ اور ہدف و مقصد کی راہ میں فدا کرتا ہے یہ مرنا بھی عمداً ہے، مرنے والا اپنے مقدس اور عالی ہدف کی راہ میں مارا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ انتخابی موت ہے کہ انسان آگاہانہ طور پر اپنے ہدف کو تحقق بخشنے کے لئے اس موت کو انتخاب کرتا ہے تاکہ اس کا ہدف حاصل ہو جائے۔

۸۔ انتخابی موت کی ایک اور نوع بھی ہے اور وہ ہے خودکشی، جس میں انسان حوادث کا مقابلہ کرنے سے فرار کرنے کے لئے اپنے آپ کو مار دیتا ہے ایسا انسان کے ضعیف اور کمزور ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ تمام مرنے والوں اور مارے جانے والوں کے اقسام ہیں ان میں سے بعض افسوسناک ہیں اور بعض پر افسوس نہیں ہوتا، بعض حقیقت میں مقتول کے لئے سزا کی صورت ہیں اور بعض ایسے نہیں ہیں بعض اموات ضایع اور تلف ہو جانے والی اموات ہیں اور بعض نہیں۔

پہلے قسم کی موت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخصی اعتبار سے اسف انگیز نہیں ہے چونکہ مرنے والا عادی موت مرا ہے اگر چہ کہ اجتماع کے حوالے سے ممکن ہے بعض افراد کے جانے سے نقصان ہوا ہو۔

دوسری قسم کی موت انسان کا تلف ہونا ہے اور یہ مقام افسوس بھی ہے لیکن کوئی دوسرا شخص اس میں مورد ملامت نہیں ہوتا۔

اسی طرح تیسری قسم کی موت بھی ہے، چوتھی قسم واقعاً مقتول کی جزا اور سزا ہی ہے، اسی طرح پانچویں قسم بھی ہے سوائے اس کے کہ اس میں قاتل اور مقتول، دونوں مورد ملامت ہیں، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں اقسام میں تلف ہونا، ضایع ہونا اور برباد ہو جانا موجود ہے، چوتھے اور پانچویں قسم میں عمومی اخلاق پر افسوس کرنے کا مقام ہے کہ کیوں اتنی زیادہ پستی میں گر گئے، چھٹی قسم کی موت میں دونوں طرف افسوس کا مقام ہے، مقتول کا تلف ہونا اور قاتل کا اخلاق بد دونوں افسوسناک ہیں اس قسم کی موت میں انسان متأسف ہوتا ہے کہ ایک شخص بے تقصیر، بے دریغ تلف اور برباد ہو گیا، لیکن ساتویں قسم کی موت وہ ہے جس میں انسان قاتل کے اخلاق اور روحیہ پر افسوس کرتا ہے اور اثر لیتا ہے لیکن مقتول کے لئے اس کے دل میں تحسین اور تعظیم ہوتی ہے اور اس کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیتا ہے۔

عام طور پر ذاکرین کی کوشش رہتی ہے کہ شہادت امام حسین -کو چھٹی قسم میں شامل کریں یعنی ایک مظلوم اور بے گناہ شخص کو بے سبب قتل کیا جان تلف کی، ضائع اور برباد کیا حالانکہ امام حسینؑ کی شہادت ساتویں قسم کی موت ہے، نہ کی چھٹی قسم کی عام طور پر سید الشہداءؑ کے حادثہ کا ذکر کرتے وقت اظہار تأسف کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ سید الشہداءؑ مارے گئے افسوس آقا امام حسینؑ ضائع ہو گئے، ہماری غلطیوں میں سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ ہم امام حسینؑ کو ضائع شدہ شمار کرتے ہیں، ہماری اس سوچ کے برعکس امام حسینؑ نے اپنے خون کے ہر ایک قطرہ کو ایک دنیا کے برابر قیمت بخشی آیا وہ شخص جس نے ایک ایسی لہر ایجاد کی جو صدیوں تک ستمگروں کے محلات کی بنیادوں کو متزلزل کرتی رہی بلکہ جس نے انہیں بنیاد سے اکھاڑ پھینکا حتی کہ ہمارے اس زمانہ میں بھی اکثر پُر جوش اور گرم حوادث محرم ہی میں پیش آتے ہیں، آیا اس شخص کا خون ضائع ہو گیا ہے؟ جس شخص کی شہادت نے کروڑوں نمازی، روزہ دار اور جان فدا کار پیدا کئے آیا وہ ضائع اور ہدر ہو گیا ہے؟

آیا امام حسین- کے پاس کوئی خصوصی دستور تھا؟

ایک امر جو کربلا کی داستان کو اس کے محور سے ہٹانے کا موجب بنا ہے اور جو اسے عام لوگوں کے لئے محل استفادہ ہونے اور بہرہ برداری سے خارج کر دیتا ہے اور بالآخر ان تمام اہداف سے جو امام عالی مقامؑ کی عزاداری کے امور سے متعلق نظر میں ہیں، منحرف کر دیتا ہے وہ یہ قول ہے کہ سید الشہداءؑ کی تحریک کی علت ایک خصوصی اور شخصی الحکم[1] کے مانند ایک پوشیدہ فرمان تھا اور یہ خصوصی حکم امامؑ کو خواب یا بیداری میں دیا گیا تھا اس لئے اگر یہ صحیح ہے کہ امامؑ ایک خصوصی حکم رکھتے تھے کہ حرکت فرمائیں تو اس صورت میں دوسرے لوگ ان کو اپنا مقتدا اور امام نہیں بنا سکتے ہیں کہ وہ اس نظیر پر عمل درآمد کریں اور پھر وہ حسینؑ کے لئے کسی ''مکتب'' کے قائل بھی نہیں ہو سکتے اس کے برخلاف میں تو یہ کہتا ہوں کہ امام حسینؑ کی حرکت اسلام کے عمومی احکام سے مستنبط اور منتج ہوئی اور امامؑ نے اپنی روشن اور صائب رائے سے ان احکام کو تطبیق کیا کیونکہ آپ اسلام کے احکام کو بھی خوب سمجھتے تھے اور اس زمانہ کے وضع سے بھی کماحقہ واقف تھے، نیز حکمران طبقہ سے بھی پوری طرح آگاہ تھے لہٰذا آپؑ نے ان احکام کی تطبیق اپنے زمانہ پر کی اور قیام اور حرکت کو اپنا وظیفہ جانا چنانچہ آپؑ نے اپنے ایک معروف خطبہ میں رسول خدا ﷺ کی معروف حدیث سے استنباط فرمایا: [من رأی سلطانا! جائرا] مزید فرمایا: [الا ترون ان الحق لا یعمل به و ان الباطل لا یتناهی عنه لیرغب المؤمن] یہاں پر **لیرغب الامام** نہیں کہا بلکہ فرمایا **لیرغب المومن** یعنی یہ ہر مومن کا وظیفہ تھا نہ کہ فقط امام حسینؑ کا وظیفہ اس لئے کہ وہ امام تھے لیکن عام طور پر خطیب اور ذاکر حضرات اپنے خیال میں امام حسین- کے مقام کو بلند کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کو یزید اور ابن زیاد کی ذات سے مبارزہ کرنے کا خصوصی حکم آیا تھا اور اس سلسلے میں وہ خواب یا بیداری میں اس حکم کے آنے کے بارے میں ہزاروں باتیں بنا کر پیش کرتے ہیں نتیجتاً قیام امام حسینؑ کو عام انسانوں کے لئے قابل اقتداء ہونے اور ﴿**ولکم فی رسول الله اسوة**

[1] [اس مقام پر ہمیں قضایائے شخصیہ، خارجیہ اور حقیقیہ کے درمیان فرق کا پتہ چلنا چاہئے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ متأخرین کے نزدیک احکامات کا صدور قضایائے حقیقیہ کے تحت ہے]

حسنہ ﴾ [1] کے دائرۂ عمل سے خارج کر لیتے ہیں اور ہماری اصطلاح میں قیام حسینیؑ کو زمین سے آسمان پر لے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے اقوال پیش کرتے ہیں جیسے:

''اپنے آپ کو بنیاد بنا کر صالحین اور اولیائے عظام کے اعمال کے بارے میں قیاس مت کرو۔''

اس سلسلے میں جتنی زیادہ خیال بافی کی جائے گی اور جس قدر جن وملک، خواب و بیداری اور خصوصی حکم کے موضوع پر بولا جائے گا یہ نہضت اتنا ہی ہمارے لئے نمونہ عمل بننے کے لائق نہیں رہے گی۔ اب آپ خود غور کریں کہ آیا امام حسینؑ کسی خصوصی حکم کے تحت کام انجام دیں تو ان کا مقام زیادہ بلند ہوتا ہے یا عمومی احکام کے تحت اس عمومی حکم کو اپنے وقت کے حالات پر منطبق کر کے (وہ بھی ایسے حالات میں جہاں ابن عباس جیسے بڑے بڑے اور باہوش اور زیرک صحابہ اس کی تطبیق سے عاجز تھے) عمل کریں تو ان کا مقام بالاتر ہوتا ہے؟ ہم مشرقی لوگ عزت ومقام کو فقط ایسے لوگوں کے لئے سزاوار سمجھتے ہیں جن کے بارے میں مثلاً کہا جائے کہ فلاں شخص بھید کھولنے والا ہے یا اہل کرامت ومعجزنما ہے یا جنّات کو مسخر کیا ہوا ہے یا ملائکہ سے میل ملاپ رکھتا ہے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ امام حسین- ملکوتی مقام کے مالک ہیں بلکہ آپؑ جمیع مقام ومنزلت کے مالک ہیں آپؑ ایک انسان کامل ہیں، انسان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند وبالا ہے انسان کے کمال کی انتہا یہ نہیں کہ فرشتوں سے میل ملاپ ہو بلکہ اس کے کمال کی انتہا انسان کامل ہونا ہے ہم کہتے ہیں کہ جبرئیل مقام معراج تک پہنچنے سے عاجز رہ گئے، اگر کہیں گے کہ امام حسینؑ نے فرشتوں کی راہنمائی میں قیام کیا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ آپؑ خود اپنی ذاتی عقل اور تشخیص کے ذریعہ اپنا وظیفہ (شرعی ذمہ داری) تشخیص دینے پر قادر نہیں تھے۔

لیکن اگر یہ کہیں گے کہ آپؑ نے خود اپنی عقل کے ذریعے اپنی شرعی ذمہ داری کا تعین کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپؑ کی ذاتی عقل وشعور سب سے بالاتر تھی اور آپؑ نے کوئی الہامی کام انجام نہیں دیا الہام وہاں پر ہوتا ہے جہاں عقل اور شرع کی ہدایت وراہنمائی کافی نہیں ہوتی جبکہ صورتحال یہ ہے امام حسین- کے لئے عقل

[1] [مسلمانو! تمہارے لئے رسولؐ کی زندگی میں بہترین نمونۂ عمل ہے (احزاب/۲۱)]

اور شرع کی راہنمائی کافی تھی بنابراین: [ان اللّٰہ شاء ان یراک قتیلاً] کے معنی یہ ہیں کہ مشیتِ تشریعی عمومی کے تحت امام حسینؑ نے قیام فرمایا، نہ کہ مشیت تکوینی یا کسی ایسی خصوصی مشیت کے تحت جو خود آپؑ کی ذات کے مساتھ مخصوص ہو قدیم زمانے میں ہمارے علمائے کرام نے اس موضوع پر بہت بحث کی ہے کہ کلمۂ ان اللّٰہ شاء ان یراک قتیلا میں مشیت سے مراد مشیت تکوینی ہے یا مشیت تشریعی؟ اور سب نے یہ قبول کیا ہے کہ یہاں مراد مشیت تشریعی ہے لیکن اس بارے میں بحث نہیں کی ہے کہ مشیت تشریعی سے مراد وہی مشیت کلی (عمومی) ہے کہ جس میں تمام مسلمین شامل ہیں یا ایسا نہیں بلکہ یہ ایک مشیت تشریعی اور حکم تشریعی تو ہے لیکن یہ امام حسینؑ کے ساتھ مختص تھا فقط انہی کے لئے تھا۔

ہم اس مطلب پر ایک دوسری طرح سے بھی بحث وگفتگو کر سکتے ہیں اور وہ زیادہ عاقلانہ بھی ہوگا، آیا امام حسینؑ نے جو قیام کیا وہ امام ہونے کی وجہ سے کیا تھا یا ایک مومن اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے؟ دوسرے لفظوں میں اگر ہم چاہیں کہ حدیث ان اللّٰہ شاء ان یراک قتیلا کے حوالے سے بحث کریں تو سوال یوں ہوگا کہ اس سے مشیت تکوینی مراد تھی یا مشیت تشریعی، اگر تشریعی مراد تھی تو اس صورت میں آیا یہ خصوصی اور شخصی حکم تھا یا کل عامۃ الناس کے لئے ایک کلی اور مجموعی حکم تھا اور اگر کلی حکم تھا تو اس صورت میں آیا یہ فقط امام اور مسلمین کے پیشواؤں کے لئے تھا یعنی یہ ایک ایسا حکم تھا جو فقط آئمہ اطہارؑ کے لئے وضع ہوا تھا یا پھر یہ حکم تمام مومنین اور مسلمین کے لئے تھا؟ ان سوالوں کے جوابات کی وضاحت کے لئے مثالیں ذکر ہونا چاہئیں، اس کے ساتھ ساتھ جہاں آئمہ صالحینؑ کے خصوصی وظیفوں یا تکالیف کا ذکر ہو وہاں پر یہ فرق بھی واضح ہونا چاہئے کہ امام کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ مسلمانوں کے سردار اور سربراہ ہونے کے حوالے سے ہیں یا امام کے صاحب مقام ولایت اور وصایت ہونے کی وجہ سے ہیں؟

معاویہ اور یزید میں فرق

امام حسین- نے مدینہ میں مروان بن حکم سے فرمایا: [وعلی الاسلام السلام اذ قد بُلیتِ الامۃ براعٍ مثل یزید] آپؑ کے اس فرمان میں ''مثل یزید'' کے کلمہ پر غور وخوض کرنا چاہئے کہ یزید میں وہ کون سی

خصوصیت تھی جو معاویہ میں بھی نہیں تھی؟ اس بارے میں ہم کچھ باتیں تو پہلے عرض کر چکے ہیں تاہم یہاں پر دو اور مقدموں کا اضافہ کرتے ہیں۔

پہلا مقدمہ :

ہمیں یہ گمان نہیں ہونا چاہئے کہ یزید اور معاویہ جس طرح کے تھے اور آج کل جس طرح ہمیں ان کی کامل شناخت حاصل ہے، اسی طرح اس زمانے کے لوگ بھی ان دونوں کو صحیح طور پر جانتے تھے (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض گزشتہ جنایتکار لوگ پارساؤں میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ کسی نے ان کو نہیں پہچانا جیسے شاہ عباس صفوی) ان دونوں وسائل اور روابط کے نہ ہونے کے باوجود امام حسین - نے یزید کی مکمل طور پر شناخت کی لیکن عام لوگ کما حقہ اس سے آگاہ نہ تھے چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ جب کچھ لوگوں کے ساتھ شام کے سفر سے واپس لوٹے تو یزید کے خلاف اس قدر متحرک ہوئے کہ بولے: ''ہم ڈر گئے کہ کہیں شام میں ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو جائے'' اس کے بعد انہوں نے اپنے آٹھ بیٹوں کے ہمراہ یزید کے خلاف مبارزہ کر کے اپنی جانیں دے دی اور شہید ہو گئے پس امام حسین - نے کچی اینٹ میں جو دیکھا وہ دوسروں کو آئینہ میں بھی نظر نہیں آتا تھا۔

دوسرا مقدمہ :

ایک خلیفہ جو خود غیر صالح انسان ہو لیکن نظام امور کو صحیح طریقے پر چلاتا ہو اور دوسرا خلیفہ جو حالِ حاضر میں ہی مسلمانوں کے مصالح کے خلاف ہو ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں جب یہ طے پایا کہ حضرت عثمان کی بیعت کی جائے تو حضرت علی - نے فرمایا:

[لقد علمتم انی احقُ الناس بها من غیری ' و واللہ لاسلمن ما سلمت امو ر المسلمین ولم یکن فیها جورٌ الا علی خاصة التماساً لأجر ذلک وفضلهِ و زُهدافیما تنا فستموه من زخرفه و زبرجه] ''تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں اور خدا گواہ ہے کہ میں اس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا

رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے تا کہ میں اس کا اجر و ثواب حاصل کر سکوں اور اس زیب و زینت دنیا سے بے نیازی کا اظہار کر سکوں جس کے لئے تم سب مرے جا رہے ہو۔'' (نہج البلاغہ خطبہ ۷۴)

امام حسینؑ کیوں شہید ہوئے اور آئمہؑ نے عزائے حسینی کے قیام کی ترغیب کیوں دی ؟

ہمیں ہمیشہ دو سوالوں کا سامنا ہوتا ہے اچھا ہے کہ ان سوالوں کے جواب پہلے سے جان لیں تا کہ خود ہمارا ذہن بھی روشن رہے اور ضرورت کے وقت جواب دینے میں بھی عہدہ برآ ہو سکیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ امام حسینؑ کیوں شہید ہوئے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ آئمہ دینؑ نے کیوں یہ حکم دیا کہ عزائے امام حسینؑ کو ہمیشہ قائم کیا جائے، جسکے نتیجے میں ہم دو مہینے محرم اور صفر میں مسلسل بلکہ ان دو مہینوں کے علاوہ بھی اپنا وقت عمر، دولت اور طاقت، یعنی ہر چیز صرف کرتے ہیں۔

پہلے سوال کے بارے میں تو بہت ساری باتیں کہی جا چکی ہیں دشمنوں کا کہنا ہے کہ امام حسینؑ حکومت حاصل کرنے کا قصد رکھتے تھے اس وجہ سے مارے گئے ان کا اپنا ایک ذاتی ہدف تھا جہاں تک نہ پہنچ سکے نادان دوست کہتے ہیں کہ آپؑ اس لئے شہید ہوئے کہ امت کے گناہ بخش دیئے جائیں امام حسینؑ کے بارے میں گویا یہ وہی بات کرتے ہیں جو نصاریٰ حضرت مسیحؑ کے بارے میں کہتے تھے بعض لوگوں نے اس واقعہ کو آسمانی اور خیالی حکم قرار دیا ہے لیکن حقیقت وہی ہے جسے خود امام حسینؑ نے پہلے روز فرمایا:

[ماخرجت اشراً و لابطراً......] یا دوسری جگہ پر فرمایا: [الاترون ان الحق لایعمل به ،وان الباطل لایتناهیٰ عنه 'لیرغب المومن فی لقاء اللہ محقاً......] یا ایک اور جگہ پر فرمایا: [ایهاالناس من رأیٰ سلطاناً جائراً......]

دوسرے سوال کا جواب یوں ہے کہ کوئی بھی تکلیف شرعی حکمت کے بغیر نہیں ہوتی، امام حسینؑ کی عزاداری کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے خاندان رسالتؐ کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا جائے یا اُنھیں تسلیت پیش کی جائے یا ذاکرین عزاء کے مطابق عزاداری جناب زہراؑ کو پرسہ دینے کیلئے ہے ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ

جتنا زیادہ گریہ کریں گے، اتنا زیادہ حضرت رسول خداؐ اور حضرت زہراؑ کو تسلی ہوگی اس صورت میں ہم نے حضرت رسول خدا ﷺ، حضرت زہرا = اور حضرت علی -کو کتنا اور کس قدر ادنیٰ تصور کیا ہے جبکہ یہ لوگ ہمیشہ شہادت کی آرزو کرتے تھے اور شہادت ہی کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ۱۳۲۰ سال گزرنے کے بعد بھی وہ لوگ نالہ وزاری اور بیتابی کے عالم میں ہیں۔

درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ عزائے حسینی کا مقصد یہ ہے کہ کربلا کی یہ داستان ایک تعلیمی اور تربیتی مکتب کی صورت میں ہمیشہ باقی رہے حقیقت میں اگر ہم پہلے سوال کا جواب صحیح طور پر دیدیں تو دوسرے سوال کا جواب بھی معلوم ہوجائے گا کتاب ''لؤلؤ مرجان'' کے صفحہ ۳ پر ''کامل الزیارۃ'' سے نقل ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے عبداللہ بن حمّاد بصری سے فرمایا:

[بلغنی ان قوما یأتونه (یعنی الحسین -)من نواحی الکوفه وناساً من غیرهم ونساء یَندُبنه وذلک فی النصف من شعبان فمن بین قارئٍ یقراء، وقاصٍ یقُصّ و نادب یندبُ، وقائل یقول المراثی. فقلت له: نعم جعلت فداکَ قدشهدت بعض ماتصف. فقال: الحمدلله الذی جعل فی الناس من یفدُ الینا ویَمدحُنا ویرثی علینا، وجعل عدونا من یطعن علیهم من قرابتنا او من غیرهم یهدّدونهم ویُقبّحونَ ما یصنعون] ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ نیمہ شعبان کو اطراف کوفہ سے ایک گروہ اور ان کے علاوہ کچھ دوسری مرد اور عورتیں امام حسینؑ کی قبر مطہر پر آکر آہ وبکا کرتے ہیں ان میں سے بعض قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور بعض حادثہ کربلا کو بیان کرتے ہیں بعض نوحہ خوانی کرتے ہیں اور بعض مرثیہ پڑھتے ہیں، میں نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان! ہاں! جو آپؑ نے بیان فرمایا میں نے بھی اس میں سے کچھ دیکھا ہے، امامؑ نے فرمایا: شکر خدا کا جس نے لوگوں میں ایسے افراد بھی قرار دیئے جو ہمارے پاس آتے ہیں، ہماری ستایش کرتے ہیں اور ہمارے لئے مرثیہ خوانی کرتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو ہمارا دشمن قرار دیا جو ان کی عیب جوئی کرتے ہیں، ان پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی

مذمت کرتے ہیں خواہ وہ ہمارے قبیلہ وخاندان سے ہوں یا غیر ہوں۔''

اسی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر نقل ہے:

[اِنَّ لقتل الحسینؑ حرارۃ فی قلوب المومنین لایُبرد ابداً] ''بہ تحقیق ابوعبداللہ الحسینؑ کی شہادت سے مومنین کے دلوں میں ایک سوزش اور حرارت ہے جو کبھی ٹھنڈی نہ ہوگی''

پس یہاں سے معلوم ہوا کہ عزائے حسینؑ کے قیام کا فلسفہ دشمن کو ڈرانا دھمکانا ہے اور اُس کے کاموں کی مذمت کرنا ہے، اس دستہ کی تعریف اور اس طرح کے کام کرنے والوں کو شوق دلانا، حوصلہ افزائی کرنا اور دوسر گروہ کی مزمت کرنا اور ان کے طریقہ پر کام کرنے والوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا ہے[1] البتہ حضرت زہراءؑ خوش تو ہوتی ہیں لیکن اس زاویئے سے کہ حضرت زہراءؑ، حضرت رسول خداؐ، حضرت علیؑ نیز حضرت امام حسینؑ کی نیت اور ہدف ایک ہی ہے ان سب کا ہدف اور مقصد ہے:

﴿یتلُوا عَلَیهِمْ آیاتِهِ ویُزکّیهِم ویُعَلّمُهُمُ الکتاب والحِکمَة﴾ ''جو ان پر آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتا ہے انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے'' (آل عمران ۱۶۴)

حضرت زہراؑ خوش ہوتی ہیں تو اس وجہ سے کہ ان کے فرزند حسینؑ کے ذکر کے وسیلے سے لوگ دنیا وآخرت میں سعادت مند ہوتے ہیں لوگ اسی راستے پر چل پڑتے ہیں جس راستے پر حسینؑ چلے تھے۔

معاویہ کے مرنے کے بعد امام حسینؑ سے بیعت طلب کی گئی آپؑ حاکم مدینہ کے گھر تشریف لے گئے اور بیعت نہ کی دوسرے دن مروان بن حکم نے ایک گلی میں امام حسینؑ کو دیکھا تو اس نے نصیحت کے طور پر امامؑ سے بیعت کرنے کو کہا، آپؑ نے فرمایا:

[وعلی الاسلام السلام اذقدبُلیتِ الاُمّة بِراعٍ مِثلِ یزید] ''جب امت یزید جیسے کی

[1] [اس پیراگراف کے حاشیہ میں استاد شہید نے لکھا ہے: آیا عزاداری کا مقصد ہمدردی اور تسلیت دینا ہے؟ یا اس کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے؟! درحالیکہ خود ثواب، اچھے اور معقول کام کیلئے ذاتی مصلحت ہوتی ہے پس ہمیں پہلے حکم کی علت میں جو ذاتی مصلحت ہے اس کو دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے تاکہ اس کے بعد ثواب کی باری آئے کہ جو حکم کی علتوں میں سے ہے]

رعیت میں ہوتو اسلام پر میرا اسلام ہو۔''

آپؑ کے اس فرمان میں "وبراع مثل یزید" کے کلمہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یزید ایک ایسی خصوصیت کا حامل ہے کہ وہ خصوصیت حتیٰ معاویہ میں بھی نہیں شیعہ عوام کے نزدیک یزید اور غیر یزید میں کوئی فرق نہیں، اس لیے کہ سب باطل اور غاصب رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے درمیان فرق ہے سب غاصب ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ انکے درمیان فرق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ جب لوگ حضرت عثمان ÷ کے ہاتھوں بیعت کرنے کے لئے تیار ہو گئے تو اس وقت امیر المومنینؑ نے فرمایا:

[لقدعلمتم انی احق الناس بهامن غیری و واللہ لأسلمن ماسلمت امور المسلمین ولم یکن فیهاجورالاعَلَیَّ خاصة التماساًلاجر ذلک وفضله و زهداًفیماتنافستموه من زخرفه وزبرجه] ''تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں اور خدا گواہ ہے کہ میں اس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے تا کہ میں اس کا اجر وثواب حاصل کر سکوں اور دنیا کی اس زیب وزینت سے اپنی بے نیازی کا اظہار کر سکوں جس کے لئے تم سب مرے جا رہے ہو۔'' (نہج لبلاغہ خطبہ۷۲)

اور حضرت ابی بکرؓ سے بیعت کے موقعہ میں فرمایا:

[شقواامواج الفتن بسفن النجاة......] "ایها الناس! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر نکل جاؤ......'' (نہج البلاغہ خطبہ۵)

پس فرق ہے دو غاصبوں کے درمیان ایک وہ غاصب جو عام لوگوں کا حافظ ونگہبان بنا ہوا ہے، مگر اپنی ذاتی مصلحت کے تحت، اور دوسرا غاصب وہ ہے جو کسی چیز کو بھی اہمیت نہیں دیتا اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یزید سارے ماسلف سے مختلف تھا۔

ہم اس سے قبل ابن زیاد اور یزید کے احوال میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس فاجعہ کی اور اس آگ کی جو سب

سے پہلے خود ان کے دامن میں لگی، علت یہ تھی کہ یزید جوان اور نا آزمودہ تھا، شاعر عرب کہتا ہے:

[ان الشباب والفراغ والجدّه مفسدةُ للمرءِ اَیُّ مَفسَدَةٍ]

''انسان کے لئے جوانی، بے کاری اور دولت وثروت بہت بڑے سبب فساد ہیں''

امام حسین - پر گریہ وزاری کرنے کا مسئلہ

سید الشہداء امام حسینؑ سے مربوط مسائل میں ایک مسئلہ آپؑ پر گریہ وزاری کا مسئلہ ہے خود رونے اور ہنسنے پر چند زاویوں سے بحث وگفتگو ہونا چاہئے:

۱۔ سب سے پہلے اس زاویہ سے کہ یہ انسان کے مختصات میں سے ایک ہے اور یہ اس کے عرض خاص [۱] میں شمار ہوتا ہے۔

۲۔ جسمی اور روحی مبادی اور علل کے زاویہ سے۔

۳۔ جسمی اور روحی آثار وعوارض کے زاویہ سے۔

۴۔ اخلاقی لحاظ سے اس پر بحث وگفتگو اور علمائے اخلاق وآداب کے اس بارے میں ثابت شدہ عقیدہ کا بیان۔

۵۔ رونے اور ہنسنے کے اجتماع پر اثرات۔

۶۔ رونے اور ہنسنے کے اقسام، آیا رونے کے تمام اقسام بُرے ہیں اور ہنسنے کے تمام اقسام اچھے، یا ایسا نہیں؟

یہ تمام رونے اور ہنسنے کے وہ مختلف زاویئے ہیں جن پر بحث وگفتگو کرنے کی ضرورت ہے، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ امام حسینؑ پر گریہ لذت بخش ہے جو انسان کے دل کو صفا اور روشنی بخشتا ہے یہاں پر امام حسینؑ کے مکتب اور ٹریجیڈی (tragedy) اور کومیڈی (comedy) کے درمیان ایک مقایسہ ہونا چاہیے، کومیڈی اور ٹریجیڈی کی فلموں کی طرف اور اُن اشعار کی طرف جو ہمارے شاعروں نے گریہ اور مدح کے باب میں لکھے ہیں ان سب کی طرف اشارہ ہونا چاہئے جیسے کہ یہ شعر:

[۱] ''غرض خاص'' ایک منطقی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی وجہ سے انسان باقی حیوانوں سے جدا ہوتا ہے (مترجم)

"""گریه بر هر دردبی درمان دواست   چشم گریان چشمه فیض خداست"""

یعنی ''ہر لاعلاج درد کا علاج رونا ہے اور روتی آنکھیں خداوند عالم کے فیض و رحمت کا چشمہ ہیں۔''

رونا اور ہنسنا انسان کے شدید ترین احساسی کیفیت کا مظہر ہے جب لوگوں کو رُلانے اور ہنسانے کی قدرت کسی کو حاصل ہو جاتی ہے تو درحقیقت وہ ان کے دلوں کا مالک ہو جاتا ہے اور پھر ان کے میل و محبت سے کھیلتا ہے انسان کے قلب کا کام عقل کے کاموں سے ہٹ کر ہے ابھی تک لوگوں کے دلوں کو عقل کے کنٹرول میں لائے بغیر اور بغیر کسی ہدف و مقصد کے امام حسینؑ پر رُلا کر کھیل کھیلا گیا ہے بلکہ تنہا ہدف رکھنا بھی کافی نہیں، نظم و نسق بھی ہونا ضروری ہے۔

مجلہ ریڈیو ایران کے شمارہ ۷۰ میں ڈاکٹر حسن علوی کا ایک علمی مقالہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اشک چشم کے بارے میں گفتگو کی ہے ہم اس کو یہاں پر نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: مگر مچھ کے آنسو جھوٹے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ڈارون نے ۱۸۹۰ء میں اپنی کتاب بعنوان ''انسان اور حیوان کے احساسات اور رنج والم''، میں لکھا ہے کہ ہاتھی احساسات کے اثر کے تحت آکر گریہ کرتا ہے لیکن اس موضوع کی کسی وجہ سے ابھی تک تائید نہیں ہوسکی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہنسنے کی بہت سی انواع و اقسام ہیں جیسے محبت میں ہنسنا، کسی کے تمسخر میں ہنسنا، خوشی میں ہنسنا، کسی چیز سے متاثر ہو کر یا غصہ میں ہنسنا، اسی طرح رونا بھی ہر وقت غم واندوہ کی وجہ سے نہیں ہوتا اور یہ تو سب کو پیش آتا ہے اور گریۂ شوق کی لذت کو تو سب ہی نے چکھا ہوگا، مناظر میں سے بہترین منظر خوشی کے آنسو ہیں، میں یہاں پر اپنی بات کو حافظ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں:

دل بسی خون به کف آورد ولی دیده بریخت   الله الله که تلف کردوکه اندوخته بود؟

''دل بہت خون بکف رہا لیکن آنکھوں نے بہادیا' اللہ اللہ! جتنا جمع کیا تھا سب تلف کردیا۔''

کتاب 'کلیلہ ودمنہ'' میں ایک عرب شاعر کہتا ہے کہ: اگر آنسو نہ ہوتے تو ''وداع'' کی سرزمین پر آگ لگ جاتی، سعدی کہتا ہے: ''بگذار تا بگریم چون.....'' یعنی ''مجھے چھوڑ دو تا کہ میں رولوں.....''

حافظ کہتا ہے:

دل سنگين تورا اشك من آورده به راه   سنگ راسيل تواندبه لب دريا بُرد

''میرے آنسو تمہارے سنگین دل کو راہ پر لے آئے، پتھر کو سیلاب دریا کے کنارے لے جاسکتا ہے۔''

تحریف کلمہ اور تحریفِ حادثۂ امام حسینؑ

......امام حسینؑ کا حادثہ تحریفِ ظاہری، لفظی اور پیکری کا بھی شکار ہوا اور دوسری طرف اس میں معنوی، عقلی اور باطنی تحریف بھی ہوئی ہے، ان مباحث پر بھی مفصل گفتگو ہوسکتی ہے اس بارے میں اسی کتاب میں ''کربلا کے تاریخی واقعہ میں تحریفات کی یادداشت'' کے عنوان سے بحث ہوئی ہے اِس عنوان پر کتاب کی جلد اول میں بھی بحث چھپ چکی ہے۔

امام حسینؑ نے خلفاء اور اسلام کے مقابل قیام کرنے کے درمیان تجزیہ کیا

قیامِ حسینیؑ کا اثر:

اباعبداللہ- کے قیام کے بزرگ ترین آثار میں سے ایک اثر یہ ہے کہ آپؑ نے خلفاء کے مقابل قیام کرنے اور اسلام کے مقابل میں قیام کے درمیان تجزیہ وتحلیل کیا، جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اگر امام حسینؑ یزید کے مقابل میں قیام نہ کرتے تو ممکن تھا کہ یزید کے سیاست نہ جاننے اور اس کے بُرے کاموں کی وجہ سے وہ لوگ جو اسلام سے کچھ بھی عشق وعلاقہ نہیں رکھتے تھے، یزید کے خلاف قیام کرتے، اگرچہ ہمیں تاریخ اسلام میں بہت سے ایسے قیام نظر آتے ہیں جو دستگاہ خلفاء کے مقابل میں ہوئے ہیں لیکن خلفاء کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کی حمایت کا پہلو بھی رکھتے ہیں، مثلاً بنوامیہ کے خلاف ایرانیوں کا قیام، لیکن ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ یہ امام حسینؑ تھے جنہوں نے پہلی بار ایک مسلح جماعت کی معیت میں خلافت کے مقابل قیام فرمایا، آپؑ کی ذات تھی کہ جس نے اسلام کو حکمران ٹولے سے جدا کر دیا بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دستگاہ حکومت کے خلاف قیام کرنے کا راستہ کھول دیا، آپؑ کا یہ قیام دوسروں کے لئے نمونہ اور دستورِ عمل بن گیا، نیز یہ کہ خلیفہ کا ہمیشہ اپنے آپ کو اسلام کے حامی کے عنوان سے پیش کرنے کا تاثر نقش باطل قرار پا گیا اور وہ

اسلام کا حزب مخالف بن کر سامنے آ گیا۔

امام حسینؑ کے قیام سے پہلے بھی فردی یا اجتماعی قیام ہوتے رہے ہیں لیکن وہ تمام قیام یا مسلح اور فردی قیام تھے یا پھر غیر مسلح گروہ کی صورت میں تھے، مسلح اور اجتماعی انقلاب وشورش کا آغاز بہر حال امام حسینؑ نے کیا (حضرت عثمانؓ کے خلاف جو قیام ہوا تھا' وہ بھی ایک لحاظ سے اسلام اور خلافت کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی نوعیت کا تھا)۔

اِن دنوں خلافت ایک عالی ترین سیاسی اور روحانی مقام سمجھا جاتا تھا جیسا کہ معروف ہے کہ خلفائے عباسی نے کسی ہدف تک اپنے روحانی مقام کی حفاظت کی، خلفائے جبّار کے اس روحانی مقام کو آخری بار جس شخص نے شکست دی اور پھر اس کو بلند ہونے نہیں دیا، وہ خواجہ نصیرالدین طوسی تھے، جو بہت بڑے شیعہ عالم ہیں آپ ہلاکو بادشاہ کے شریک کار رہے تا کہ خلافت کی جبار دستگاہ کو اسلام کے درمیان سے ہٹا دیں، لیکن سعدی مقام خلافت کے مرثیہ میں کہتا ہے:

آسمان راحق بود گرخون ببارد برزمین　　　ازبرأی قتل مستعصم امیرالمومنین

''امیرالمومنین مستعصم کے قتل پر آسمان کو حق ہے کہ زمین پر خون برسائے۔''

اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ حتیٰ شیخ سعدی بھی مقام خلافت کے روحانی جلال کے زیر اثر تھے۔

حادثہ کربلا کے دو چہرے

﴿واذقال ربک للملائکة انی جاعلٌ فی الارض خلیفةً قالوا أتجعلُ فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبِّحُ بحمدک ونقدّس لک .قال انی اعلمُ مالا تعلمون﴾ ''اے رسولؐ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں اور انہوں نے کہا کہ کیا اسے بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا، جبکہ ہم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں، تو ارشاد ہوا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' (بقرہ/۳۰)

انسان کی زندگی تاریکی اور روشنی، بدنمائی اور زیبائی، اچھائی اور برائی کا ایک مجموعہ ہے جس کو فرشتوں نے دیکھا تھا وہ ابن آدمؑ کا تاریک پہلو تھا اور جس کی طرف خدا نے اشارہ کیا، وہ ابن آدمؑ کا روشن پہلو تھا، جو تاریک پہلو پر بہت زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔

حادثۂ کربلا کے دو ورق ہیں، سیاہ ورق اور سفید ورق، سیاہ ورق پر ایک بہت بڑی جرم وجنایت کی داستان ہے ایک بہت زیادہ تاریک اور وحشتناک واقعہ ہے ہم آگے چل کر بے رحمی، قساوت قلبی، پستی اور نامردی کے تقریباً بیس (۲۰) مظاہر کی نشاندہی کریں گے جو اس واقعہ میں انجام پائے اس زاویہ سے بے رحمی، قساوت قلبی اور درندگی کی آخری حد، اس واقعہ میں نظر آتی ہے۔

سفید ورق پر ایک ملکوتی داستان ہے، ایک انسانی حماسہ ہے یہ ورق آدمیت، عظمت، صفا، بزرگی اور فداکاری کا مظہر ہے۔

پہلے ورق کے لحاظ سے یہ واقعہ ایک غم واندوہ ناک واقعہ ہے اور دوسرے ورق کے لحاظ سے یہ ایک پاک اور مقدس قیام ہے اس واقعہ کے تاریک پہلو کے لحاظ سے اس کے قہرمان شمر، ابن زیاد، حرملہ، عمر سعد.....وغیرہ ہیں اور اس کے روشن پہلو کے لحاظ سے اس واقعہ کے قہرمان امام حسینؑ ہیں، ابوالفضل العباس، علی اکبرؑ، حبیب ابن مظاہرؓ، زینب کبریٰؑ، اُم کلثومؑ، ام وہبؓ اور ان کی مثل دوسری شخصیات ہیں پہلے زاویہ کے اعتبار سے یہ واقعہ اس قابل نہیں کہ ۱۳۲۰ سال سے زیادہ عرصہ کے بعد بھی اس عظمت اور صمیم قلب کے ساتھ اس کے ذکر کی تجدید ہوتی رہے اور وقت، دولت، اشک اور احساسات اِس پر صرف ہوں، اس لحاظ سے نہیں کہ ہم ایک ظلم وجنایت کے واقعہ سے استفادہ نہیں کر سکتے (ممکن ہے انسانی زندگی کے منفی پہلو سے بھی سبق لیا جا سکتا ہو، چنانچہ لوگوں نے لقمان سے پوچھا: ''تم نے ادب کس سے سیکھا''؟ جواب دیا: ''بے ادبوں سے'') اور نہ اس زاویئے سے کہ ظلم وجنایت کی یہ داستان زیادہ اہم نہیں یا کوئی سبق آموز داستان نہیں، چنانچہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ داستان اس زاویہ سے بھی اہم ہے اور بھی بتا چکے ہیں کہ وفات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ۵۰ سال بعد خود مسلمانوں بلکہ شیعوں کے ہاتھوں امام حسینؑ کا شہید ہونا ایک نہایت ہی قابل توجہ معمّا ہے بلکہ

اس واقعہ کا ظلم وجنایت کا پہلو اسی لیے قدر واہمیت دینے کے قابل نہیں ہے کہ ایسے واقعات مختلف شکل وصورت میں بہت زیادہ ہوئے ہیں، قرن اول، قرن دوم، قرن جدید اور خود ہمارے زمانے میں بھی ایسی جنایت کی بہت داستانیں گزری ہیں، چند سال قبل یعنی ۱۹۴۰ عیسوی میں ایک شہر پر بم گرا کر اس شہر کے ۶۰ ہزار چھوٹے، بڑے بے گناہ افراد مارے گئے، دنیا کے شرق وغرب میں جنایتی واقعات بہت ہو چکے ہیں اور اب بھی واقع ہوتے رہتے ہیں مثلاً نادر شاہ ایک جنایتکا قہرمان ہے، اسی طرح ابو مسلم، بابک خرم دین، صلیبی جنگیں اور اندلس کی جنگیں جنایت بشر کے عظیم مظہر ہیں۔

لیکن واقعہ کربلا نے دوسرے پہلو یعنی سفید ورق کے لحاظ سے بے پناہ قدر وقیمت پیدا کی ہے اسی وجہ سے یہ واقعہ اس زاویے سے اپنا نظیر کم رکھتا ہے بلکہ بے نظیر ہے دنیا میں امام حسینؑ سے بھی افضل لوگ گزرے ہیں لیکن امام حسینؑ کی طرح کا کارزار اُنھیں پیش نہیں آیا، امام حسینؑ رسمی طور پر اپنے اصحاب اور اہل بیتؑ کو بہترین اصحاب اور بہترین اہل بیتؑ شمار کرتے ہیں۔

ہمیں اس واقعہ کے روشن اور نورانی پہلو پر بحث وگفتگو اور تحقیق کرنا چاہئے اس واقعہ پر اسلئے گفتگو ہونا چاہئے کہ یہ واقعہ آیت کریمہ: ﴿انی اعلم مالاتعلمون﴾ کا مصداق ہے اسلئے نہیں کہ یہ واقعہ آیہ: ﴿ومن یفسدفیھا ویسفکُ الدماء﴾ کا مصداق ہے اس زاویہ سے اس پر بحث وگفتگو ہونا چاہئے کہ اس کے قہرمان امام حسینؑ اور زینبؑ کبریٰ ہیں اس زاویہ سے نہیں کہ عمر سعد اور شمر اس واقعہ کے قہرمان ہیں (بنت الشاطی نے ''بطلۃ کربلا'' کے نام سے ایک بہت خوب کتاب لکھی ہے)۔

عواملِ نہضتِ امام حسین-

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ امام حسین- نے کیوں قیام کیا؟

امام حسینؑ کے قیام میں چند عوامل پر نظر رکھنا چاہئے:

الف۔ معاویہ امام حسینؑ سے یزید کی خلافت کے لئے بیعت اور دستخط چاہتا تھا اس بیعت اور دستخط کرنے

کے کیا اثرات اور لوازم تھے؟ ابوبکرؓ یا عمرؓ یا عثمانؓ کی بیعت کرنے یا معاویہ کے ساتھ صلح کرنے اور یزید کے ہاتھوں بیعت کرنے میں کیا فرق تھا؟ عقاد کے بقول اس بیعت کا اولین اثر حضرت علیؑ پر سب ولعن کے عمل (جو معاویہ کے زمانہ میں شروع ہوا تھا) پر دستخط ثبت کرنے اور دوسری طرف یزید کے ولیعہد اور خلافت کا وارث ہونے پر دستخط ثبت کرنے کے مترادف تھا۔

ب۔ خود امامؑ نے فرمایا: اسلام میں ایک اصول ہے جس کے مطابق ظلم اور فساد کے مقابل میں سکوت اختیار نہیں کرنا چاہئے اور وہ اصول امر بہ معروف اور نہی از منکر ہے، خود آپؑ نے پیغمبر اکرمؐ سے روایت کیا: [من رائ سلطاناًجائراًمستحلاًلِحُرمِ اللہ......] اور یہ بھی فرمایا: [الاترون انّ الحق لایعمل بہِ......]

ج۔ اہل کوفہ نے آپؑ کو دعوت دی، آپؑ کے نام خطوط لکھے اور جناب مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھوں اٹھارہ (۱۸۰۰۰) ہزار افراد نے بیعت کی ہمیں یہاں دیکھنا چاہئے کہ آیا امامؑ کے اس قیام کا اصلی عامل اہل کوفہ کی دعوت تھی یعنی اگر ان کی دعوت نہ ہوتی تو آپؑ کبھی بھی قیام یا مخالفت نہ کرتے، اس کے ہاتھوں (نعوذ باللہ) بیعت کر لیتے؟ یہ تمام باتیں امام حسینؑ کے عقیدہ اور رائے کے خلاف تھیں اور آپؑ قطعاً ایسا نہ کرتے، تاریخ بتاتی ہے کہ جب کوفہ میں امام حسینؑ کے بیعت سے امتناع کی خبر پہنچی تو اہل کوفہ جمع ہوئے سب نے آپس میں عہد کیا اور دعوت نامہ لکھا، پہلے ہی روز جب مدینہ میں آپؑ سے بیعت طلب کی گئی بلکہ معاویہ نے جب اپنی حیات میں ہی آپؑ سے یزید کے لئے بیعت طلب کی تو امام حسینؑ نے انکار کر دیا، یزید کی بیعت کرنا اس کی حکومت کو صحیح تسلیم کرنے کے مترادف تھا، جس کا لازمہ اسلام کی نابودی پر امضا (مُہر ثبت کرنا) تھا۔

[وعلَی الاسلام السّلام اذقدبُلیتِ الامۃُ براعٍ مثلُ یزید] پس بیعت سے انکار کا موضوع خود اصول پر مبنی تھا امام حسینؑ حاضر تھے کہ شہید کر دیئے جائیں مگر بیعت نہیں کرینگے کیونکہ بیعت کرنے میں جو خطرہ تھا اس کا رخ اسلام کی طرف تھا، نہ کہ خود امامؑ کی ذات کی طرف

بلکہ اس خطرہ کا رخ اسلام کی اساس یعنی حکومت اسلامی کی بنیاد تھا اور یہ ایک جزئی اور قابل تقیہ مسئلہ نہیں تھا۔

لیکن اس قیام کا دوسرا موضوع (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) اپنی جگہ اصول پر مبنی تھا اس اصول میں اس پہلو کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ آیا وہاں پر امر بہ معروف اور نہی از منکر کے شرائط یعنی تبلیغ سے اثر ہونے اور اس سے کسی نتیجہ کا احتمال تھا بھی یا نہیں؟ خود امام حسینؑ کے فرمودات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ اس بات کی طرف متوجہ تھے کہ آپؑ کے بعد آپؑ کا خون انقلاب لائے گا اور آپؑ کی شہادت سے لوگ خواب غفلت سے بیدار ہونگے پس آپؑ کی شہادت مؤثر تھی، آپؑ کے فرمودات یہ ہیں:

[ثُمَّ ایُم اللہ لاتلبَثُون بعدھاالاکریثمایُرکب الفرس حتی تدوربکم دورالرَّحیٰ وتقلق بکم قلق المحور] ''پھر خدا کی قسم! اس کے بعد تم اتنی ہی دیر رہ سکو گے جتنی دیر گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے یہاں تک کہ چکی کی گردش تم کو گردش دے گی اور پیس ڈالے گی۔''

یا ''ریاش'' کے نقل کے مطابق کسی شخص کے جواب میں فرمایا:

[ان ھولاء اخافونی وھذہ کتب اھل الکوفہ وھم قاتلی فاذافعلواذالک ولم یدعواللہ محرماالاانتھکوہ بعث اللہ الیھم من یقتلھم حتی یکونوااذل من قوم الامۃ .(فرام الامۃ)] ''ان لوگوں نے مجھے ڈریا ہے یہ اہل کوفہ کے دعوت نامے ہیں، یہی میرے قاتل ہیں مجھے قتل کرنے کے بعد پھر یہ کسی حرمت کی ہتک سے گریز نہیں کرینگے، خداوند عالم ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کردیگا جو انہیں قتل کردینگے یہانتک کہ وہ خرقۂ حیض سے بھی زیادہ ذلیل تر ہو جائینگے۔''

اسی طرح کا جملہ اپنے اہل بیتؑ سے دوسری وداع کرتے وقت فرمایا:

[استعدوالبلاء واعلمواان اللہ خافظکم ومنجیکم من شرالاعداء ویعذب اعادیکم بانواع البلاء] ''تم لوگ ہر قسم کی مصیبتوں کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور یہ جان لو کہ

خدا تم سب کا حافظ اور مددگار ہے اور وہی تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا اور وہی تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔''

لیکن یہ تیسرا عامل بس اسی قدر مؤثر تھا کہ ان کے خطوط سے امامؑ کوفہ کی طرف متوجہ ہوئے لیکن اگر کوفہ نہ گئے ہوتے تو کیا آپؑ کے لئے کوئی امن وامان کی جگہ تھی؟ اگر امامؑ مکہ یا مدینہ میں رہتے تو وہاں بھی آپؑ کو خطرہ لاحق تھا کیونکہ آپؑ یزید کی بیعت سے انکار کر چکے تھے اس کے علاوہ یزید کی خلافت پر معترض بھی تھے امام حسینؑ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ حرم خدا میں شہید کئے جائیں، اسی طرح شاید حرم نبویؐ میں بھی شہید ہونا پسند نہیں کرتے تھے امام حسینؑ نے وسطِ راہ میں اصحاب حر ریاحی سے جو فرمایا تھا اور عمر سعد نے ابن زیاد کے نام جو خط لکھا تھا اس سے بھی پتہ چلتا ہے اور خود آپؑ نے کربلا میں بھی یہی فرمایا تھا کہ اگر تم لوگ میرے آنے پر راضی نہیں ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔''

آپؑ کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ اہل کوفہ کی دعوت کوفہ آنے کی وجہ ضرور بنی لیکن ان کے خطوط کی وجہ سے آپؑ نے قیام نہیں فرمایا اسی وجہ سے آپؑ نے فرمایا اگر تم لوگ راضی نہیں ہو تو میں کوفہ سے واپس چلا جاؤں گا اور یہ نہیں فرمایا کہ اب جب کوفہ کے لوگ پشیمان ہوئے ہیں اور انہوں نے وعدہ شکنی کی ہے تو میں بیعت کروں گا یا یزید کی خلافت کے بارے میں جو اعتراض کیا تھا، اس کو واپس لے لوں گا اور خاموش رہوں گا، اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ کوفہ والوں کے خطوط نے فقط آپ کو کوفہ کی طرف متوجہ کیا تھا، ورنہ خطوط قیام کا سبب نہیں تھے یہاں کچھ مسائل ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے:

۱۔ معاویہ کے مرنے سے پہلے ہی اہل مدینہ خصوصاً امام حسین۔کے بیعت سے انکار کا مسئلہ مورد بحث تھا آپؑ نے بہت درشت لہجے میں معاویہ کے خط کا جواب دیا تھا اور اس میں یزید کی ولیعہدی کے موضوع پر اعتراض اور انتقاد فرمایا تھا (اس سلسلہ میں کتاب ''سرمایہ سخن'' اور ''ابوشہداء'' سے رجوع کریں)۔

۲۔ یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ اسلام میں ایک بہت بڑی بدعت تھی یہ نقشہ بنوامیہ نے ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ پہلے کھینچا تھا ابوسفیان نے حضرت عثمانؓ کے گھر میں کہا تھا:

تلقفوھا تلقف الکُرۃ ولتصیرن ....اماوالذی یحلف بہ ابوسفیان لاجنۃ و لانار ''جو کچھ بھی ہے وہ حکمرانی' سلطنت اور فرمانروائی ہے، حق وحقیقت اور جنت وجہنم کچھ بھی نہیں، اس گیند کو اپنے میدان سے خارج نہ ہونے دو، ایک دوسرے کو پاس دیتے رہو اور اس کو موروثی قرار دے دو۔''

چنانچہ اس لحاظ سے یہ ایک فوق العادہ مہم تھی، یہ نہ تو کسی شوریٰ یا عمومی رائے سے منطبق ہوئی تھی اور نہ ہی حکم الٰہی کا یہاں کوئی دخل تھا، پس یہاں منشاء فقط باپ کا بیٹے کو منصب پر نصب کرنا تھا۔

۳۔کسی کا خلیفہ ہونے کو تسلیم کیا جانا اس وقت جواز رکھتا ہے کہ جب اختلاف دوسرے فرد کی اصلحیت کی بنیاد پر ہو لیکن جہاں غیر صالح فرد تمام امور مسلمین کو اسلامی مدار اور محور پر چلا رہا ہو، وہاں یہ مورد جواز نہیں ہوتا، جیسا کہ امام علیؑ نے فرمایا:

[واللہ لاسلمن ماسلمت امور المسلمین ولم یکن فیھا جور الاعلیّ خاصۃ]

''اور خدا گواہ ہے کہ میں اسوقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے'' [نہج البلاغہ خطبہ ۷۴]

۴۔بیعت، عقد ہوتا ہے یہ خرید و فروخت، کرایہ پر لینا یا دینا اور نکاح کے عقد کی طرح عہد آور ہوتا ہے جب کسی کے ہاتھوں بیعت کی جاتی ہے تو اس پر ڈٹا رہنا بھی لازم ہوتا ہے اور پھر یہ توڑی نہیں جاسکتی حضرت علیؑ نے فرمایا: ''کسی کافر کے ساتھ بھی کیا ہوا کوئی عہد توڑنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر ایسا کریں تو امان باقی نہیں رہتا''

۵۔خلیفۂ وقت اگر منحرف ہوجائے تو اس پر اعتراض کرنے کا مسئلہ اگرچہ یہ اس کے معزول ہونے کا سبب بھی ہو، اسلام میں خود ایک مسئلہ ہے، جو امر بہ معروف اور نہی از منکر کے نام سے معروف ہے امام حسینؑ نے مکرراً اپنے قیام اور نہضت میں اس اصول سے استناد فرمایا ہے، اس اصول کی شرط یہ نہیں ہے کہ کسی کا خون بہایا نہ جائے، اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا انتہائی نتیجہ اسلام کے نفع میں ہو

جیسے کفار سے جہاد ہے۔

۶۔کوفہ والوں کا امام حسینؑ کو دعوت دینا اور ان لوگوں کا اتمام حجت کرنا، خود ایک جداگانہ بحث ہے امام عالی مقامؑ نے بھی اس پر بہت عاقلانہ اور مدبرانہ طور پر عمل کیا سب سے پہلے تو ان کے خطوط کے جواب دیئے چند دفعہ وفود کی آمد و رفت ہوئی اس کے بعد آپؑ نے اپنا نمائندہ ان کی طرف بھیجا، حضرت مسلم بن عقیلؑ بھی علوی سیاست بروئے کار لائے یعنی لوگوں سے مکر و فریب کئے بغیر یا ان کو غفلت میں رکھے بغیر صراحت کے ساتھ پیش آئے نہ لوگوں سے کوئی رقم لی اور نہ ہی رؤسا میں کوئی رقم تقسیم کی جناب مسلمؑ کی پوری سیاست میں کہیں نہیں ملتا کہ ہدف کو وسیلہ پر قربان کیا ہو، امامؑ عالی مقام کہ جن کا بیعت سے انکار قطعی تھا اسی طرح اس پر تصمیم اعتراض بھی قطعی اور یقینی تھا ان لوگوں کو آپؑ نے مثبت انداز میں جواب دیا۔

امام حسین۔ کے عین ایام حج میں مکہ سے حرکت کرنے کی ایک علت تو یہ تھی کہ آپؑ کیلئے فائدہ اٹھانے کا یہ بہت اچھا موقع تھا۔ اور دوسری علت یہ تھی کہ آپؑ کو ایک بہت بڑا خطرہ درپیش تھا حرکت کے لئے یہ مفید موقع تھا اس لئے کہ آٹھ ذی الحجہ کو سب لوگ عازم عرفات اور اعمال حج انجام دینے میں مشغول تھے آپؑ کا یہ عمل مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کیا اہم مسئلہ پیش آیا کہ فرزند پیغمبرؐ اعمال حج کو انجام دینے سے منصرف ہوگئے اور دوسری جانب چلے گئے آپؑ کا یہ عمل موقعیت کے لحاظ سے اصطلاح میں اعلیٰ تھا جہاں تک دوسری علت کا تعلق ہے کہ آپؑ کو خطرہ تھا، اعمال حج کے دوران آپؑ کو مارے جانے کا خطرہ لاحق تھا کتاب ''سرمایہ سخن'' سے نقل کے مطابق عمرو بن سعید بن العاص ایک فوجی دستے کے ساتھ اس کام پر مامور ہوا کہ امام حسینؑ کو مکہ ہی میں شہید کردے خود امامؑ نے فرزدق سے فرمایا: ''اگر میں مکہ سے باہر نہ آتا تو مجھے شہید کردیا گیا ہوتا'' کتاب ''منتخب طریحی''، میں لکھا ہے کہ تیس (۳۰) افراد کو خفیہ پر مامور کیا گیا تھا کہ امام حسینؑ کو اعمال حج کے دوران قتل کر ڈالیں اور بعد میں یہ ظاہر کریں کہ ذاتی دشمنی اور تنازعہ کی وجہ سے آپؑ

قتل کئے گئے یا یہ کہیں کہ سعد بن عبادہ کی طرح جنوں نے آپؑ کو مارا ہے پس جو بھی ہو، اگر اہل کوفہ کی دعوت نہ ہوتی، تب بھی موسم حج میں جواز دحام ہوتا ہے اس کی آڑ میں آپؑ کو شہید کئے جانے کا خطرہ یقینی تھا اس وجہ سے آپؑ یہ مصمم ارادہ کر چکے تھے کہ ایام حج میں مکہ میں نہیں رہنا ہے، حالتِ احرام میں آپؑ اسلحہ تو ساتھ رکھ نہیں سکتے تھے اور اس کے علاوہ بیت اللہ کی بڑی توہین اور بے حرمتی بھی تھی کہ وفات پیغمبرؐ کے پچاس (۵۰) سال بعد فرزند پیغمبرؐ کو "وَمَنْ دخله کان آمناً" کے احاطہ میں شہید کر دیا جائے۔

پس بنا براین امام حسین۔ کی نظر میں اس وقت مکہ سے نکل کر کسی دوسری جگہ جانا ضروری تھا اگر ہم اہل عراق کی دعوتوں سے صرف نظر بھی کریں، تب بھی امام حسینؑ کے لئے کوفہ سے بہتر کوئی دوسری جگہ نہیں تھی۔

۷۔ امام حسینؑ کو دوسرے عامل کے لحاظ سے یعنی امت اسلامی کی اصلاح کے وظیفہ کو امام حسینؑ کو انجام دیتے ہوئے اپنی شہادت مفید نظر آ رہی تھی آپؑ احساس کر رہے تھے کہ یہ ایسا موقع ہے کہ اگر شہید ہو جائیں گے تو ضائع اور تلف نہیں ہونگے۔

ہم اس مطلب کو زیادہ جامع اور کامل صورت میں بیان کر سکتے ہیں کربلا کے حادثہ میں چند جہات ہیں:

۱۔ تنہا امام حسینؑ کی شخصیت خلافت کے لائق منصوص من اللہ اور وارث تھی یزید نالائق اور غاصب تھا خلفائے وقت سے امام حسینؑ کی وضع اور آپؑ کے پدر اور فرزندان کی وضع یکساں تھی ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ فقط اس لحاظ سے امامؑ کے اوپر کیا وظائف مترتب ہوتے تھے۔

۲۔ وہ لوگ امامؑ سے بیعت لینا چاہتے تھے اور کسی بھی صورت میں اس سے صرف نظر کرنے کو تیار نہ تھے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ خود "بیعت" کیا ہے اور یہ کیا اثرات رکھتی ہے اور جب انہوں نے بیعت لینا چاہی تو امامؑ کا کیا وظیفہ تھا؟

۳۔ اس وقت احکام اسلامی اور اجرائے حدود الٰہی کے لحاظ سے اوضاع واحوال مسلمین بہت خراب

ہو چکے تھے اسلام کے اصلی اصولوں کے ساتھ کھیل کھیلا جا رہا تھا یہاں اس بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ "امر بہ معروف" کا جو حکم ہے جس سے خود امامؑ بار بار استناد کرتے تھے اس کے مطابق امامؑ کے کیا وظائف تھے؟

۴۔ کوفہ کے لوگوں نے امامؑ کو دعوت دے دی اور ایک قسم کی اتمام حجت کر لی اب ان کی یہ دعوت امامؑ پر کیا وظیفہ عائد کرتی تھی؟

۵۔ یزیدیوں نے آخر میں امامؑ کو دو چیزوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا تھا یا تسلیم ہو جائیں یا پھر شہید ہو جائیں اس لحاظ سے امامؑ پر کیا وظیفہ عائد ہوتا تھا؟

جہاں تک امامؑ کی خلافت کے لئے حقدار ہونے کی بات ہے تو اگر اس بات کے ساتھ کوئی دوسری شرط نہ ہو یعنی فقط ایک شخص نے اپنی جگہ بدل لی ہو اور غیر حقدار آ کر بیٹھ گیا ہو، تو حق دار اور غیر حقدار میں جس قدر تفاوت ہے اس لحاظ سے یزید خلافت کیلئے سزاوار ہونے کے حق سے کوسوں دور ہے (امام حسینؑ کے مقابل یزید کی خلافت حقدار اور غیر حقدار ہونے کے تناسب سے بھی باہر ہے) اس بحث کا لازمہ یہ ہے کہ آیا خلیفہ اصلح ہونا چاہئے یا غیر اصلح بھی کافی ہے؟

ایسی صوت میں امامؑ کا وظیفہ فقط اپنے حق کا مطالبہ کرنا ہے اگر اعوان وانصار کافی تعداد میں موجود ہوں تو قیام کریں، وگرنہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں جیسا کہ حضرت علیؑ نے ابوبکرؓ کی خلافت کے موقعہ پر فرمایا:

[افلح من نهض بجناح او استسلم فاراح] "کامیاب وہ ہے جو اگر اٹھے تو بال و پر کے ساتھ اٹھے ورنہ کرسی کو دوسروں کے حوالے کر کے اپنے کو آزاد کرے" (نہج البلاغہ خطبہ ۵)

اور عثمانؓ کی خلافت کے موقعہ پر فرمایا:

[واللہ لاسلمن ماسلمت امور المسلمین ولم یکن فیها جور الا علی خاصة]

حضرت علیؑ اپنے زمانہ کے خلفاء کی عدالتی، سیاسی اور علمی مسائل میں انکی ہمکاری کرتے تھے یعنی ان کو مشورہ دیتے، موقعہ کی مناسبت سے ان کی تائید کرتے اور انہیں تقویت پہنچاتے تھے، چنانچہ مولاؑ کے بتائے ہوئے

فیصلے مشورے اور علمی جوابات مشہور ہیں۔

یہاں ہمیں دیکھنا چاہئے کہ معاشرہ کے تمام لوگوں کے افکار اجمالاً کیا فیصلہ کرتے ہیں اگر لوگ جہالت اور عدم تشخیص (امام کو نہ پہچاننے) کی وجہ سے امام حق کو نہ چاہتے ہوں تو زور اور طاقت کے ذریعے ان لوگوں پر خدا کے احکام کو نہیں لادا جاسکتا ہے اسی وجہ سے بیعت کرنا لازمی ہے۔

دوسرا سوال کہ بیعت کیا ہے؟ ہم نے بیعت کی جو تعریف نکالی ہے وہ وہی ہے جو ''نہایۃ'' میں ابن اثیر نے مادّہ ''بیع'' میں ہے کہتے ہیں:

[وفی الحدیث :الا تبایعونی علی الاسلام هو عبارة عن المعاقدة علیه والمعاهدة، کانّ کل واحد منهما باع ماعنده من صاحبه واعطاه خالصة نفسه وطاعته و دخیلة امره] ''اسلام کے ساتھ معاہدہ اور عقد باندھنے کو بیعت کہتے ہیں بیعت میں طرفین میں سے ایک اپنی تمام دارائی کو دوسرے کے لئے بیچ دیتا ہے اور خلوص نفس، اطاعت اور اپنے داخلی و باطنی امور کو بھی اس کے سپرد کردیتا ہے۔''

بیعت فقط حاکم اور سلطان کے لئے ہوتی ہے، دو دوست آپس میں رفاقت کا جو عہد و پیمان کرتے ہیں اسے بیعت نہیں کہتے یعنی بیعت میں ایک طرف سے کلی طور پر دوسرے کے سامنے تسلیم ہونا ہے (تفصیل کیلئے ''کشاف'' اور ''مجمع البیان'' سے رجوع فرمائیں)۔

قرآن کریم میں بھی بیعت کا ذکر آیا ہے:

﴿لقد رضی الله عن المومنین اذیبایعونک تحت لشجرة﴾ ''یقیناً خدا صاحبان ایمان سے اس وقت راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کررہے تھے'' (الفتح ۱۸)

اور دوسری جگہ پر ارشاد ہوا:

﴿اذا جائک المومنات یبایعنک علی ان لایشرکن بالله ولایسرقن ولایزنین ولایقتلن اولادهن﴾ ''اگر ایمان لانے والی عورتیں آپ کے پاس اس امر پر بیعت کرنے

کے لئے آئیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہیں بنائیں گی اور چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔'' (ممتحنہ/۱۲)

پیغمبر اسلام ﷺ نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کے لئے بیعت لی ''**لیلة العقبة**'' میں اہل مدینہ نے نبی اسلامؐ کی بیعت کی، سقیفہ میں لوگوں سے بیعت لی گئی اور اسی بیعت نے کام تمام کردیا لوگوں نے متوجہ ہونے کے بعد بھی اپنی اس بیعت کو نہیں توڑا، حضرت علیؑ نے زمان خلاف میں لوگوں سے بیعت لی، زبیر بعد میں پشیمان ہوئے تو کہا: میری بیعت ظاہری تھی نہج البلاغہ خطبہ ۸ میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

[یزعم انه قد بایع بیده ولم یبایع بقلبه فقد اقر بالبیعة وادعی الولیجة فلیات علیها بامر یعرف والا فلیدخل فیما خرج منه] ''زبیر کا خیال ہے کہ اس نے صرف ہاتھ سے میری بیعت کی ہے لیکن اس کا دل اس سے ہم آہنگ نہیں ہے اپنی بیعت کا تو اقرار کرتا ہے اور بے دلیل دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا باطن موافقت نہیں رکھتا ہے لہٰذا اسے اس کی واضح دلیل فراہم کرنی پڑے گی، ورنہ جس بیعت سے وہ نکل گیا ہے اسمیں داخل ہوجائے گا۔''

امامؑ نے خطبہ میں بیعت توڑنے کے اصول کی رو سے زبیر کے خلاف استدلال کیا ہے بہرحال امامؑ یہاں پر بیعت کو ایک لازمہ کے طور پر بیان کرتے ہیں اسی طرح آپؑ نے نہج البلاغہ خطبہ ۳۴ میں فرمایا:

[ان لی علیکم حقاً، ولکم علیّ حق، فاما حقکم علیّ فالنصیحة لکم، وتوفیر فیئکم علیکم وتعلیمکم کیلا تجهلوا، وتادیبکم کیما تعلموا (تعملوا)[1] و امّا حقی علیکم فالوفاء بالبیعة و النصیحة فی المشهد والمغیب والاجابة حین ادعوکم والطاعة حین امرکم] ''میرا تم پر ایک حق ہے نیز تمہارا مجھ پر ایک حق ہے تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہاری خیرخواہی اور غمخواری کروں اور بیت المال میں جو کچھ ہے بغیر کم و کاست تم تک پہنچادوں اور تمہیں تعلیم دوں تاکہ تم نادان نہ رہ جاؤ اور تمہیں ادب سکھاؤں تاکہ

[1] [ابن میثم نے ''تعلموا'' کی جو شرح کی ہے وہ درست ہے]

جانو اور عمل کرو، اور میرا تم پر حق یہ ہے کہ تم اپنی بیعت سے وفادار رہو اور میری موجودگی اور غیر حاضری، ہر حال میں خیر خواہ رہو جب پکاروں تو لبیک کہو اور جب حکم دوں تو اسے بجالاؤ۔''

اسی لئے اصحاب جمل ''ناکثین'' (یعنی بیعت توڑنے والے) کے نام سے معروف ہوئے، امام زمانؑ کے بارے میں ہے کہ وہ غیب میں اسلئے گئے تاکہ انؑ کی گردن پر کسی کی بیعت نہ رہے۔

امام زادگان اور وہ تمام لوگ جو خلفاء کے خلاف قیام کرنا چاہتے تھے؛ جیسے محمد نفس زکیہ اور زید بن علی وغیرہ انہوں نے اپنے تابعین سے بیعت لی تھی جناب ابوحنفیہ نے فتویٰ دیا کہ اہل مدینہ کی عباسیوں کے لئے کی ہوئی بیعت درست نہیں کیونکہ اس سے پہلے وہ محمد نفس زکیہ کی بیعت کر چکے ہیں امام صادق - نے فرمایا:

''میں محمد نفس زکیہ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ ان کا قیام امر بہ معروف کے لئے ہو نہ کہ مہدویت کے لئے''

خود امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے بیعت لی تھی شب عاشورا آپؑ نے فرمایا:

''میں نے تم سب کی گردنوں سے اپنی بیعت اٹھالی ہے'' ''انتم فی حل من بیعتی '' (تم میری بیعت سے باہر ہو)۔

جناب مسلم بن عقیل نے اہل کوفہ سے امامؑ کے لئے بیعت لی، معاویہ نے حضرت امیرالمومنینؑ کو لکھا:

[وکنت تقاد کمایقاد الجمل المخشوش] ''آپؑ کو بیعت کے لئے اونٹ کی مانند مہار کھینچتے ہوئے لے گئے'' امیرالمومنین - نے جواب میں لکھا:

[وقلت: انی کنت اقاد کمایقاد الجمل المخشوش حتی ابایع ولعمر اللہ لقد اردت ان تذمّ فمدحت، وان تفضح فافتضحت! وما علی المسلم من غضاضة فی ان یکون مظلوماً مالم یکن شاکا فی دینہ ولا مرتابا بیقینہ، وھذہ حجتی الی غیرک قصدھا ولکنی اطلقت لک منھا بقدر ماسَنَحَ من ذکرھا] ''اور تیرا یہ کہنا

کہ میں اس طرح کھینچا جا رہا تھا جس طرح نکیل ڈال کر اونٹ کو کھینچا جاتا ہے تاکہ میں بیعت کرلوں خدا کی قسم تو نے میری مذمت کرنا چاہی مگر ستائش کر بیٹھا اور رسوا کرنا چاہا تھا مگر خود رسوا ہوگیا البتہ مرد مسلمان کیلئے نہ کوئی عار ہے، نہ عیب کہ وہ مظلوم واقع ہو، جب تک کہ وہ دین میں شک میں مبتلا نہ ہو اور اپنے یقین سے شبہ میں نہ پڑ جائے البتہ میری دلیل کا رُخ دراصل دوسروں کے لئے ہے لیکن جس قدر لازم تھا میں نے تم سے بھی بیان کر دیا۔'' [نہج البلاغہ مکتوب ۲۸]

یہاں پر سوال پیش آتا ہے کہ بیعت میں کیا چیز لازم آتی ہے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ لوگوں سے بیعت لیتے تھے؟ اور شرعی لحاظ سے کیا بیعت کے ذریعہ ذمہ داری قبول کرنا اثر آور ہے؟ آیا اگر لوگ بیعت نہ کرتے تو ان پر پیغمبر اسلام ﷺ کی اطاعت واجب نہیں تھی؟ بالآخر کس لئے امیرالمومنین - بیعت کی استناد پیش کرتے ہیں؟

معلوم ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر بیعت صرف اعتراف اور اظہار آمادگی ہے، ایک وجدانی قول ہے پیغمبر اسلامؐ لوگوں سے جو بیعت لیتے تھے وہ اسی جہت سے تھی، خصوصاً اس وجہ سے کہ اہلِ عرب کی خصلت یہ تھی کہ وہ اپنے قول اور بیعت کو توڑا نہیں کرتے تھے ان کا بیعت کرنا آجکل فوجیوں اور وکلاء کے قسم کھانے کی طرح ہے کہ کسی بھی حالت میں کوئی بھی اپنی مملکت سے خیانت نہیں کرے گا لیکن یہ قسم جو کھاتے ہیں وہ اپنے وجدان کو کنٹرول میں رکھنے اور تاکید کے لئے ہوتی ہے جب تک ایک شخص بیعت نہیں کرتا اس پر فقط وہی ایک اجتماعی وظیفہ ہے اور وہ تاویل اور تفسیر کرنے کے قابل رہتا ہے لیکن بیعت کرنے سے ایک شخص خاص طور پر دوسرے کے لئے اعتراف کرتا ہے پھر ابہام کا مقام نہیں رہ جاتا اور اسکے بعد وہ اپنے وجدان کو بھی دوسرے کے پاس رہن رکھ دیتا ہے اور یہ بعید نہیں کہ جب بیعت کرے تو شرعاً عمومی وظیفہ سے زیادہ اس پر لازم ہو جاتا ہو۔

بیعت بعض مواقع پر فقط ایک عہد و پیمان ہوتا ہے جہاں بیعت کرنے سے پہلے اس شخص پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، مثلاً اگر خلافت شوریٰ کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، نہ کہ نص قرآنی کے تحت تو اس میں بیعت کرنے سے پہلے اس شخص پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی لیکن جب بیعت کر لیتا ہے تو خلیفہ کے حکم کو ماننا اس پر لازم ہو جاتا ہے امیرالمومنینؑ جو زبیر اور غیر زبیر کی بیعت کے بارے میں استناد پیش کرتے ہیں درحقیقت اس

میں مسئلہ منصوصیت کو ابوبکر، عمر، عثمانؓ کی خلافت نے بے اثر کر دیا تھا یہاں پر آپ اس شرعی اصول سے صرف نظر کر کے ایک اور اصول سے استناد فرما رہے تھے اور وہ اصول بھی شرعی ہی تھا جیسا کہ خود خلفاء بھی حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے موجود نص کو چھوڑ کر اصول اسلام میں سے ایک اور اصل کو سند کے طور پر پیش کرتے تھے اور وہ سند بھی محترم تھی، وہ سند سندِ شوریٰ تھی:

﴿وشاورهم فی الامر﴾ ''اور کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرو۔'' (عمران/۱۵۹) ﴿وامرهم شوری بینهم﴾ ''ان کے کام باہمی مشورہ کے ذریعے انجام پاتے ہیں'' (شوریٰ/۳۸)

اس زمانے میں بیعت اور ہمارے زمانہ کے ووٹ دینے میں تھوڑا ہی فرق ہے ووٹ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو فقط اپنے لئے نمائندہ کے طور پر چننا، لیکن ہر کام میں اس کی اطاعت نہیں ہوتی بیعت یہ ہے کہ خود کو اس کے حکم کو تسلیم کرنے پر وقف کر دے بیعت ووٹ سے زیادہ قوی ہے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اگر امام حسینؑ بیعت کر لیتے تو آپؑ کی اس بیعت کے کیا معنی ہوتے؟

اس مرحلہ میں یعنی بیعت سے انکار کے مرحلہ میں امام حسینؑ کا وظیفہ ایک منفی وظیفہ تھا (چوتھے اور پانچویں مرحلہ کی طرح) بیعت نہ کرنا مرحلہ اول اور سوم کے برخلاف ہے جبکہ ان دونوں میں مثبت وظیفہ پیدا ہوتا ہے اسی وجہ سے امام حسینؑ ''نہ'' کہتے ہیں یہاں پر اپنے ہاتھ کو پیچھے کھینچنا ہوتا ہے جگہ کو خالی کر دینا ہوتا ہے اس وظیفہ کی رو سے اگر امام ملک سے باہر چلے جاتے تو آپؑ کا وظیفہ انجام پا جاتا اگر پہاڑوں کے درمیان چلے جاتے جہاں پر آپؑ تک کسی کی رسائی نہ ہو سکتی (ابن عباس کے بقول شعاب الجبال میں چلے جاتے) تو آپؑ اپنا وظیفہ انجام دے چکتے' یا فرض کریں آپؑ کہیں کسی گھر میں چھپ گئے ہوتے، تب بھی آپ کا وظیفہ انجام پا جاتا لیکن جب کوئی زور وزبردستی کے ذریعہ بیعت کا مطالبہ کرے تو آپؑ اس وقت معذور نہیں تھے اسلام کی نظر میں جبر اور اکراہ کا جواز ان مسائل میں ہوتا: ''رفع ما استکر هوا علیه و لاضَر و لاضرار'' یہ ان مواقع پر ہے کہ جہاں اسلام پر ضرر وارد نہ ہوتا ہو، مثلاً اگر کسی کو اسلام کے خلاف یا قرآن کے خلاف کتاب لکھنے پر مجبور کیا جائے تو وہ اپنی مجبوری کو جواز بنا کر اسلام وقرآن کے خلاف کتاب نہیں لکھ سکتا۔

یہاں پر اس نکتہ کو بھی بتانا ضروری ہے کہ بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے معاویہ کے زمانہ میں کیوں اقدام نہیں کیا؟ اور بعض دوسرے لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ اس زمانے میں چونکہ امام حسنؑ کے صلح کا موضوع درمیان میں تھا اور امام حسینؑ اپنے بھائی کے عہد و پیمان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے تھے، اس وجہ سے قیام نہیں کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ معاویہ خود پیمان شکنی کر چکا تھا، قرآن کریم عہد و پیمان کا احترام کرنے کا حکم اس وقت تک دیتا ہے جب تک دوسرا احترام کرے، قرآن یہ نہیں کہتا کہ اگر دوسرا فریق عہد کو توڑ دے تو تم پھر بھی وفادار رہو، بلکہ فرماتا ہے:

﴿فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم﴾ ''جب تک وہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو'' (توبہ/۷)

البتہ کافر سے بھی عہد و پیمان محترم ہے پیغمبر اسلام ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر قریش کے ساتھ ایک قرارداد منظور کی، لیکن جب ان کی طرف سے اس میں نقض شروع ہوا تو پیغمبر اکرمؐ نے بھی اس کو ایک کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دی، سید الشہداءؑ کی اس وقت عدم قیام کی علت یہ تھی کہ آپؑ ایک بہتر اور اچھے موقع کے انتظار میں تھے، اسلام جنگی حُسن تدبیر اور بہتر موقع کے انتظار کو جائز بلکہ واجب قرار دیتا ہے، مسلماً امام حسینؑ کے لئے معاویہ کے مرنے کے بعد کا موقع خود اس کے زمانے سے بہت بہتر تھا، البتہ امامؑ معاویہ کے زمانے میں بھی ساکت نہیں رہے ہمیشہ اس پر اعتراض کرتے رہتے تھے معاویہ کے نام ایک خط[1] کے ذریعہ آپؑ نے برابری سے اس سے احتجاج کیا، مسلمان اکابرین کو جمع کر کے ان سے اسکے بارے میں باتیں کیں، مسلح قیام کے لئے بہترین موقع یہ جانا کہ معاویہ کے مرنے تک صبر کریں، پھر قیام کریں، امامؑ قطعی طور پر جانتے تھے کہ معاویہ یزید کو اپنی جگہ منصوب کریگا اور لوگوں کو اپنے مرنے کے بعد یزید کی اطاعت کرنے کی دعوت ضرور دے گا، لہٰذا امامؑ کی نظر میں یزید کا خلافت پر آنا ایک نئی اور غیر متوقع چیز نہیں تھی۔

---

۱ [اس بارے میں کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' کا مقدمہ اور ''سرمایۂ سخن'' کی طرف مراجعہ فرمائیں]

شب عاشورا امام حسینؑ کا اپنے اصحاب کو جمع کر کے اُن سے باتیں کرنا

توحید وایمان وعظمت اور شکست قبول نہ کرنے کا درس حادثۂ کربلا کے روشن مظاہر اور اس کی سب سے بڑی الٰہی تجلیات میں سے ایک، شب عاشورا حسینؑ بن علیؑ کا اپنے اصحاب کو جمع کر کے اس نازک موقعہ پر نامساعد حالات ہوتے ہوئے بھی ان سے سخنرانی کرنا ہے، ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سخنرانی شب عاشور ہوئی تھی جبکہ ہر طرف سے ناامیدی اور نامساعد حالات احاطہ کئے ہوئے تھے، ایسے حالات میں ہر وہ سردار اور لیڈر جو فقط مادی فکر رکھتا ہے، اس کی زبان پر بجز شکوہ وشکایت کے کچھ نہیں ہوتا، اس کی منطق یہ ہوتی ہے کہ افسوس ہماری قسمت نے ساتھ نہ دیا، تف ہے اور اس زندگی اور اس زمانے پر، جیسا کہ نپولین کہا کرتا تھا کہ حالات نے ہمارا ساتھ نہیں دیا، اس کی تمام باتیں زمانے سے شکایت اور یاس وناامیدی کا اظہار ہیں امام حسین۔ کے لئے یہ سخت ترین اور انتہائی تکلیف وہ وقت تھا کہ آئندہ ۲۴ گھنٹے کے اندر آپکی بیویاں، بچے اور بہنیں دشمن کے ہاتھوں اسیر ہو جائینگی ایک غیور اور فداکار مرد کے لے یہ بہت زیادہ ناگوار بات ہے۔

ایسے حالات میں دوسرے لوگوں نے کیا کیا ہے؟ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ جب "المقنع" نظر بند ہوا اور حالات ناموافق ہوئے اور ناامیدی چھا گئی تو اس نے سب سے پہلے اپنے تمام خاندان کو مار دیا اور اسکے بعد خودکشی کر لی اسی طرح بنوامیہ کے ایک خلیفہ نے کیا تھا جب وہ گرفتار ہوا تھا، تاریخ میں ایسے بہت سے نمونے ملیں گے لیکن جب حسین بن علیؑ نے سخنرانی کرنا شروع کی تو فرمایا:

[اثنی علی اللہ احسن الثناء واحمدہ علی السّراء والضرّاء اللھم انی احمدک]

"خداوند عالم کی حمد وثنا کرتا ہوں، بہترین ثنا اور اس کی حمد بجالاتا ہوں آسودہ حالت میں بھی اور مشکلات کے موقعہ پر بھی، بارالٰہا میں تیری حمد بجالاتا ہوں"

امامؑ مادی لحاظ سے اتنے زیادہ نامساعد حالات میں بھی خدا کی رضایت اور عوامل کے سازگار ہونے کی باتیں کرتے ہیں! کیوں؟ اسلئے کہ معنوی لحاظ سے حالات موافق ہیں اور وہ اعتقادی طور پر موحد اور عملی میدان میں خداپرست ہیں، نیز اپنے کام کے انتہائی نتیجہ سے بھی آگاہ ہیں آپؑ کا ہدف سکندر اور نپولین کی

طرح جہانگیری نہیں ہے کہ خود کو شکست خوردہ سمجھیں آپؑ کا ہدف کلمۂ حق کو غالب کرنا ہے چنانچہ اس لحاظ سے آپؑ اس کام کو بہت زیادہ مؤثر اور سودمند دیکھ رہے ہیں۔

قیام حسینیؑ کے موضوعات

۱۔ یہ واقعہ رائے اور عقیدہ نہ بیچنے کی وجہ سے وجود میں آیا۔

۲۔ کلمۂ "آثروا الموت" (انہوں نے موت کو ترجیح دی) حقیقتاً کربلا والوں کے بارے میں صادق آتا ہے (ان کے اور اہل بدر وصفین کے اور اصحاب طارق بن زیاد کے درمیان مقایسہ)۔

۳۔ واقعہ عاشورا کا سب سے زیادہ اہم درس یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ پائیں کہ آیا دین قوت ہے یا ضعف؟ دین قید ہے یا آزاد؟ دین نشہ آور ہے یا قوت بخش؟

معاویہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بہانے خلافت کی جستجو میں تھا۔

(عقاد اپنی کتاب "ابوالشہداء" صفحہ ۱۲ پر کہتے ہیں): [ان الذین انخدعوا و تخادعوا......والآجام]

یہاں پر چند نکات ہیں جن کو بیان کرنا چاہئے:

معاویہ کے اصحاب اور ابن زیاد کے اصحاب میں فرق

الف۔ جو لوگ صفین میں معاویہ کے ساتھ تھے اور جو کربلا میں یزید کی حمایت کر رہے تھے ان کے آپس میں فرق پایا جاتا ہے، اسلئے کہ معاویہ نے ایک قسم کا تظاہر دکھا کر ان لوگوں کو فریب دے رکھا تھا اور وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ فقط مظلوم خلیفہ کے انتقام کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں اور اس وقت تک معاویہ کے بُرے عزائم پر سے پردہ نہیں اٹھا تھا لیکن یزید کا دور اس کے برعکس تھا، حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی معاویہ سے جنگ میں معاویہ کا نفاق اس قدر آشکار نہیں ہوا تھا جس قدر امام حسینؑ کی مبارزہ میں یزید کا نفاق واضح تھا ہم نہیں سمجھتے کہ معاویہ کے دور میں اگر کربلا کی طرح کوئی حادثہ پیش آتا تو لوگ بنوامیہ کا دفاع کرتے لیکن کربلا میں لوگوں نے بنوامیہ کا دفاع کیا اس کی علت یہ ہے کہ اس ۲۰ سال کی مدت میں بنوامیہ لوگوں کو بہت پیچھے لے گئے تھے۔

ب۔ معاویہ کے قضیہ میں عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے لوگ بغیر کسی شک وشبہ کے حرکت میں آ گئے تعصب، جاہلیت، خون خواہی اور خونخواری کی روح جو اہل عرب کی طبیعت میں پائی جاتی تھی اور دور جاہلیت میں جسکا دوسری صورت میں مظاہرہ کرتے تھے، معاویہ کے اس قضیہ میں موجود تھے لیکن ان کا تظاہر اسلامی رنگ میں ہوا۔

ج۔ معاویہ نے اپنی خلافت کے دور میں ایک ایسا کام انجام دیا کہ جو بنوامیہ کی حکومت کے زوال کا سبب ہوا اور وہ کام یزید کو اپنا ولی عہد قرار دینا تھا، اولاً یزید غیر صالح ترین افراد میں سے تھا اور ثانیاً یہ کام خلافت کے ساتھ کھیل کھیلنا اور بادشاہی کی طرح خلافت ایک دوسرے کے دست بدست کرنا تھا خصوصاً معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی یزید کے لئے بیعت لی تھی، اساسی طور پر معاویہ نے سارے کاموں میں خلافت کی روش میں تبدیلی کر کے بادشاہی کی روش اختیار کی تھی ہر چند عثمانؓ کے زمانے سے ہی بنوامیہ خلافت کو اپنی جاگیر بتاتے تھے۔

د۔ کربلا میں بنوامیہ کے حامیوں کا یہ عمل امت اسلامی میں اخلاقی پستی کی انتہائی نچلی سطح کا غماز تھا، حادثۂ کربلا کے بعد سے آزادی اور ظلم کے سامنے سر نہ جھکانے کا شعور بیدار رہا، مدینہ کا قیام کوفہ کا قیام اور خصوصاً عبداللہ بن عفیف ازدی کا قیام اسلام کے روحی تجلیات کے آغاز کے نمونے شمار ہوتے ہیں، بنوامیہ کے حامیوں نے واقعہ کربلا کے بعد بھی اپنی پستی اور کمینہ پن کو ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن بیداری کا آغاز حسینؑ ابن علیؑ سے ہوا۔

کربلا میں بنی امیہ کے اصحاب اپنے عقیدہ سے جنگ لڑ رہے تھے

عجیب بات یہ ہے کہ یزید کے حامیوں نے حادثۂ کربلا میں اور واقعۂ مدینہ میں ایک ہی نوعیت کی پست فطرتی اور کمینگی کا مظاہرہ کیا جو اپنی نظیر نہیں رکھتی، ان لوگوں نے اس طرح کے کام انجام دیئے درآنحالیکہ وہ کافر اور منکر مطلق نہیں تھے، وہ واقعاً نماز پڑھتے تھے اور زبان سے شہادتیں بھی ادا کرتے تھے، عقاد کہتا ہے:

[بل حسبک من خسّةِ ناصریه (یزید) انهم کانوا یرعدون من مواجهة الحسین

بالضرب فی کربلاء لاعتقادهم بکرامته وحقّه ،ثم ینتزعون لباسه نسائه فیما انتزعوه من اسلاب ، ولوانّهم کانوایکفرون بدینه وبرسالة جدّه لکانوافی شریعة المروءَة اقلَ خسّةمن ذاک] ''یزید کے حامیوں کی پست فطرتی کے لئے یہی کافی ہے کہ کربلا میں امام حسینؑ کی کرامت اور حق کا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے وہ آپؑ کے سامنے آنے سے ڈرتے تھے لیکن آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کا لباس تک اتار لیا اور آپؑ کے اہلِ حرم کو اموال کی لوٹ مار کے لئے باہر نکالا، یہ لوگ اگر دین میں اور آپؑ کے جد بزرگوار کی رسالت سے بھی کافر ہوتے تب بھی ان کا یہ عمل مردانگی کے مذہب میں پست ترین کام تھا۔''

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد کے اصحاب کی جنگ عقیدہ کی جنگ نہیں تھی بلکہ عقیدہ سے جنگ تھی، وہ شکم کی خاطر، ریاست ومقام کی خاطر اور دنیا کے لئے اپنے عقیدہ سے جنگ لڑ رہے تھے اور اس ایک جہت سے یہ لوگ بدر واحد کے کفار سے بھی گئے گزرے اور پست تر تھے کیونکہ ان کی جنگ عقیدہ کی راہ میں جنگ تھی۔

آل علیؑ کی کامیابی کے ذرائع سے کام لینے میں کراہت

آل علیؑ جس طرح ہدف اور مقصد کے لحاظ سے اپنے مخالفین سے مختلف تھے، اسی طرح وسائل کو کام میں لانے میں بھی فرق رکھتے تھے یہ خاندان اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے ہر قسم کے وسیلہ سے کام نہیں لیتے تھے مثال کے طور پر زہر دینا جو دنیا کا نہایت بزدلانہ کام ہے، اسے انہوں نے کبھی نہیں اپنایا جبکہ معاویہ نے اپنے اوچھے مقاصد حاصل کرنے کیلئے اس سے بھرپور کام لیا، امام حسنؑ، اشتر نخعی، سعد وقاص حتیٰ کہ اپنے بہترین دوست اور مددگار عبدالرحمٰن بن خالد کو جو اس کے بعد خلافت کا خواب دیکھ رہا تھا، معاویہ نے مسموم کرا دیا وہ کہا کرتا تھا: [اِنّ لِلّٰه جُنود اًمِن عَسَلٍ] دا کے لشکر میں شہد بھی شامل ہے۔

لیکن آل علیؑ اس طرح کے وسائل استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے، اسلئے کہ اس سے فضیلت کی اشاعت کی نفی ہوتی تھی، اسکے برخلاف معاویہ کا مقصد بجز مسند خلافت پر قابض ہونے کے کچھ نہ تھا جناب مسلم بن عقیل راضی نہ ہوئے کہ ابن زیاد کو ہانی کے گھر پر دھوکے کے ذریعہ اور غفلت کے عالم میں قتل کریں، انہوں

نے کہا:

[اِنّا اَهلُ بَیت نَکرهُ الغدر] ''بیشک ہم اہل بیت دھوکا دینا پسند نہیں کرتے''۔[1] اور فرمایا: ''مجھے یاد ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: [الایمان قید الفتک] ''ایمان انسان کو دھوکہ بازی سے روکتا ہے۔''[2]

سید الشہداءؑ کے قاتلین کے نفسیات کا تحلیل و تجزیہ

ابن زیاد کے حامیوں کی نفسیات کا تجزیہ و تحلیل کرنا کوئی آسان کام نہیں آیا واقعاً یہ لوگ اصول اسلام پر ایمان نہیں رکھتے تھے؟ یا اسلام پر تو ایمان تھا لیکن یہ خیال کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) امام حسینؑ طاغی اور سرکش ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس نظریہ سے امامؑ کے خلاف خروج کیا تھا کہ اسلام کے حکم کے مطابق ان سے جہاد کرنا چاہئے؟ جیسا کہ عمر سعد نے کہا تھا:

[یاخیل الله ارکبی وبالجنة ابشری] ''اے اللہ کے سپاہیو! اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ میں تمہیں جنت کی بشارت دے رہا ہوں۔''

یا یہ کہ ابن زیاد کے حامیوں کو صرف دنیا کی طمع اور لالچ تھی یا پھر اس میں فقط جہالت، نادانی اور عدم تشخیص کارفرما تھی؟ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان کے عام لوگ ایک نوع کے عامیانہ ایمان سے خالی نہیں تھے یعنی ضمیر کے پردے میں نہ تو اسلام سے کافر و منکر تھے اور نہ امام حسینؑ کے بارے میں کافر و منکر تھے جبکہ ان کے رؤساء رشوت اور مقام و منصب کے اندھے تھے، جیسا کہ ایک شخص نے راستہ میں امام حسینؑ سے عرض کیا تھا:

[امارؤساؤهم فقد اعظمت رشوتهم وملئت غرائرهم] ''مگر ان کے رؤسا نے بھاری رشوتیں لے لی ہیں اور انکے تھیلے بھرے ہوئے ہیں۔''

یہ بھی فرزند آدمؑ کی روح کا ایک عجیب و غریب معمّا ہے کہ وہ اپنے ہی عقیدہ سے جنگ کرتا ہے، یعنی حرص، طمع اور دنیا پرستی کے تابع ہو کر ایسا عمل کرتا ہے جو خود اس کے اپنے عقیدہ اور ایمان کے منافی ہوتا ہے مثلاً خود

۱ [کتاب ابوالشہداء ص ۱۸]   ۲ [سرمایۂ سخن جلد دوم]

ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ہیں جو واقعاً نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم سے ایک طرح کا تعلق بھی رکھتے ہیں لیکن ان سب کے باوجود غیروں کے خادم بن بیٹھے ہیں اور ایسے حوادث کو وجود میں لاتے ہیں جیسے مدینہ پر حملہ اور مغلوں کا حملہ ہے، جن سے ان کے عمل اور عقیدہ کے درمیان فاصلہ ہو گیا ہے یا بالفاظ دیگر شخصیت میں تعدد پیدا ہو گیا ہے اس زمانہ کے عوام فقط رؤسا کی اندھی تقلید کے تابع تھے:

﴿ربنا ان اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا﴾ ''اے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی پیروی کی تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔'' (احزاب/۶۷)

خلاصہ یہ ہے کہ:

[قلوبهم معک وسیوفهم غداً مشهورة علیک] ''لوگوں کے دل آپکے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف اٹھیں گی'' کا معما کربلا میں موجود تھا۔

عقاد کے عقیدے کے مطابق دونوں طرف کے لوگ آخرت پر ایمان و عقیدہ رکھتے تھے لیکن یہ عقیدہ و ایمان ایک طرف کریم اور بزرگوار ارواح میں تھا اور دوسری طرف ایسی ارواح میں تھا جو لئیم اور پست تھیں ایک گروہ طبیعتاً کمال حسن کا حامل اور صاحب ہدف تھا اور دوسرا گروہ طبیعتاً منفعت پرست تھا۔

آل علیؑ اور آل معاویہ کے اختلافات کے اسباب

تاریخ کی رو سے آل علیؑ اور آل معاویہ کے درمیان دشمنی کے اسباب کو دیکھنا چاہیں تو بہت زیادہ ہیں البتہ اصلی سبب ان کی طینت اور سرشت میں اختلاف تھا، آل علیؑ ہر جہت میں ایمان، اخلاق اور فضیلت کے پابند تھے اور آل معاویہ منافع، جاہ و مقام، مال و ثروت کے اسیر تھے مجموعی اسباب کو ہم یوں خلاصہ کر سکتے ہیں: نسلی اختلاف، خون خواہی، سیاست یا سیاسی رقابت، ذاتی کینہ، طرز فکر، ادراک اور احساسات کا اختلاف، البتہ آل علیؑ بعض چیزوں سے منزہ تھے جبکہ آل معاویہ میں یہ تمام امور اثر انداز تھے اس کے علاوہ آل معاویہ کے دلوں میں حسد کی ایک آگ تھی اور ان کا یہ احساس حسد آل علیؑ کی کرامت اور لوگوں کے دلوں میں ان کے احترام کی وجہ سے تھا:

﴿ام یحسدون الناس علی ما اتیھم اللہ من فضلہ ﴾ ''بلکہ (یہود) حسد کرتے ہیں لوگوں (مسلمانوں) سے اس کی نسبت جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا کیا ہے'' (نساء/۵۴)

عقاد کہتا ہے:

[وکان ھذا التنافس بینھما یرجع الی کل سبب یوجب النفرۃ بین رجلین من العصبیۃ الی التراث الموروثۃ الی السیاسۃ الی العاطفۃ الشخصیۃ الی اختلاف الخلیقۃ والنشاۃ والتفکیر] ''ان دونوں (امام حسینؑ اور یزید) کے درمیان کشمکش اور اختلاف کے کچھ اسباب ہیں جو ان کے درمیان نفرت اور جدائی کا سبب بنے اور وہ اسباب ان کے گزشتہ لوگوں کے موروثی آثار کی حمایت، سیاست میں تعصب، ذاتی عواطف اور اخلاق، تربیت، رشد اور تفکر میں موجود اختلاف تھا۔''

آل علیؑ فطرت، تربیت اور جن دامنوں میں پرورش پائی، ان کے لحاظ سے بنو امیہ سے مختلف تھے۔ بنی امیہ اور ہاشم قدیم زمانے ہی سے زعامت اور سرپرستی میں اختلاف رکھتے تھے امیہ شکست کھا کر شام چلا گیا ابوسفیان جو قریش میں سب سے زیادہ زیرک تھا کینہ کی وجہ سے فتح مکہ تک پیغمبر اسلام ﷺ سے مبارزہ کرتا رہا حالانکہ اس کی عقل یہ اقتضا کرتی تھی کہ وہ اس سے پہلے ہی تسلیم ہو جاتا تا ابولہب جو ابوسفیان کا بہنوئی تھا پیغمبر اسلامؐ کی کس قدر مخالفت کرتا تھا (ابوسفیان، عباس اور فتح مکہ کا واقعہ)

کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ایک دن ابوسفیان کی نظر پیغمبر اسلامؐ پر پڑی تو اُس نے اپنے آپ سے کہا:

[لیت شعری بای شیء غلبنی] ''اے کاش! میں یہ جانتا کہ وہ کس چیز کی وجہ سے مجھ پر غالب ہوا۔''

رسول اسلامؐ نے اس کی بات کو سن لیا یا اس کے ضمیر کو پڑھ لیا نزدیک تشریف لائے، اس کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

[باللہ غلبتک یا اباسفیان] ''اے ابوسفیان! خدا کے سبب تجھ پر غالب ہوا ہوں۔''

ابوسفیان کی اسلام دشمنی

غزوۂ حنین میں ابوسفیان نے مسلمانوں کی پسپائی دیکھی تو خوشی سے بول اٹھا:

[ما اریھم یقفون دون البحر] ''میں گمان نہیں کرتا کہ دریا تک پہنچنے سے پہلے یہ لوگ توقف کریں''

اور جب جنگ شام میں رومی آگے جا رہے تھے تو اس نے کہا: ویل لبنی الاصفر ''اے رومیو اپنے اس کام کو ادامہ دے دو''

جب وہ لوگ عقب نشینی کرتے تو کہتا: ویلٌ لبنی الاصفر ''افسوس ہو بنی اصفر (رومیوں) پر۔''

رسول اسلام ﷺ نے اس کو اپنی طرف جذب کرنے کیلئے اس کی بیٹی اپنے عقد میں لی، اس کے گھر کو دوسروں کے لئے جائے امن قرار دیا، اس کو مؤلفۃ القلوب میں سب سے آگے قرار دیا (لیکن اسے اور اس کے فرزندوں کو حکومت نہیں دی، اسی قدر سلوک کیا کہ اسکے دل کو تسلی ہو جائے) لیکن اس کے باوجود مسلمان اس سے اجتناب کرتے تھے ابوسفیان اُن سے تنگ آ گیا اور پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں آ کر خواہش کی کہ معاویہ آنحضرتؐ کا کاتب (نہ کاتب وحی) ہو جائے خلافت کے واقعہ میں ابوسفیان حضرت علیؑ اور عباس کے گھر پر آیا.... عقاد کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

[لا واللہ لا اریدان تملاھا علیہ خیلاً ورجلاً ولو لا اننا راینا ابابکر لذلک اھلاً ما خلیناہ و ایاہ] ''خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میں پیادہ اور سوار کو انکے خلاف (شہر میں) بھر دوں اگر میں ابوبکرؓ کو اس کام کا اہل نہ سمجھتا تو میں ان کو اس کام میں آزاد نہ چھوڑتا۔''

یہ جملہ باقی تمام چیزوں سے قطع نظر، خود نہج البلاغہ کے اس جملہ کے منافی ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

[شقوا امواج الفتن] ''فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر نکل جاؤ۔''[1]

[ثم ابنہ قائلاً یا اباسفیان !ان المؤمنین قوم نصحۃٌ بعضھم لبعض و ان المنافقین

۱ [نہج البلاغہ خطبہ/۵]

قومٌ غششةٌ بعضهم لبعض تتخاذلون و ان قربت ديارهم و ابدانهم] اس کے بعد اس کے بیٹے معاویہ سے کہا: اے ابا سفیان! مومنین ایسا گروہ ہیں جو ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور منافقین ایک ایسا گروہ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کی مدد و یاوری نہیں کرتے گرچہ ان کے شہر اور بدن نزدیک ہوں۔"

خلافت عثمان کے پہلے دن ابوسفیان نے کہا تھا: **[یابنی امیه !تلقفوها تلقف الكرة......]** ۱؎

یزید کی ولی عہدی کے مقدمات

جناب عباس محمود عقاد اپنی کتاب "ابوالشہداء" کے صفحہ ۳۰، ۳۱ پر لکھتے ہیں: معاویہ کا قصد تھا کہ خلافت کو بنوامیہ کی ملکیت میں تبدیل کر دے وہ یزید کے لئے زمینہ ہموار کرنے کی فکر میں تھا جب دیکھا کہ خود بوڑھا ہو گیا ہے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ کام انجام دیئے بغیر مر نہ جائے تو مروان بن حکم کو لکھا کہ لوگوں سے یزید کیلئے بیعت لے چونکہ مروان خود خلافت کی ہوس میں تھا اس لئے اُس نے نہ صرف یہ کہ اس کام کو انجام دینے سے انکار کر دیا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی یزید کے خلاف بھڑکایا، معاویہ نے مروان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ سعید بن العاص کو مامور کر کے بھیجا پھر اس کو لوگوں سے بیعت لینے کے بارے میں لکھا لیکن کسی نے بھی اس کی بات کا موافقت میں جواب نہیں دیا معاویہ نے امام حسین -، عبداللہ بن عباس، عبداللہ زبیر اور عبداللہ جعفر کو خط لکھے اور ان سب پر سعید کو مامور کیا تا کہ ان سے جواب لے (ظاہراً کسی نے بھی جواب نہیں) سعید کو لکھا:

[ولتشدّعزيمتک وتحسن نيتک ،وعليک بالرّفق ،و انظر حسيناً خاصة فلايناله منک مکروه ،فان له قرابة و حقاعظيماً لاينکره مسلم و لامسلمة ......و هو ليث عرين ،ولست آمنک ان ساورته الاّتقوى عليه] "تمہارا عزم محکم اور نیت اچھی ہونی چاہئے، دوستی اور نرمی کو ہاتھ سے جانے نہ دینا حسینؑ پر خاص نظر رکھنا، مبادا تمہاری طرف سے کوئی ناخوش کن بات سرزد ہو جائے کیونکہ ان کو (رسول خداؐ سے) قرابت اور نزدیکی

۱؎ [اس کا عربی متن اور ترجمہ پہلے ہو چکا ہے لہٰذا یہاں تکرار نہیں کرتے۔ مترجم]

ہے اور ان کے لئے ایک ایسا عظیم حق ہے جس کا کوئی مسلمان مرد و زن منکر نہیں......اور وہ شیر بیشۂ شجاعت ہیں میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں گا اگر تم ان سے الجھو اور دست درازی کرو۔"

سعید نے بہت زیادہ کوششیں کیں کہ لوگوں کو خصوصاً ان چند افراد کو راضی کر لے لیکن وہ کامیاب نہ ہوا، معاویہ خود مکہ کے ارادے سے نکلا (ظاہراً اور باطناً یزید کے لئے بیعت لینے کی غرض سے) تو مدینہ آیا اور انہی چند افراد کو بلا کر نرم لہجے میں بولا: "میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے یزید کی خلافت کے لئے بیعت کر لیں، البتہ تمام کام حتیٰ عزل کرنے یا نصب کرنے کے اختیارات بھی آپ ہی لوگوں کے پاس ہوں گے، اسی طرح مال و خراج جمع کرنا اور ان کو تقسیم کرنا بھی آپ کے اختیار میں ہوگا صرف مسند خلافت پر نام یزید کا ہوگا" ابن زبیر نے کہا: "بہتر یہ ہے کہ تم یا تو پیغمبر اسلام ﷺ کی طرح سے عمل کرو کہ کسی کو بھی معین نہ کرو، یا ابوبکر کی طرح کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کے علاوہ کسی اور کو انتخاب کیا، یا عمرؓ کے مثل کرو کہ اس کام کو شوریٰ پر چھوڑ دو" معاویہ کو مشورہ ناگوار ہوا اور چہرہ پر غصہ کے آثار نمایاں ہوئے، اس عالم میں عبداللہ زبیر سے کہا: "اس کے علاوہ کیا کوئی اور بھی بات باقی ہے؟" اس نے کہا: "نہیں" دوسروں سے پوچھا "تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

سب نے کہا: "نہیں" کہا: "تعجب ہے! تم لوگ میری نرمی سے فائدہ اٹھا رہے ہو جس گھڑی میں منبر پر جا کر خطاب کرتا ہوں تو تم میں سے ایک کھڑے ہو کر میری تکذب کرتا ہے میں پھر بھی نرمی سے کام لیتا ہوں" اس کے بعد کہا:

[لئن ردعلى احدکم فى مقامى هذاالاترجع اليه کلمة غيرهاحتىٰ يسبقها السيف الى راسه فلايبقين رجل الاعلى نفسه] "اگر تم میں سے کوئی اس موضوع پر میری بات کو رد کرے گا تو اس سے قبل کہ مجھ سے کوئی اور بات سنے، اس کے سر پر تلوار چل چکی ہوگی۔"

اس کے بعد اپنے پولیس افسر کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دو دو مسلح افراد لگا دے اور ان کو یہ حکم دے دے کہ جب میں خطبہ دینے لگوں، تب ان میں سے اگر کوئی بھی میری تصدیق یا تکذیب میں کوئی بات

کہے تو اس کی گردن اڑا دے۔

اس مقدمہ کے بعد معاویہ منبر پر گیا اور حمد وثنائے پروردگار کے بعد کہا:

[**ھولاء الرھط سادۃ المسلمین وخیارھم لایبرم امر دونھم ، ولا یقضی الاعلی مشورتھم وانھم قد رضوا و بایعوا لیزید ، فبایعوہ علی اسم اللہ فبایع الناس**] ''یہ جماعت مسلمانوں کے سردار اور بزرگوں کی جماعت ہے ان کی رائے اور نظر کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوتا اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام بھی نہیں دینا چاہئے یہ لوگ یزید کی بیعت پر راضی ہیں اور خود انہوں نے بیعت کر لی ہے پس آ جاؤ بیعت کر لو، لوگو! تم بھی بیعت کر لو'' [1]

معاویہ حقیقت حال جانتا تھا کہ اس بیعت کی کوئی ارزش و قیمت نہیں ہے لہٰذا اس نے یزید کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد تم لوگوں سے بیعت لے لینا جیسا کہ کتاب ''نفس المھموم'' میں بھی آیا ہے، یزید جوان اور ناتجربہ کار تھا اور اس کے باپ کے مشاور عمرو عاص، زیاد اور مغیرہ وغیرہ کی طرح اس کو مشورہ دینے والا کوئی نہیں تھا اس نے اپنے کام میں درشت رویہ اختیار کیا اور مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو لکھا:

[**خذ حُسیناً وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر بالبیعۃ اخذاً شدیداً**] ''حسینؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی سے بیعت لو۔''

[1] [انتخاب آزاد ایسا نہیں کہ ہمارے زمانے کے انتخاب اُس زمانے کی بیعت سے شباہت نہ رکھتے ہوں (اس نکتہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ استاد شہید کی یہ یادداشت رژیم منفور پہلوی کے زمانے میں لکھی گئی تھی) وہ لوگ یزید کو ولیعہدی پر نصب بھی کرنا چاہتے تھے اور لوگوں سے بیعت بھی لینا چاہتے تھے (یعنی دونوں کام کو کسی بھی صورت میں کرنا تھا اگرچہ ظاہری ہی کیوں نہ ہو) اس وقت کوئی ایسا قانون نہیں تھا کہ اگر خلیفہ اپنی حیات میں کسی کو ولیعہدی پر نصب کرے تو اُس کے مرنے کے بعد وہ خلیفہ ہو جائے (البتہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ استثنائی عمل ہوا) چنانچہ مجبور تھے کہ لوگوں کو بھی ساتھ لے کر چلتے اور ان سے بیعت لے لیتے ان ایام میں بیعت آج کے انتخابات کی طرح تھی ، یعنی لوگوں کی بیعت کے ذریعہ خلیفہ منتخب ہوتا تھا معاویہ اپنی قوت کے ذریعہ رائے لینا چاہتا تھا ہمارے زمانے میں بھی حکومت قانون مشروط کے مطابق ذمہ دار ہے کہ انتخاب کے ذریعہ برسر اقتدار آئے ہمارے یہاں بھی ووٹ دینے والوں کے سر پر ڈنڈے باز کھڑے ہوتے ہیں چونکہ تمدن ترقی کر گئی ہے اسلئے رائے دہندگی اور بیلٹ بکس درمیان میں آ گئے ہیں یعنی آلات اور ذرائع بدل گئے ہیں (نہ کہ روح) کبھی بیلٹ بکس چوری کر لئے جاتے ہیں اور کبھی ان میں موجود ووٹ بدل دئے جاتے ہیں] [ابوالشھدا ص ۳۲]

بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی سے بیعت لو۔''

ولید نے کسی کو مروان کے پیچھے بھیجا تا کہ اس سے مشورہ لے سکے......۔

بنی امیہ کا عصبیت سے استفادہ کرنا

عقاد کہتا ہے: انسان کی سرشت میں اپنی بقا کی خاطر جو بڑا تعجب انگیز مکر وحیلہ کا عنصر داخل ہے اسکی ایک مثال امویوں کے ہاشمیوں سے مبارزہ کا موضوع ہے اسلام نے جس عصبیت کا خاتمہ کیا تھا، امویوں نے اسی عصبیت کے ذریعہ غلبہ حاصل کیا۔

علویوں کے خلاف معاویہ کی تبلیغاتی جنگ

عقاد اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر لکھتا ہے: معاویہ یہ جانتا تھا کہ مال اور اسلحہ کی بنا پر وہ علیؑ اور آل علیؑ پر غالب ہے لیکن شہرت اور احساسات کے لحاظ سے مغلوب ہے آل علیؑ کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے وہ لوگوں کے پاس بہت زیادہ ہدایا و تحائف بھیجا کرتا تھا اور مال تقسیم کرنے میں کبھی مضایقہ نہیں کرتا تھا لوگوں کے دلوں سے علیؑ کی نیک نامی اور ان کی طرف میلان کو دور کرنے کی غرض سے، نیز دلوں پر حضرت علیؑ کی حکومت کو زائل کرنے کے لئے معاویہ نے سرد تبلیغاتی جنگ شروع کر رکھی تھی اس نے منبروں سے اور نمازوں میں علیؑ پر لعن کرنے کا حکم دے رکھا تھا علیؑ اور آل علیؑ کو نیچا اور خود کو برتر دکھلانے کیلئے اس نے احادیث جعل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا لیکن اس کے اس قسم کے کام خود اس کے خلاف لوگوں میں بہت زیادہ تنفر کا سبب بنے حدیث جعل کرنا بھی تبلیغاتی جنگ کے وسائل میں سے ایک ہے۔

قصہ اربنب بنت اسحاق

عقاد اپنی کتاب میں لکھتا ہے: اربنب بنت اسحاق کا قصہ جس کو اکثر مؤرخین نے نقل کیا ہے، اگر صحیح ہے تو یہ قضیہ امام حسینؑ اور یزید کے درمیان اختلاف کے اسباب میں ایک اور علت کا اضافہ ہے۔

دور جاہلیت میں ہاشمی اور اموی تربیت

عقاد اپنے کتاب کے صفحہ ر۴۹ پر لکھتے ہیں:

[کان بنوهاشمی یعملون فی الرئاسة الدینیّة و بنوعبدشمس یعملون فی التجارة او الرئاسة السیاسیة وهماماهمافی الجاهلیة من الرباو المماکسة و الغبن و التطفیف و التزییف ' فلا عجب ان یختلفاهذاالاختلاف بین اخلاق الصراحة و اخلاق المساومة،وبین وسائل الایمان و وسائل الحیلة علی النجاح] ''بنو ہاشم دین کی ریاست کے لئے کوشش کرتے تھے اور بنو عبد شمش تجارت اور سیاسی ریاست کیلئے کام کرتے تھے دور جاہلیت کی تجارت رِبا، چیز و چیزوں کی قیمتوں میں مول بھاؤ، دوسروں کو دھوکہ دینے، کم فروشی کرنے اور خراب ناقص اجناس کو دوسروں کے گلے لگانے پر مشتمل تھی لہٰذا بنو ہاشم اور بنو عبد شمس کے درمیان یہ کھلا اختلاف پایا جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے یہ اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق کا فرق ہے یہ سچے اخلاق اور بازاری اخلاق کے مابین کا فرق ہے یہ وسائلِ ایمان اور وسائلِ حیلہ بازی کے مابین کا اختلاف ہے۔''

(اس عبارت کے نقل کرنے کا مقصد دو خاندانوں کی تربیت کے فرق کو بیان کرنا تھا)

بنو ہاشم کے نزدیک دینی ریاست مسیحی کاہنوں کے نزدیک کہانت کی ریاست کی طرح نہیں تھی کہ جو کام کرتے اس پر عقیدہ نہ رکھتے ہوں بلکہ بنو ہاشم خود سب سے زیادہ کعبہ کا احترام کرتے اور خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ عبدالمطلب کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا قصہ اس بات کی اول دلیل ہے۔

اس کے بعد عقاد کہتا ہے:

''ہاشمیوں کا یہی اعلیٰ ترین اخلاق نبوت کی ظہور کے بعد کامل ترین صورت میں ان کی نسل میں ظاہر ہوا یہاں تک کہ صدیوں بعد بھی آل علیؑ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجہ کی مثال اور نمونہ بن گئے اگر آپ تاریخ میں آل علیؑ کی شخصیات کا مطالعہ کریں تو آپ کو اخلاق میں سب

حضرت علیؑ کے مانند ہی نظر آئیں گے: [ذریةً بعضهـا من بَعْض] ''یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے''۔

جب روزِ عاشورہ حضرت علی اکبرؑ جنگ کیلئے میدان کی طرف نکل رہے تھے تو ابا عبداللہ نے بھی [حُجُور طابت وطهرت] ''یہ طیب و طاہر دامن کا پروردہ ہے'' کہہ کر اس آیت کی تلاوت فرمائی، اس کے بعد عقاد نے اپنی کتاب میں یحییٰ بن عمر علوی کا قصہ نمونہ کے طور بیان کیا ہے۔[1]

خُلقِ ہاشمی اور خُلقِ اُموی

عقاد کہتا ہے: [ولم یکن لبنی امیه......ومناعم الخیاة]''[2]

اس کے بعد کہتا ہے: حسینؑ اور یزید ان دو خاندانوں کے کامل نمونہ تھے اس اختلاف کے ساتھ کہ حسینؑ میں تمام ہاشمی فضائل موجود تھے اور یزید میں بنو امیہ کی جو اچھی صفات تھیں وہ بھی موجود نہ تھیں۔

معاویہ کا اخلاق، حاملِ فضیلت نہ تھا

ہمیں پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آیا شرعی اور عقلی لحاظ سے وہ حلم اور صبر قابل فضیلت ہے جو زندگی کا وسیلہ ہو بلکہ اس اخلاق کے ذریعہ انسان فضیلت اور کمال کا طالب ہو اور جو دکھلاوے کا شرافت نفس ہو، ایک تاجر اور

---

[1] [کتاب ابوالشہد ا ص۵۲]

[2] [ترجمہ: اس کے برعکس' بنوامیہ کے پاس کوئی نمونۂ اخلاق اور شمائل دینی کا کوئی قابل توجہ پہلو نہیں تھا بنو ہاشم کے مقابل ان کے خاندان میں کسی کو نبوت کا مقام حاصل نہیں ہوا تھا کہ اس پر فخر و مباہات کر سکیں جبکہ فرزندان بنو ہاشم نبوت کے خاندان سے ہونے پر افتخار کرتے تھے بنوامیہ میں کوئی ایسا شخص بھی نہ تھا جس پر وہ افتخار کریں یا حداقل اس کے ہاتھ کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اچھی صفات کو مشتہر کریں تاکہ انہیں بھی کچھ امتیازات حاصل ہوں اور بنو ہاشم میں جو امتیازات ہیں، ان کی جگہ لے سکیں.....درحالیکہ ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد بھی ان کے خلق وخو پر تجارتی فائدہ اور سیاسی طمع حاکم تھے، لہٰذا بنو ہاشم کے بڑے لوگ ان اخلاقیات شریفہ کیساتھ معروف ہوئے اور بنوامیہ کے بڑے لوگ اپنے سنگین خلق وخو کی وجہ سے رسوا ہوئے، اُن سے (بنو ہاشم) بردباری، صبر، آزمودگی، تیز ہوشی اور خوش فکری کے صفات منتشر ہوئے جبکہ یہ (بنوامیہ) حیلہ گر، مکار و فریب کار، اذیت گر، حریص و طامع، منفعت پرست، راحت طلب اور عیاش مشہور ہوئے]

ایک سیاسی رہنما جس صبر وحلم کا انتخاب کرتے ہیں وہ فقط اپنے مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں اور اس صبر وحلم کی ارزش وقیمت بھی فقط وہی وسیلہ ہے ایسا صبر وحلم انسانی نفس کا کمال وبلندی، پاکیزگی نفس اور مقام انسانی اور خلافت الٰہی کی ارزش شمار نہیں ہوتے، یہ نکتہ بڑی اہمیت رکھتا ہے لہٰذا میں کہتا ہوں کہ بنی امیہ کے اچھے اخلاق کا مظاہرہ صرف مادّی خوبی تھی اور آج کل کے سیاستدانوں کے اخلاق بھی اسی نوعیت کے ہیں میکیاولی جس اخلاق کی بات کرتا ہے، حتٰی ڈیل کارنیگی کا اخلاق بھی اسی گروہ کے اخلاق جیسا ہے یہ اخلاق انسانیت کے اعلیٰ اصول پیدا نہیں کرتے بلکہ یہ تجارت، سیاست اور اچھی زندگی گزارنے کے لئے ہوتے ہیں۔

شہاب الدین ابوالفوارس سعد بن محمد بن سعد بن صیفی، معروف بہ ابن صیفی جن کا شافعیہ فقہاء میں شمار ہوتا ہے اپنی کتاب ''رہنمائے دانشوران'' کی جلد اول میں ''حَیص بیص'' کے زیرِ عنوان ابن خلکان سے نقل کرتے ہیں: ''نصر اللہ مُحلی (یا مُجلی) نے کہا: میں نے خواب میں علی بن ابی طالب+کو دیکھا اور ان سے عرض کی: ''آپ نے مکہ کو فتح کرنے کے بعد اعلان کیا کہ جو بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسکے لئے امان ہے لیکن بعد میں اس نے آپؑ کے فرزند گرامی حسینؑ کے ساتھ جو کچھ کرنا تھا کیا'' اس پر علیؑ نے مجھ سے کہا :

''کیا تم نے ابن صیفی کے اشعار نہیں سنے ہیں'' میں نے کہا: ''نہیں'' کہا: ''خود جا کر اس سے سنو۔''

جب میں خواب سے اٹھا تو ''حیص بیص'' کے گھر گیا اور اس سے اپنا خواب بیان کیا اس کے رونے کی صدا بلند ہوگئی اور کہنے لگا کہ میں نے یہ اشعار کل رات ہی نظم کئے ہیں پھر قسم کھائی کہ میں نے ابھی تک یہ اشعار کسی کو پڑھ کر نہیں سنائے ہیں، اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے:

ملکنا فکان العفو منّا سجیّةً   فلما ملکتم سال بالدّم ابطح
وحللتم قتل الاساری فطالما   غدونا علی الاساری فنعفو ونصفح
فحسبکم هذا التفاوت بیننا   وکل اناء بالذی فیه ینضح

''جب حکومت ہمارے ہاتھ میں آئی تو عفو اور بزرگواری ہماری روش تھی لیکن جب حکومت تمہارے ہاتھ لگی تو سرزمین ابطح میں خون بہہ گیا تم لوگوں نے اسیروں کے قتل کو روا رکھا لیکن ہم

نے اسیروں سے درگزر کیا اور ان کو بخش دیا، یہی فرق ہمارے اور تمہارے درمیان کافی ہے کہ کوزے وہی چیز باہر نکل کے آتی ہے جو اس میں ہو۔''

امام حسین- کا نسب شریف اور واقعہ عاشورا میں اس کا اثر

عقاد لکھتے ہیں: امام حسینؑ کا نسب اور پیغمبر اسلامؐ کی آپؑ سے حد سے زیادہ محبت واقعہ کربلا کا تجزیہ وتحلیل کرتے وقت فراموش نہیں کرنا چاہئے اس مقیاس کے ذریعہ ہم کلی طور پر سپاہ یزید کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کے بے مقصد اور کتنے منفعت پرست لوگ تھے کہ دل میں تو امام حسینؑ کے احترام کے قائل تھے مگر کس طرح برعکس عمل کر رہے تھے اسی خصوصیت کی وجہ سے ان کو سو فیصد بے اصول اور منفعت پرست لوگوں کے ردیف میں قرار دیا جاتا ہے، پیغمبر اکرمؐ کی امام حسینؑ سے محبت کے بہت سے قصے بیان ہوئے ہیں اور اسی طرح پیغمبرؐ کی ان سے محبت کی نسبت امام حسینؑ کے استدلال کا ذکر بھی تاریخ میں ثبت ہے۔

ابوذرؓ سے امام حسینؑ کے فرمودات

عقاد اپنی کتاب کے صفحہ ۶۴ پر امام حسین- کی فصاحت بیان کرتے ہوئے آپؑ کا ابوذر غفاریؓ سے خطاب نقل کرتے ہیں:

[یاعماه ان الله قادر ان یغیر ماقدتری، والله کل یوم فی شان، وقدمنعک القوم دنیاھم ومنعتھم دینک، وما اغناک عما منعوک! وما احوجھم الی ما منعتم، فاسئل الله الصبر والنصر، واستعذبه من الجشع والجزع، فان الصبر من الدین و الکرم وان الجشع لایقدم رزقاً والجزع لایؤخر اجلا] ''چچا جان! خداوند اس چیز پر قادر ہے کہ وہ اس وضع کو دگرگون کر دے، خدا کی ہر روز نئی شان ہے اس قوم نے اپنی دنیا کو آپ سے دور رکھا ہے اور آپ نے اپنے دین کو ان سے بچا کر رکھا ہے حقیقتاً انہوں نے جس چیز سے آپ کو محروم رکھا ہے آپ اس سے کتنے بے نیاز ہیں اور وہ لوگ کس قدر نیازمند ہیں اس چیز کے جس سے آپ نے ان کو محروم رکھا پس خدا سے صبر اور مدد طلب کریں اور حرص و بے تابی سے پناہ

مانگیں کیونکہ صبر دین اور کرم سے ہے حرص نہ تو روزی کو وقت سے پہلے لاسکتی ہے اور نہ ہی بے تابی موت میں تاخیر کرسکتی ہے۔''

عقاد آگے لکھتے ہیں:

[وکان یومئذفی نحوالثلاثین من عمره فکانمااودع هذه الکلمات شعارحیاته کاملة منذادرک الدنیاالی ان فارقهافی مصرع کربلا] ''اس وقت امام حسینؑ ۳۰ سال کے تھے گویا اس دنیا میں پاؤں رکھنے کے دن سے لیکر کربلا کی قتلگاہ میں اس دنیا سے مفارقت پانے تک کی تمام زندگی کے شعار کو ان چند جملوں میں سمودیا۔

ان اشعار کو آپؑ سے نسبت دی جاتی ہے:

اغن عن المخلوق بالخالق　　تغن عن الکاذب بالصادق
واسترز ق الرحمن من فضله　　فلیس غیرالله من رازق
من ظن ان الناس یغنونه　　فلیس بالرحمن بالواثق

''خالق سے وابستہ ہوکر مخلوق سے بے نیاز ہوجاؤ تاکہ سچوں سے متمسک اور جھوٹوں سے بے نیاز ہوجاؤ اور خدائے رحمٰن کے فضل سے روزی طلب کرو کہ خدا کے علاوہ کوئی روزی دینے والا نہیں اور جوکوئی بھی یہ سوچے کہ لوگ اسے بے نیاز کرینگے بے شک وہ خدائے رحمٰن پر اطمینان اور وثوق نہیں رکھتا۔''

یہ اشعار بھی آپؑ سے منسوب ہیں:

لعمرک اننی لاحب داراً　　تکون لهاسکینة والرُباب
اجهماوابذل کل مالی　　ولیس لعاتب عندی عتاب

''تیری قسم کہ مجھے اس گھر سے محبت ہے جس میں سکینہ اور رباب ہوں، میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور اپنی ساری دولت ان کی راہ میں دیتا ہوں اور کسی کی سرزنش میرے لئے کوئی اہمیت

نہیں رکھتی۔''

یزید کی تربیت اور اس کے روحی اور اخلاقی صفات [۱]

یزید کی ماں ''مجدل کلبیہ'' کی بیٹی تھی جو معاویہ کے ساتھ شہری زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتی تھی اس سلسلے میں اسکے کچھ معروف اشعار ہیں:

لَلُبس عبائة وتقرَعینی　　احبَ الی من لبس الشفوف
وبیتٌ تخّفق الاریاح فیه　　احبَ الی من قصرمنیف ...
وخرق من بنی عمی فقیر　　احبَ الیّ من علج عنیف

''خوشی کے ساتھ موٹا کھردرا لباس پہننا اور آنکھ کی روشنی میرے لئے نرم وشکوہ محل سے زیادہ پسند ہے اور میرے لیئے ایک دراز قد اور خوش شکل مرد سے زیادہ بہتر میرے فقیر اور بدخو چچا کے بیٹوں میں سے ایک ہے۔''

معاویہ نے اس عورت کو یزید کے ہمراہ دیہات بھیج دیا اور یزید نے دیہات ہی میں پرورش پائی اسی لئے اس میں دیہاتی اور صحرانشینی اخلاق پایا جاتا تھا اس کی زبان فصیح تھی (یزید کا باقائدہ ایک دیوان ہے جو چھپ بھی چکا ہے کہتے ہیں ابن خلکان یزید کی فصاحت گوئی کے مریدں میں سے تھا) شکار یزید کا پسندیدہ مشغلہ تھا (اسلام میں تفریح اور عیش ونشاط کے لئے شکار کرنے کے حکم کو اور تفریح وعیش ونشاط کے سفر میں مسافر کی نماز کے حکم کو آپ جانتے ہی ہیں) اس کا تیسرا مشغلہ گھوڑسواری اور گھوڑادوڑ کے مقابلوں میں حصہ لینا تھا اسکے علاوہ وہ حیوانات خوصاً کتے پالنے کا بہت شوقین تھا۔

یہ صفات اگر ایک قوی وقدرتمند اور اچھے اخلاق کے حامل شخص میں پائے جائیں تو اس کے کمال اور اس کے قویٰ کے تکمیل کا سبب بنتے ہیں لیکن اگر یہ نازونعم کے پروردوں یا آقازادوں اور شاہزادوں میں پائے جائیں

---

[۱] [امام حسینؑ نے فرمایا: وعلی الاسلام السلام اذقدبلیت الامة براع مثل یزید اب ہم یہ دیکھیں گے کہ یزید کیسا آدمی تھا کہ امام حسینؑ نے اس کے بارے میں یہ جملہ فرمایا]

توان کیلئے بطل اورعیش وعشرت میں غرق ہوجانے کا سبب بنتے ہیں۔

یزیداپنی فصاحت اور بادیہ نشینی کی خصلتوں کی وجہ سے شعراء کی ہم نشینی اوراہل باطل کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھااشعار بھی ایسے کہتا تھا جواسلام میں لغواور بے ہودہ شمار ہوتے ہیں[لأن یملابطن الرجل قیحاًخیرمن ان یملاشعراً]''اگرکسی انسان کا پیٹ خون وپیپ سے بھر جائے تو بہتر ہےاس سے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھر جائے''شعراورتخیل میں غرق ہونے کے بہت سے نقصانات ہیں،شعرگوئی مظاہرِ جمال ہے،اسکے اجتماعی طور پر مفیداثرات ہوسکتے ہیں چنانچہ اس حوالے سے کچھ داستانیں بھی ہیں مگرشعرگوئی کے بُرے اثرات بھی ہوسکتے ہیں ایسی محافل فاسد ہوتی ہیں جوشعراورہواوہوس اورلغویات کا دربارہوں،یزید کے زمانے میں ایسی محافل کاانعقادعام تھابہت سے لوگ تھے جنہوں نے بنوامیہ کے دربار میں ایک شعر پڑھ کر بہت زیادہ دولت حاصل کی۔[1]

غرض شعراءاورمہمل گوافرادکی یزیدکے دربارمیں بہت قدروقیمت تھی خودیزیدنے بھی شراب کے وصف اوردیگرچیزوں کی توصیف میں اشعارکہے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

شمسیة کرم برجهاقعردنها   ومشرقهاالساقی ومغربهافمی

فان حرمت یوماعلی دین احمد   فخذهاعلی دین المسیح بن مریم[2]

دع االمساجدللعبادتسکنها   واجلس علی دکة الخمارواسقینا

ان الذی شربافی سکره طربا   وللمصلین لادنیاولادینا

ماقال ربک ویل للذی شربا   لکنه قال ویل للمصلینا......

''مساجدکوعابدوں کے لئے چھوڑ دوتاکہ وہ لوگ وہاں پرسکونت اختیارکرلیں تم لوگ شراب کی دکان پربیٹھ کرمجھے شراب دو،جوبھی شراب پی لے وہ عالم ہستی میں ناچنا شروع کردے جولوگ نمازپڑھتے ہیں ان کے پاس نہ دین ہے اورنہ ہی دنیا،تمہارے پروردگارنے قرآن

[1] داستان ولیداموی اورابن عایشہ مکتب تشیع ص ۷۵]

میں ویـل لـلذی شربا (وائے ہوشراب پینے والوں پر)نہیں کہا بلکہ ویـل لـلمصلینا (وائے ہونمازپڑھنے والوں پر) کہاہے۔''

انہی اشعارمیں سے ایک اوریہ بھی ہے:

لمابدت تلک الرؤوس واشرقت   تلک الشموس علی ربی جیرون

صاح الغراب فقلت صح اولاتصح   فلقدقضیت من النبی دیونی

''جب وہ سرنمودارہوئے اورسورج قصرجیرون پرنکل آیا توکوے نے آوازدیناشروع کی ،میں نے کہاتوآوازدے یانہ دے،میں نے توپیامبرسے اپناقرض وصول کرلیاہے''۔

اورجواشعارابن الزبعری کے اشعارسے ملحق ہوئے وہ بھی اسی کے اشعارمیں سے ہیں۔

یزیدکاشکاراورتفریح کے شوق میں غرق ہونامملکت کے اموراورسیاسی کاموں پرقابورکھنے میں مانع ہوتا تھا، ناچارکام دوسروں کے ہاتھوں میں تھے، اس کاحیوانات سے کھیلنااوراس میں سرگرم رہنا،اس کے تمام کاموں کوایک مضحکہ خیزصورت دے دیتاتھاوہ نہ فقط گھوڑسواری اورگھوڑدوڑکابہت زیادہ رسیاتھا(یہ کام اسلام میں ممدوح ہے) بلکہ اس نے کچھ بندراورتنیدوابھی لاکررکھے ہوئے تھےاوران سے کھیل کرخوش ہوتا تھاایک بندرکوتربیت دے رکھی تھی بندردوسرے حیوانوں کے مقابل تعلیم قبول کرنے میں بہترہوتاہے(بندراور وزارت کاقصہ)اس بندرکی کنیت ابوقیس تھی(عربوں میں حیوانات کولقب اورکنیت دینے کارواج تھا)

من ذالک ام عریط للعقرب   وهکذاثعالةٌللثعلب

''انہی القاب میں سے ایک اُم عریط ہےجس کی کنیت عقرب ہے،اسی طرح لومڑی کوثعالہ کہتے ہیں''۔

چمپنیزی کوابوجعرانہ پکارتے تھےاورممکن ہے دوسرے حیوانوں کے بھی خاص نام رکھے ہوں جیسا کہ ذکر ہوایزیدنے اپنے بندرکوایک شخصی کنیت،ابوقیس کانام دیاتھاوہ اس حیوان کوابریشم،اطلس اورزربفت کے کپڑے پہناتا تھااس کواپنے شراب کی محفل میں حاضرکرتاتھا(افسوس ہے یزیدکی اورحتماًاس کے دوستوں اورامراء وحکام کی غیرت پرجواس محفل میں حاضرہوتے تھے!)اس کے پاس ایک چالاک گدھی بھی تھی،کبھی یہ اباقیس

اس گدھی پر سوار ہوتا تھا اور گھوڑوں کے مقابلہ میں شریک ہوتا تھا خود یزید بہت چاہتا تھا کہ اباقیس جیت جائے (شاید کبھی گھوڑ سوار بھی یزید کو خوش کرنے کی خاطر عمداً اس گدھی کو دوڑ میں جیتنے دیتے تھے) اس بارے میں یزید ۱؎ کے یہ اشعار ہیں:

تمسک اباقیس بفضل عنانها   فلیس علیها ان سقطت ضمانٌ

الامن رائی القرد الذی سبقت به   جیاد امیر المؤ منین اتان

''اے اباقیس (یزید کے بندر کا نام) اپنی سواری کے لگام کو مضبوطی سے پکڑ لو، اگر زین سے نیچے گر گئے تو تمہاری سواری ضامن نہیں، خبردار! کسی نے ایک ایسے بندر کو دیکھا ہے کہ اسکا جنگلی گدھا امیر المومنین (یزید) کے گھوڑوں سے مقابلہ میں آگے نکل جائے؟''

یہ تھی یزید کے اخلاق کی تھوڑی سی جھلک، معاویہ ایک ایسے شخص کو مسلمانوں کی گردن پر سوار کرنا چاہتا تھا۔

یزید کی حکومت کا طور طریقہ ایسا تھا کہ وہ صلح، معاہدہ اور عہد و پیمان کے قابل نہیں تھا امام حسن- نے معاویہ کے ساتھ صلح کی، معاویہ کے پاس پھر بھی عقل تھی اور کم از کم ایسا اخلاق تھا کہ کسی حدتک حفظ ظاہری کرتا تھا اور سوائے ان حالات کے جو اسکی حکومت اور سیاست کیلئے خطرہ تھے، ظاہری رعایت دکھاتا تھا لیکن یزید کا طور طریقہ اعلانیہ فسق و فجور، ذلت، پستی اور کھلی عیاشی کرنا تھا اگر امام حسینؑ کی طرف سے اسلام اور قرآن کے نام پر اب بھی کوئی قیام نہ ہوتا اور یزید کا دفتر تین سال کے اندر پلٹ نہ دیا جاتا اور چند سال مزید رہ جاتا تو ممکن تھا یزید کے خلاف کوئی دوسرا قیام ہوتا جس میں اسلام عنصر بھی نہ ہوتا، اس وقت عالم اسلام کے لئے خطرہ لاحق ہو جاتا ایک قول کے مطابق یزید کی موت اس وقت واقع ہوئی جب اس نے کسی بندر سے مقابلہ رکھا ہوا تھا، اور شاید وہ وہی ابوقیس تھا۔

۱؎ [کتاب تتمۃ المنتہی میں شاید اس رباعی کو کسی اور سے نسبت دی ہے، اس کتاب میں یزید کے شرح حال کے بارے میں رجوع فرمائیں]

اہل مدینہ کے قیام کا سبب صرف امام حسینؑ کی شہادت ہی نہ تھی اس کا دوسرا سبب یزید کے طور طریق میں تلوّن تھا عبداللہ بن حنظلہ جب کچھ لوگوں کے ساتھ اہل مدینہ کی طرف سے نمایندہ بن کر شام آئے تو وہاں پر پہنچ کر اس قدر ناگوار طور طریقہ دیکھا کہ وہ کہہ اٹھے:

[**واللہ ماخرجنا علی یزید حتیٰ خفنا ان نرمی بالحجارة من السماء، ان رجلا ینکح الامهات والبنات والاخوات، ویشرب الخمر، ویدع الصلاة، واللہ لولم یکن معی احد من الناس لابلیت اللہ فیه بلاء حسناً**] ''خدا کی قسم ہم نے یزید کے خلاف شورش نہیں کی مگر دل میں ڈرتا رہا کہ کہیں آسمان سے ہمارے اوپر پتھر نہ برسیں، وہ ایسا آدمی ہے جو اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے، خدا کی قسم اگر لوگوں میں سے کوئی ایک بھی میرے ساتھ نہ ہوتا، تب بھی میں خود کو خدا کی راہ میں سخت اور بہترین آزمائش میں ڈال دیتا''۔ ۱؎

بعض کہتے ہیں یزید ''ذات الجنب'' میں ۳۷ سال کی عمر میں مرگیا۔

احتمال ہے کہ شراب اور لذات کی زیادتی سے اس کا جگر ختم ہو گیا ہو، یزید بچپن میں دیہات میں چیچک کے مرض میں مبتلا ہوا تھا اور چیچک رو تھا، عقاد کہتے ہیں کہ وہ ایک خوش شکل اور بلند قامت جوان تھا اسی طرح کہتے ہیں کہ وہ مقابلہ کرنے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کا بہت شوقین تھا اسکا زیادہ تر تفریح میں جی لگتا تھا، اس کا مزاج اپنے باپ دادا کی طرح بہادرانہ نہ تھا جس طرح یزید کی ماں کے خاندان کے لوگوں، عتبہ اور اس کے چچا ولید اور شیبہ میں شجاعت اور عربی دلیری پائی جاتی تھی، یزید میں ذاتی طور پر یہ خصلت نہیں تھی، وہ سراپا ایک مہمل، عیاش اور احمق انسان تھا معاویہ کے زمانہ میں معاویہ نے سفیان بن عوف کو جب جنگِ قسطنطنیہ کے لئے یا قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا تو یزید نے فوج کے حرکت میں آنے تک اپنے آپ کو بیمار ظاہر کیا اور بد دلی دکھائی، بعد میں یہ خبر ملی کہ فوج مرض اور قحط سے دوچار ہے، جب یہ خبر یزید عیاش تک پہنچی تو اس نے یہ

۱؎ [کتاب ابوالشہداء ص ۷۸]

اشعار کہے :

ماان ابالی بمالاقت جموعهم   بالفرقدونة من حمی ومن موم

اذااتكات علی الانماط مرتفقاً   بدير مرّان عندی ام كلثوم

”مجھے کیا فکر اگر تمام لشکر اسلام مرض چیچک سے مرجائے، میں ابھی دیر مران کی مسیحی عبادت گاہ میں بالین پر زم تکیہ دیئے راحت وآرام سے ہوں اور اُمّ کلثوم میری آغوش میں ہے۔“

معاویہ نے جب سنا تو اس نے قسم کھائی کہ میں یزید کو فوج میں شامل نہیں کروں گا تا کہ شماتت کے ننگ وعار کو دور کروں۔

یہاں پر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ یزید کا عہدہ سنبھالنا جو کسی قسم کی لیاقت نہیں رکھتا تھا (نہ خلافت کی لیاقت اور نہ ہی مملکت کو چلانے اور سیاست کی لیاقت رکھتا تھا) فقط اس عہد کے مسلمانوں کے اخلاق کو بتدریج فاسد کرنے کا سبب بنا، معاویہ میں بھی اگرچہ خلافت کی لیاقت نہیں تھی لیکن وہ سیاست جانتا تھا اور ملک کا نظم ونسق چلانیکی لیاقت رکھتا تھا۔

۲۔ حضرت عمرؓ اور معاویہ کے درمیان ایک ظاہری فرق نظر آتا ہے، وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کو یہ پسند نہیں تھا کہ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ کے لئے انتخاب کریں یا شوریٰ میں اس کو بھی شامل کریں، انہوں نے کہا تھا: ”عبداللہ اپنے گھر کے کاموں میں بھی سوچ بچار کرنے سے عاجز ہے“ لیکن معاویہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یزید میں خلافت کی لیاقت نہیں، تمام کاموں کو اس کے سپرد کر دیا۔

قلوبهم معک وسيوفهم عليک

فرزدق نے امامؑ سے کہا:

[قلوب الناس معک وسيوفهم مع بنی امیه والقضاء ینزل من السماء والله یفعل مایشاء] ”لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ

ہیں قضا آسمان سے آتی ہے خدا جو کام چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔“ ۱؎

مجمع بن عبید عامری ۲؎ نے کہا:

[اما أشراف الناس فقد اعظمت رشوتهم وملئت غرائرهم، فهم الب واحد علیک و اما سائر الناس بعدهم فان قلوبهم تهوی الیک وسيوفهم غدا مشهورة علیک] ”لیکن شرفاء کو بہت زیادہ رشوتیں دی گئی ہیں، ان کی جھولیاں بھر گئی ہیں لہٰذا سب لوگ آپؑ کے خلاف متحد ہو گئے ہیں لوگوں کے دل اب بھی آپ کی طرف مائل ہیں لیکن ان کی تلواریں کل آپؑ کے خلاف اٹھیں گی۔“

بشر بن غالب نے بھی ذات عرق کے مقام پر امامؑ سے ایسی ہی باتیں کی۔ ۳؎

فرزدق نے عوام کے نظریہ کو بیان کیا ہے، وہ عوام کہ جو اپنے کبراء اور رؤساء کی روش کے محکوم ہوتے ہیں اور خود اپنا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لیکن مجمع بن عبید نے جو تجزیہ کیا وہ یہ کہ بے ایمان شرفاء کی پیروی عام لوگ اس طرح کر رہے تھے جس طرح کمزور عقیدہ کے مؤمن اپنے مسلک کے مقلد کے تابع ہوتے ہیں، قرآن کی منطق کے مطابق یہ دونوں گروہ جہنمی ہیں، حقیقت میں فرزدق کے اس جملہ کے معنی کہ لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں، یہ ہے کہ ان کے دل کسی کام کے نہیں اور ایک معزول حاکم کی طرح سے ہیں، ان کے پیٹ آپ کے دشمنوں کے ساتھ ہیں یہ لوگ اپنے شکم کے غلام ہیں اور شکم کے حکم پر دل سے جنگ کرتے ہیں۔ آپؑ سے جنگ کرنے سے پہلے یہ لوگ شکم کی فوج کرلے کر اپنے دلوں سے جنگ کرنے کیلئے نکل چکے ہیں اور اپنے ضمیروں کو مجروح کئے ہوئے ہیں۔ فرزدق کے قول سے ہمیں اجمالاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے کسی انسان کا دل حق کا خواہاں ہو اور حق کی آرزو کرتا ہو لیکن عین اُسی وقت اس کا عشق اور تعلق اس کے قدم کو کسی اور طرف اٹھا دیں اور اپنے محبوب کو خنجر گھونپ دیں، کہتے ہیں کہ مامون ایک امام کُش شیعہ تھا جبکہ عام لوگ حق پسند ہوتے ہیں، یہ ایک قسم کی جھوٹی دوستی یعنی ایسی دوستی ہے جس کی جڑ نہ ہو، یہ سچی آرزو اور جھوٹی آرزو کی نظیر اور

۱؎ [نفس المھموم ص۹۱]   ۲؎ [یا عامر بن مجمع عبیدی، مجمع بن عامر]   ۳؎ [نفس المھموم ص۹۳]

صبح کاذب اور صبح صادق کی نظیر ہے۔

[**تعصی الاله و انت تظهر حبهُ......**] ''خداند عالم کی معصیت کرتے ہو اور اس سے دوستی کا اظہار بھی کرتے ہو.......''

معاویہ اور یزید کے انصار اور مشیروں میں فرق [1]

عقاد، اپنی کتاب میں معاویہ کے اعوان وانصار کو کہ جو عقلاء تھے، انصار الدول [2]۔ اور بناۃ العروش [3] کے نام سے یاد کرتے ہیں، لیکن یزید کے انصار کو جلّادین کہتے ہیں کتاب ''ابوالشہداء'' کے صفحہ ۸۸ پر لکھتے ہیں:

[**فکان اعوان معاویہ ساسة و ذوی مشورة ،و کان اعوان یزید جلّادین و کلاب طراد فی صید کبیر**] ''معاویہ کے تمام ساتھی سیاست مدار اور اہل مشورہ تھے اور یزید کے تمام ساتھی جلّاد اور آوارہ کتے تھے جنہیں اس نے بڑے شکار کے لئے چھوڑ رکھا تھا''

یزید کی یہ عادت تھی کہ وہ کتوں کو بیگناہ شکار کے تعاقب میں چھوڑ دیتا تھا، عقاد یزید کے ساتھیوں کو دنیا پرستوں اور دنیا کے ہواداروں سے بڑھ کر بتلاتے ہیں معاویہ کے اردگرد عمرو عاص اور اس دور کے اس جیسے دوسرے زیرک اور ہوشیار دنیا پرست تھے جبکہ یزید کے ساتھی ایسے لوگ تھے جنکی بشری فطرت کلی طور پر مسخ ہو چکی تھی۔

شمر، عبیداللہ اور مسلم بن عقبہ کے اخلاق وصفات

ان تینوں میں سے ہر ایک کے جسم یا نسب میں کوئی نہ کوئی نقص تھا ماہر نفسیات (PSYCHOLOGISTS) کے مطابق جب کسی میں کوئی نقص وعیب ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس نقص وعیب کی وجہ سے پیدا شدہ خلا کو پُر کرے اور اس کے لئے وہ بڑی سرگرمی سے کام کرتا ہے [4] کبھی وہ دوسروں کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے اور کبھی ان کو ذلیل کر کے اپنے اس عیب ونقص کی جبران کرنا چاہتا ہے تا کہ توازن برقرار رہے۔

---

[1] [**تُعرف لاشیا باضدادها** (اشیا کی پہچان انکی ضد سے ہے) کے مطابق اس وقت کے حاکم کی ہیئت کو اسلئے جاننا چاہئے تا کہ امام حسینؑ اور آپ کے نہضت کے اسرار سے واقفیت ہو سکے۔] [2] [انصار الدول یعنی حکومت کے مددگار۔] [3] [بناۃ العروش: یعنی عرش کو اٹھانے والے۔ بطور کنایہ استعمال ہوا ہے کہ اس کی حکومت کے ستون تھے] [4] [جدید علم نفسیات میں اس کو انتقامی طریہ (mechanlsm) کہتے ہیں]

شمر کے بارے میں کہا گیا ہے:

[**کان ابرص کریہُ المنظر ،قبیح الصورة و کان یصطنع المذهب الخارجی یحارب بهاعلیّاًو ابنائه ،ولکن لایتخذحجة لیحارب بهامعاویه و ابنائه**] ''شمر برص کی بیماری میں مبتلا تھا اور بدشکل اور مکروہ چہرہ کا حامل تھا اس نے خوارج کا مذہب اختیار کیا ہوا تھا (کیونکہ اس مذہب کے زیرِ سایہ وہ اجتماع سے بہتر طور پر انتقام لے سکتا تھا) تا کہ اس بہانے علیؑ اور ان کے فرزندوں سے جنگ کر سکے، البتہ وہ اس مذہب کو دلیل اور حجت قرار نہیں دیتا تھا تا کہ معاویہ اور اس کی اولاد سے بھی جنگ کر سکے۔''

مسلم بن عقبہ کے بارے میں کہتے ہیں: [**کان اعور امغر ،ثائر الراس ،کانمایقلع رجلیه من وحل اذامشی**] ''وہ یک چشم اور سفید بال تھا اور جب چلتا تھا تو لگتا تھا کہ کیچڑ سے ٹانگیں نکال رہا ہے۔''

عبیداللہ کے بارے میں کہا گیا ہے:

[**کان متّهم النسب فی قریش لان اباه زیاداً کان مجهول النسب فکانوا یسمونه زیادبن ابیه ،ثم الحقه معاویة بابی سفیان. القصه......و کانت اُم عبید الله جاریة مجوسیة تدعی مرجانةفکانوا یعیرونه بهاوینسبونه الیها، کان الکن اللسان لایقیم نطق الحروف العربیة، فکان اذاعاب الحروری من الخوارج قال (هروری) فیضحک سامعوه ، و اراد مرّةان یقول: اشهرواسیوفکم فقال: افتحواسیوفکم فهجاه یزیدبن مفرغ**] [1] ''عبیداللہ، قریش میں اپنے نسب

---

[1] اس سلسلہ میں قزوینی کی کتاب ''۲۰ مقالہ'' ص ۳۹ پر یزید بن مفرغ کی داستان اور عباد بن زیاد کے اس معروف شعر کی طرف رجوع کریں: [الا لیت اللحی کانت حشیشا فنعلفها خیول المسلمینا] قزوینی نے اپنی کتاب میں آغانی جلد ۱۷ ص ۵۶، طبری سلسلہ ۲ ص ۱۹۲ اور ۱۹۳ ل ۱۱ اور طبقات الشعراء ابن قتیبہ ص ۱۲۰ کی طرف رجوع کرنے کیلئے کہا ہے۔ البتہ ''۲۰ مقالہ'' میں یہ بیان مختصر ہے۔ اس قصہ کی تفصیل کیلئے کتاب ابن خلکان ج ۵ ص ۳۸۴ کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

کی وجہ سے متہم تھا (اہل عرب حلال زادہ ہونے کے علاوہ اپنے نسب پر بھی بڑا افتخار کیا کرتے تھے اور اس کو بہت زیادہ اہمیت دیا کرتے تھے) چونکہ اس کا باپ، زیاد نسبی لحاظ سے مجہول تھا، اسلئے اس کو زیاد بن ابیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا بعد میں معاویہ نے اس کو ابوسفیان کا فرزند قرار دے دیا (یہ داستان بہت معروف ہے) عبیداللہ کی ماں کسی مجوسی کی کنیز تھی اس کا نام مرجانہ تھا (شاید ایرانی تھی اور ایران ہی میں اس کو جنا تھا) لوگ عبیداللہ کی سرزنش کرتے ہوئے اس کو مرجانہ سے نسبت دیتے تھے اس کی زبان مین لکنت تھی جسکی وجہ سے وہ عربی حروف کو صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتا تھا جب کسی خارجی کی عیب جوئی کرنا چاہتا تو "حروری" کی جگہ پر "ہروری" کہتا جس پر سننے والے ہنس پڑتے تھے ایک دفعہ جب وہ کہنا چاہتا تھا کہ اپنی تلواروں کو نیام میں کرلو تو اس کے بجائے اس نے کہہ دیا اپنی تلواروں کو کھول دو، یزید بن مفرغ نے اس شعر میں اس کے عیوب کو بیان کیا ہے۔"

ویوم فتحت سیفک من بعید   اضعت و کل امرک للضیاع

"جس دن تو اپنی تلوار کو دور سے کھولے گا، اپنے آپ کو ضائع کر دیگا اور تیرے تمام کام ضائع اور بے ہودہ ہیں"

مسلم بن عقیل نے اس کے بارے میں کہا ہے:

[ویقتل النفس التی حرم اللہ قتلھا علی الغضب والعداوۃ وسوء الظن و ھو یلھو و یلعب کانہ لم یصنع شیئاً] [1] "وہ بے گناہ انسانوں کو محض غصہ، دشمنی اور بدگمانی میں قتل

---

[1] [کتاب "ضحی الاسلام" کے ج ۱ ص ۱۷۵ پر ہے:

قال یزید بن معاویہ یعدد فضل بیتہ علی زیاد بن ابیہ: لقد نقلناک من ولاء ثقیف الی عز قریش ومن عبید الی ابی سفیان، ومن القلم الی المنابر] "یزید بن معاویہ زیاد بن ابیہ سے اپنے خاندان کے فضائل بیان کرتے ہوئے بولا: ہم تمہیں ثقیف کی غلامی سے نکال کر قریش کی عزت میں لائے اور غلامی سے نکال کر ابوسفیان کے ہاں لائے اور قلم (کاتب) سے نکال کر منبروں پر لے آئے"]

کرتا تھا اور اسی حال میں لہو ولعب میں یوں سرگرم ہوتا تھا جیسے اس نے کسی برے کام کا ارتکاب کیا ہی نہ ہو"

(یہ اس کے وجدان کے مردہ ہونے کی وجہ سے تھا) عبیداللہ واقعۂ کربلا کے وقت فقط ۲۸ سال کا تھا۔

عبیداللہ کے باپ زیاد نے اہل بصرہ سے یزید کے لئے بیعت لینے سے انکار کیا تھا، اس وجہ سے یزید، زیاد اور اس کے بیٹے دونوں کو پسند نہیں کرتا تھا [1] عبیداللہ کی یزید کی زیادہ خدمت کرنے اور خود کو زیادہ مخلص دکھانے کی ایک علت یہی تھی اسکے برخلاف عمر بن سعد صرف منصب، پیسہ اور لذات کی لالچ میں اندھا اور بہرا بن کر یزید کی اطاعت کرتا تھا۔

امام حسینؑ کا غیر معروف راستہ سے سفر کرنے سے احتراز

کتاب "نفس المہموم" ص ۴۰ پر ہے:

[فقال لہ اہل بیتہ! لو تنکبت الطریق الاعظم کما فعل ابن الزبیر کیلا یلحقک الطلب فقال: لا واللہ لا افارقہ حتیٰ یقضی اللہ ما ھو قاض] "امام حسینؑ کے خاندان کے لوگوں نے آپؑ سے کہا: "بہتر ہے آپ معمول کے راستہ سے نہ جائیں جس طرح کہ ابن زبیر بھی نہیں گئے تاکہ لوگوں کی دسترس سے بچے رہیں" آپؑ نے فرمایا: "نہیں خدا کی قسم میں اس راستہ کو نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ خدا نے میرے لئے جو قضا مقرر کی ہے، وہ ہو کر رہے۔"

یہ بھی آپؑ کی روحی شجاعت، دلیری، اسد اللّٰہی اور مردانگی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت مسلم کے تنہا رہ جانے کے بعد ابن زیاد نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ نماز مسجد میں پڑھے گا اس نے کہا:

[برئت الذمۃ من رجل من الشرطۃ والعرفاء والمناکب (رؤوس العرفاء) و المقاتلۃ صلی العشاء الا فی المسجد] "میں نے اُن تمام پولیس افسروں، قبیلوں کے سرداروں اور فوجیوں سے اپنا امان واپس لے لیا ہے جو مسجد میں نماز عشاء ادا نہ کریں گے یہاں "مقاتل" کے معنی سرباز کے ہیں "شرطہ" کی جمع شُرَط ہے **[وھم الطائفۃ من خیار اعوان**

الولاۃوفی زماننا ھم رؤساء الضابطۃ] (المنجد): (شُرط زمام داروں کے سب سے بہتر مددگاروں کے گروہ کو کہتے ہیں اوراس سے ہمارے زمانے کی پولیس یا ملک کا امن بحال کرنے والے مراد ہیں) ''عرفاء'' عریف کی جمع ہے۔القیم بامر القوم ' کسی قوم کے امور کے سرپرستوں کو عرفاء کہتے ہیں ''مناکب ''منکب کی جمع ہے اور یہاں یہ لفظ عریف کے معنی میں ہے' پس یہاں پر مناکب سے ان لوگوں کے رؤساء مراد ہیں۔

اباعبداللہؑ کی جنگ میں پہل کرنے سے کراہت

امام حسینؑ اور حر کے نینوا پہنچنے کے بعد عبیداللہ کا خط پہنچا:

[امابعدفجعجع بالحسینؑ حتٰی یبلغک کتابی ویقدم علیک رسولی :فلا تنزلہ الابالعراء فی غیرحصن وعلی غیرماء] ''جیسے ہی میرا قاصد تم تک پہنچے اور میرا خط تمہیں ملے حسینؑ پر سختی کرو' اُن سے جدا مت ہونا یہاں تک کہ ان کو کسی خشک اور بے آب زمین پر اتار لو۔''

زہیر نے اس وقت امامؑ کو ان سے جنگ کرنے کی تجویز دی تو اباعبداللہؑ نے فرمایا:

[انی اکرہ ان ابدائھم بالقتال] ''مجھے پسند نہیں کہ میں ان لوگوں سے جنگ کرنے میں پہل کروں''

جنگ میں پہل نہ کرنا آپؑ کا اصول تھا،حضرت علیؑ کا قصہ اور آپؑ کا کریب بن الصباح کے قتل پر اس آیت کریمہ کا پڑھنا اسی اصول کا اعلان تھا:

﴿الشھرالحرام بالشھرالحرام والحرمات قصاص......﴾ ''شہر حرام کا جواب شہر حرام ہے اور حرمات کا بھی قصاص ہے' لہٰذا جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو۔اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ سمجھ لو کہ خدا پرہیزگاروں ہی کے ساتھ ہے'' (بقرہ/۱۹۴)

امامؑ نے فرمایا: ''اگر تم لوگ ابتداء نہ کرو' تو ہم ابتدا نہ کریں گے۔''

عمرسعد کا مأمور ہونا

کتاب ''نفس المھموم'' میں ص۱۱۴ پر لکھا ہے:

[وکان الدیلم قدثاروا علی یزیدبن معاویہ واستولوا علی دستبی بارض ھمذان ' فجمع ھم عبیداللہ بن زیادجیشاً] ''دیلم نے یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ہمدان کے دستبی نامی مقام پر وہ صاحب قوت تھا۔عبیداللہ بن زیاد نے (اس کے خلاف جنگ کیلئے) ایک فوج تیار کی۔''

معلوم ہوتا ہے کہ دیلم سے جنگ کرنے کا حکم عبیداللہ نے کوفہ آنے سے پہلے' یعنی جب وہ فقط بصرہ کا حاکم تھا عمرسعد کو دیا تھا۔

امام حسین- سے لوگوں کی جنگ کرنے سے باطنی کراہت

کتاب ''نفس المھموم'' ص۱۱۶ پر لکھا ہے:

[وکان جنودالجیش یتسللون منہ ویتخلفون بالکوفۃ ' فندب عبیداللہ رجلاً من اعوانہ (ھوسعدبن عبدالرحمن المنقری)لیطوف بھاویاتیہ بمن تخلیف عن المسیرلقتال الحسینؑ وضرب عنق رجل جئ بہ. وقیل انہ من المتخلفین فاسرع بقیتھم الی المسیر] ''اور لشکر کے لوگ مخفی طور پر فرار کر جاتے تھے اور کوفہ میں جا بیٹھتے تھے۔عبیداللہ نے ایک دوست کو بلا کر حکم دیا کہ کوفہ میں گشت کرے اور جس کسی کو بھی حسینؑ کی طرف حرکت کرنے سے ہچکچاتا دیکھے' اس کے پاس لے آئے چنانچہ ایک ایسے شخص کو اس کے پاس لایا گیا تو اس نے اسے قتل کر دیا کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد باقی لشکر تیزی سے حرکت کر گیا۔''

اہل کوفہ نے ابن زیاد کی موافقت اور تبعیت میں جتنی جانیں دیں' اتنی ہی تعداد بلکہ اس تعداد کی ایک دہائی (دسواں حصہ) بھی اگر اس کی مخالفت میں دے دیتے تو وہ اپنی دلی آرزو (یعنی بنوامیہ کا سقوط) حاصل کر لیتے لیکن یہ لوگ درندہ خُو ہو چکے تھے' خود باختہ تھے' اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکتے تھے اور اپنے کاموں کو منظّم شکل نہیں

دے سکتے تھے جناب ہانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ چند ہزار مسلح افراد ہوتے تھے، عجیب بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنی درندگی اور غضب دکھا کر ان سب کو مرعوب کر لیا ابن زیاد اپنے ساتھ شام یا بصرہ سے تو کوئی فوج بہرحال لے کر آیا نہیں تھا۔

فلسفۂ قیام حسینیؑ

عقاد کہتے ہیں:

[انما الحکم فی صواب الحسینؑ وخطئه لامرین لایختلفان باختلاف الزمان واصحاب السلطان، والبواعث النفسیه التی تدور علی طبیعة الانسان الباقیة والنتائج المقررة التی مثلت للعیان باتفاق الاقوال......] ''قیام امام حسینؑ صحیح تھا یا غلط' یہ دو الگ موضوعات ہیں، زمانہ اور حکمرانوں کے فرق سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اس قیام کے جو اثرات مرتب ہوئے اور جو نتائج برآمد ہوئے' وہ واضح طور پر عیاں ہیں اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔''

یزید کی خلافت کے نفسانی علل اور اسباب کو عقاد اس طرح بیان کرتے ہیں: اول تو یزید کی حکومت پائیدار' مضبوط اور مستحکم نہیں تھا (جیسا کہ معاویہ کی حکومت تھی) تنہا مغیرۃ بن شعبہ نے کہ جو اس وقت کوفہ کا معزول شدہ حاکم تھا، یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی تھی، خود معاویہ نے اس تجویز کو اسوقت باور نہ کیا اور اس سلسلے میں زیاد سے مشورہ کیا مگر اس نے بھی اس کو مصلحت نہیں جانا (کم از کم اس وقت) مروان بن حکم تو اس تجویز کا سخت مخالف تھا ہی، کیونکہ وہ خود خلافت کی لالچ میں تھا حتٰی کہ اس نے اس بابت شورش برپا کرنے کے بارے میں بھی سوچا لیکن بعد میں اپنے لئے ماہانہ ہزار دینار اور اپنے دوستوں کے لئے سو (۱۰۰) دینار پر قانع ہو گیا۔ عثمانؓ کے بیٹے سعید نے معاویہ سے گلہ کیا کہ میرے ماں، باپ اور خود میں یزید اور اس کے ماں باپ سے بہتر ہیں، بعد میں وہ بھی خراسان کی حکومت ملنے پر راضی ہو کر چلا گیا غرض یہ کہ یزید کی حکومت کو خود استقرار نہیں تھا دوم یہ کہ یزید کی حکومت کی بناء ابتدا ہی سے علیؑ اور آل علیؑ پر سب وشتم پر تھی اگر امام حسینؑ بیعت کر لیتے

تو ناچار ایفاء کرتے اور یہ اس بری سنت کا امضاء (مہر ثبت کرنا) ہوتا اور نسلاً بعد نسل لوگوں کے لئے یہ قابل قبول واقع ہو جاتا، یزید کی حکومت معاویہ کی حکومت سے سو درجہ بدتر تھی' چونکہ رسوا زدہ تھی۔

اب ذرا اس حرکت کے نتائج کی طرف رجوع کرتے ہیں:

اولاً خود یزید معرکۂ کربلا میں کامیابی کی خوشی کا گھونٹ خلق سے نیچے نہیں اُتار سکا، کربلا کے حادثہ کے بعد مدینہ کا حادثہ تھا، عبداللہ بن زبیر کو واقعۂ کربلا کے طفیل تبلیغات کے اچھے وسائل مہیا ہوئے اور مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ بعد میں ''یالثاراتِ الحسینؑ'' ایک ایسا ستارہ بن کر روشن ہوا جس نے امویوں کو بعد کے ساٹھ سالہ دورِ حکومت میں ہمیشہ لرزہ براندام رکھا۔ لہٰذا بعض مؤرخین جیسے مارٹن جرمن سمجھتے ہیں کہ حسینؑ سیاست اول روز سے ہی اِن اہداف کی طرف متوجہ تھی۔

امام حسینؑ کے بچوں اور خواتین کو ساتھ لے جانے کے بارے میں عقاد کہتے ہیں:

[انما یبدو الخطاء فی هذه الحرکة حین تنظر الیها من زاویة واحدة ضیّقة المجال قریبة المرمی، وهی زاویة العمل الفردی الذی یراض باسالیب المعیشة الیومیة ویدور علی النفع العاجل للقائمین به والداعین الیه......] ''حضرت مسلمؒ ابن زیاد کے گروہ کے لوگوں کی طرح بہت سے ایسے کام انجام دینے کی قدرت رکھتے تھے مثلاً دوسروں کا مال غصب کر لینا' بخششیں دینا اور کچھ لوگوں کو قتل کر دینا' لیکن یہ سب اس اصول کے خلاف تھا جسکی وہ پیروی کر رہے تھے حضرت مسلمؒ جب شہید ہونے کے لئے آمادہ ہوئے تو اس وقت وصیت کی کہ مجھ پر سات سو (۷۰۰) درہم کا قرض ہے، میری زرہ اور تلوار کو بیچ کر اسے ادا کر دینا۔'' [1]

(حضرت امام حسینؑ کا فرمان سہم امام کا اجازہ دینے کے مترادف تھا مگر پھر بھی حضرت مسلم اپنے کوفہ میں چند روزہ قیام

[1] [اس حرکت وقیام کے بارے یں خطا واشتباہ یہاں سے شروع ہوا ہے کہ ہم فقط ایک تنگ اور محدود زاویہ سے اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں اور وہ زاویہ انفرادی عمل کا زاویہ ہے ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو روزمرہ زندگی کے گونا گوں اسباب میں پھنسے رہتے ہیں اور جو فقط جلدی ملنے والی دنیوی منفعت کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں''۔ ہم ایک مرتبہ امام حسینؑ پر بطور ایک محدود شخصیت کے نظر کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح

کے دوران لوگوں کے مال ومتاع کو صاف کرنے کی فکر میں نہیں پڑے)

کلمۂ کربلا: کہتے ہیں کہ کربلا اصل میں ''کور بابل'' تھا۔

روحیۂ اصحاب امام حسینؑ، ان کا عشقِ صادق اوران کا انتخاب مرگ وایثار

آثرَو الموت یعنی اختیاری طور پر موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دینے کی خصوصیت تمام شہدائے کربلا میں تھی ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس کے پاس بچ کر نکل جانے کا موقع میسر نہ رہا ہو کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ناگہانی طور پر کچھ مرد یا عورتیں یا کچھ مرد اور بچے کسی جگہ پر گرفتار ہو جاتے ہیں، بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا اور بہت زیادہ دردناک حالت میں مارے جاتے ہیں دنیا کے دیگر فجیع حوادث کے مدمقابل حادثہ کربلا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سب لوگ اس حادثہ سے نجات پانے کا راستہ اختیار کر سکتے تھے بس اسکے لئے ذلت اور بے ایمانی کو قبول کرنا پڑتا لیکن یہاں سب ہی نے ایمان، فداکاری، ایثار اور تعظیم حق کو ترجیح دی، وہ جمالِ اخلاق، شہادت کی زیبائی اور کمال عبودیت کو درک کر چکے تھے، حضرت عباس بن علیؑ کے امان نامہ کا قضیہ، محمد

اچھا کھانا کھائیں، اچھے لباس پہنیں، بہتر آقائی کریں، راحت اور آسایش سے رہیں، عیش اور خوشی کے تمام اسباب اور لوازمات انکے لئے مہیا ہوں، اُس وقت ہم کہیں گے کہ اس آدمی کے لئے اور اس کی مصلحت کیلئے دوسروں (جیسے ابن زیاد) کے مقابل میں چنین اور چنان ہونا چاہئے، اور ایک مرتبہ ہم امام حسینؑ کو ایک وسیع تر اور عظیم تر شخصیت کا حامل دیکھتے ہیں، ان کو دنیا کے دوسرے تمام لوگوں سے مختلف پاتے ہیں پس آپؑ اپنے عصر میں بھی اور دوسرے زمانوں میں بھی ایک عظیم اور نادر شخصیت تھے آپ کا وجود ایک سلسلۂ اصول کا وجود بن گیا۔ عدل ہوا، حق ہوا، توحید ہوا، راستی اور صراحت ہوا، نماز اور بندگی ہوا آپؑ سب کا مجسمہ بن گئے تھے۔

﴿قل ان کان آبائکم وابناء کم وازواجکم......﴾ ''کہہ دو اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی، اور مال جو تم کماتے ہو، اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جس کو پسند کرتے ہو، خدا اور اسکے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہانتک خدا اپنا امر (عذاب) بھیجے'' (توبہ/۲۴)

بن بشر الحضرمی کا قصہ اور سید شہداء- کا اصحاب سے بیعت کا واپس لینا عمومی طور پر، اور جناب قاسم کا قضیہ اور سیاہ غلام جون کا قضیہ، یہ سب اختیاری موت کو ترجیح دینے کے گواہ ہیں۔

اباعبداللہؑ کے اصحاب کی دوسری خصوصیت تھی کہ انہوں نے حضرت امام حسینؑ اور بنو ہاشم کی شہادت سے پہلے اپنے آپ کو منزلِ شہادت تک پہنچایا اور یہ ان کا اپنے قائد پر کمال ایمان ہونے کی دلیل تھی۔ اباعبداللہؑ کے اصحاب نے نہ تو اُجرت ومزدوری کے لئے جنگ کی اور نہ ہی کسی ڈر اور خوف کی وجہ سے، بلکہ فقط ایمان، عقیدہ اور آزادی کے لئے جنگ کی۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے کسی بھی مقام پر تسلیم ہونے اور سلامتی سے باہر نکل آنے کے لئے کوئی عذر یا توجیہ پیش نہیں کی، عقاد اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۷ پر لکھتے ہیں:

[**ولم یخطر لاحدمنهم ان یزیّن له العدول عن رأیه ایثاراًلنجاتهم ونجاته، و لو خادعوا انفسهم قلیلا لزیّنوا له التسلیم وسمّوه نصیحة مخلصین یریدون له الحیاة، ولکنهم لم یخادعوا انفسهم ولم یخادعوه وراء اصدق النصیحة له ان یجنبوه التسلیم ولا یجنبوه الموت، وهم جمیعاً علی ذلک**] ''کسی کے بھی ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ اپنی نجات کی خاطر یا امامؑ عالی مقام، کی نجات کے لئے اس سفر سے واپس جانے کی کوئی بات امامؑ سے کی جائے۔ اگر یہ لوگ اپنے آپ کو فریب دینا چاہتے تو امامؑ کی خدمت میں دشمن کے سامنے تسلیم ہونے کی بات کرتے اور اس کو خیر خواہی اور نصیحت کا نام دے دیتے اور ایسا ظاہر کرتے کہ وہ پر خلوص ہیں اور امامؑ کی زندگی کو باقی رکھنے کے آرزومند ہیں (جیسا کہ ابن عباس اور دیگر لوگوں نے کیا تھا) لیکن انہوں نے نہ اپنے آپ کو فریب دیا اور نہ امامؑ کو، اور سچّی خیر خواہی اسمیں دیکھی کہ خود کو دور رکھا تو تسلیم ہونے سے، نہ کہ مرگ اور موت سے۔ اور وہ سب کے سب ہی ایسے تھے''۔ اسکے باوجود کہ یہ لوگ اپنے اہل وعیال اور اطفال کو دیکھتے تھے'' اور ان کی عاقبت سے بھی باخبر تھے لیکن یہ ایک عجیب بات ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکتب

حسینؑ عشق کا مکتب تھا۔[مناخُ رُکابٍ ومنازل عُشّاقٍ] ''یہ سواروں کے گرنے کی جگہ اور عاشقوں کا محل نزول ہے۔''

شود آسان به عشق کاری چند — که بود نزد عقل بس دشوار

''جو کام عقل کے مطابق بہت زیادہ دشوار ہو، وہ عشق کے ذریعہ چنداں آسان ہو جاتا ہے۔''

منطق ابن عباس اور منطق امام حسین

ابن عباس کی منطق، سیاست کی منطق اور سیاست بازی تھی، انہوں نے عقلی منطق کے مطابق صحیح کہا تھا:

[انی اتخوف علیک فی ھذاالوجہ الھلاک، ان اھل العراق قوم غدر، اقم بھذا البلد فانک سید اھل الحجاز، فان کان اھل العراق یریدونک کما زعموا فلینفوا عدوھم، ثم اقدم علیھم، فان ابیت الاان تخرج فسر الی الیمن فان لھا حصوناً وشعاباً ولأ بیک بھا شیعۃ] ''مجھے خوف ہے کہ اس سفر میں آپؑ قتل ہو جائیں گے کیونکہ اہل عراق ایک غدّار قوم ہیں۔(آپؑ بھی ان سے سیاست بازی کریں اور ان سے غدر کریں) اسی شہر میں رُک جائیں کیونکہ آپؑ اہل حجاز کے سرورو سردار ہیں، اگر اہل عراق آپؑ کے خواہاں ہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ پہلے وہ آپؑ کے دشمنوں کو وہاں سے دور کریں اور انہیں اپنے شہر سے نکال دیں (دانہ کو بھوسہ سے جدا کرنے کیلئے وہ خود نکلیں اگر مر بھی گئے تو کوئی بات نہیں، اگر غالب ہو گئے اور آپؑ کے لئے موقع مہیا ہو جائے تو پھر آپؑ چلے جایئے گا۔ یہ درست سیاست بازوں کی منطق ہے، یہ دنیاوی نفع کے حصول کی منطق ہے، نہ کہ شہیدوں کی منطق) اس کے بعد آپؑ وہاں چلے جائے گا اگر قطعی طور پر باہر نکلنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے تو یمن کی طرف چلے جایئے، اسلئے کہ وہاں بہت سے قلعے اور درّے ہیں اور وہاں آپؑ کے والد گرامی کے شیعیان بھی ہیں۔''

ابن عباس کی باتوں کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل عراق اپنے حاکم کو باہر نہیں نکالتے اور اہل جہاد نہیں بنتے تو آپؑ

بھی ان کو چھوڑ دیں۔ یہ منطق معاملہ کی منطق ہے۔ امامؑ کی منطق نہ غدر اور دھوکہ کی منطق تھی اور نہ ہی معاملہ اور نفع کی ہمکاری کی منطق۔ آپؑ کی منطق صرف ایثار، عقیدہ اور راہ عقیدہ میں شہادت کی منطق تھی، انسان یا منطق مکر وفریب رکھتا ہے جیسا کہ دنیا کے اغلب سیاست دان، یا منطقِ معاملہ رکھتا ہے جیسا کہ آجکل کی سیاسی پارٹیوں کی منطق، یا پھر فداکاری اور عقیدہ کی منطق جیسے کہ نوادرِ خلقت امام حسینؑ کی منطق۔

ابن عباس کے جواب میں امام حسینؑ نے فرمایا:

[یاابن عم انی اعلم انک ناصح مشفق ولکنی قدازمعت واجمعت علی المسیر] ''اے میرے چچا کے بیٹے! میں جانتا ہوں کہ آپ میرے شفیق ناصح ہیں (خود میری ذات کے لئے اور میری ذات کے مصالح کے لئے) لیکن میں حرکت کرنے کے لئے قطعی طور پر مصمم ارادہ کر چکا ہوں۔''

امامؑ کے اس جواب کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کی بات میں حسن نیت تو ہے لیکن میں ان کی مقدمات اور نتائج کو قبول نہیں کرتا، بلکہ آپؑ کا مدعا یہ تھا کہ یہ مقدمات اور نتائج اُس کے لئے تو درست ہیں جو اس راہ پر چل کر اہل معاملہ ومعاوضہ ہونا چاہتے لیکن میری راہ یہ نہیں ہے، میری منطق عقیدہ کا درد رکھنے اور خیر خواہی کی منطق ہے، اس طبیب کا درد ہے، جس کو مریضوں کے غم کا رنج ہوتا ہے ﴿عزیزٌ علیہ ماعنتم حریص علیکم﴾ میری راہ شہادت کی راہ ہے، شہید کی منطق مختلف ہوتی ہے، عقل کی منطق سے اور عملی نفع حاصل کرنے کی منطق سے بالکل مختلف۔[ان اللہ شاء ان یریک قتیلاً] کا مطلب یہ ہے کہ خدا تم سے شہادت کی روح کا طالب ہے۔

[ان لک درجۃ لن تنالھا الا بالشھادۃ] ''بیشک آپ کے لئے ایک ایسا درجہ اور مقام ہے جس پر شہادت کے بغیر فائز نہیں ہوا جا سکتا''۔

حضرت اباعبداللہ ـ کے وہ صفات جو کربلا میں ظاہر ہوئے

روز عاشورا اباعبداللہ کے جن صفات نے ظہور کیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شجاعت بدنی۔

۲۔ قوت قلب اور روحی شجاعت۔

۳۔ خدا، پیغمبر اور اسلام پر کامل ایمان

۴۔ عجیب صبر و تحمل

۵۔ رضا و تسلیم

۶۔ تعادل، بے جا ہیجان انگیز نہ ہونا اور سبک قسم کی کوئی بات نہ کرنا (یہ صفت نہ صرف امامؑ میں بلکہ آپؑ کے اصحاب میں بھی تھی)۔

۷۔ کرم و بزرگواری۔

۸۔ فداکاری اور قربانی۔

بشر کے درمیان نور و ظلمت کی جنگ کا فلسفہ

کتاب ”ابو الشھداء“ کے صفحہ ۱۶۲ پر ہے:

[فجيرة كربلا كانت قديماً من معاهد الايمان بحرب النور و الظلام ‘ و كان حولها اناس يؤمنون بالنضال الدائم بين اورمزد و اهرمان و لكنه كان فى الحقيقة ضرباً من المجاز و فناً من الخيال. و تشاء مصادفات التاريخ ان لا ترىٰ هذه البقاع التى آمنت باورمزد و اهرمان حرباً هى اولى ان تسمّى حرب النور و الظلام من حرب الحسينؑ و مقاتليه و هى عندنا اولىٰ بهذا الاسم من حرب الاسلام و المجوسية فى تلك البقاع و ماوراءها من الارض الفارسية‘ لان المجوسى كان يدافع شيئاً ينكره ‘ ففى دفاعه شيٌ من الايمان بالواجب كما تخيله و رآه، و لكن الجيش الذى ارسله عبيدالله بن زياد لحرب الحسينؑ كان جيشاً يحارب قلبه لأجل بطنه ‘ او يحارب به لاجل و اليه] ”کربلا کے اطراف کی سرزمین بہت زمانے سے نور و ظلمت کے درمیان مبارزہ کا گہوارہ بنی ہوئی تھی اس کے اطراف کچھ ایسے لوگ رہتے تھے

جو ہرمزد اور اہرمن (نور و ظلمت‘ خدا و شیطان) کے درمیان دائمی جھگڑے پر ایمان رکھتے تھے (گویا دو علم گڑے ہوں، ایک سفید، ایک سیاہ) لیکن درحقیقت یہ ایک قسم کی مجاز گوئی اور مہمل تصور تھا اور تاریخی حوادث کے وقوع کے اتفاق سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں تھی، اس لئے اس سرزمین کو سرزمین ہرمزد و اہرمن کا نام دینے کے بجائے، اور کربلا کی جنگ کو نور و ظلمت کی جنگ کہنے کے بجائے، حسینؑ اور ان کے قاتلوں کی جنگ کہنا مناسب ہوگا (امام حسینؑ کے ایران کے نزدیک دفن ہونے کا فلسفہ) یہ جنگ ہمارے نزدیک اس نام سے پکارے جانے کی زیادہ سزاوار ہے بہ نسبت مسلمانوں اور مجوسیوں کے درمیان جنگ کے‘ جو اس سرزمین اور اس کے اطراف میں فارس کی زمینوں میں ہوئی تھی، اس لئے کہ مجوسی ہمیشہ اُس چیز سے مبارزہ کرتے ہیں جو اُن کے عقیدہ کے خلاف ہو، اس چیز کے دفاع کو وہ ایمان سے نسبت دیتے ہیں اور وہ اس بات کے معتقد ہوتے ہیں کہ اس چیز کا وجود ہے، برخلاف اس کے عبیداللہ کے سپاہی جن کو اس نے امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا‘ اپنے قلب سے شکم کی خاطر اور اپنے پروردگار سے زمامدار کی خاطر جنگ لڑ رہے تھے (حتی بدر و اُحد میں بھی رؤسا کے علاوہ باقی مشرکین‘ عقیدہ کی بنیاد پر جنگ کر رہے تھے)۔

ابن زیاد کے اصحاب کا روحیہ

[و ركب اناساً منهم الفزع الدائم بقية حياتهم] ”ان میں سے کچھ لوگوں پر انکی باقی ماندہ عمر میں ایک دائمی وحشت چھا چکی تھی“ چونکہ ان کا عقیدہ خود ان کے عمل کی ضد تھا‘ اسلئے ان کا وجدان ان کو دائمی طور پر ہلاکت کی خبر دیتا تھا، مثلا: ان میں سے بہت سے افراد وجدان کے عذاب میں مبتلا ہوئے تھے اور یہ فریاد کرتے تھے: ”مجھے مار دو! میرے اس ننگ و عار کے وجود کو درمیان سے ہٹا دو“ بسر بن ارطاۃ کی عمر کے آخری حصہ میں دیوانگی شاید اسی وجہ سے تھی، ان جیسے افراد کو عذاب دینے والا فرشتہ خود ان کا وجدان تھا۔ [لانهم عرفوا الاثم فيما اقترفوه عرفاناً لاتسعهم المغالطة فيه] ” کیونکہ وہ بخوبی جان چکے تھے کہ ان سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے

اورانہیں اس گناہ کا اس حد تک یقین ہوگیا تھا کہ وہ اسے مغالطہ کہہ کر اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔"

اصحابِ عمر سعد کی باطنی خباثت

کربلا کے جنایت آمیز وقایع کی توجیہ بزدلی اور طمع نہیں ہوسکتی ،اسی طرح ذاتی کینہ وحسد بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہاں پر ذاتی کینہ کار بند نہ تھا۔امام حسین - نے روز عاشورا فرمایا:"آیا میں نے کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کیا ہے کہ از روئے عقیدہ مجھ سے جنگ کررہے ہو؟ آیا میں نے کسی کا مال لے لیا ہے یا کسی کا خون بہایا ہے کہ شخصی عداوت اور دشمنی کے تحت مجھ سے جنگ کررہے ہو؟"

بزدلی اور طمع طفل صغیر کو شہید کرنے ،مثلہ اور تنکیل کرنے ،پانی بند کرنے اور لاشوں پر گھوڑے دوڑانے کی توجیہہ نہیں بن سکتے بلکہ یہاں پر کہنا چاہئے کہ شمر جیسے لوگوں کی سرشت اور طنیت میں ہی ایک قسم کی ذاتی خباثت اور حق سے کینہ تھا اور وہ ہر جوانمردانہ عمل کے مخالف تھا۔

اصحابِ سیدشہداءؑ میں نظم

عقاد کی نقل (صفحہ ۱۸۴) کے مطابق اصحاب سیدشہداءؑ کے کام میں ایک ایسا نظم تھا کہ بعض نے اپنے آپ کو امام حسینؑ کا محافظ اور سپر قرار دیا ہوا تھا، جیسے ہی وہ گرتے ،فوراً ہی اس جگہ اور اس خلا کو دوسرے پُر کردیتے تھے۔

شعراء حضرات اکثر اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ میری آرزو یہ ہے کہ ایک لحظہ کے لئے اپنے محبوب کو دیکھ لوں اور مرجاؤں یا میری آرزو یہ ہے کہ میرا فلاں مقصد حاصل ہو اور میں مرجاؤں، ان کے لئے ایک موضوع اس قدر جالب اور مہم ہوتا ہے کہ آمادہ ہوتے ہیں کہ اپنی زندگی کو اور تمام مدت زمان کو ایک لحظہ میں جمع کرلیں، اس کیفیت کے ساتھ کہ جس کے وہ خواہاں ہیں، وہ حیات سے حیات کی کسی کیفیت کے خواہاں ہوتے ہیں، نہ اس کی کمیت کے [این جان عاریت که به حافظ سپرد دوست ......] ۔اباعبداللہؑ کے اصحاب بھی اپنی حیات کی کمیت کو خیر باد کہہ چکے تھے اور انہوں نے اپنی تمام حیات اور زندگی کی سب خوشیوں کو (وہ خو

شیاں جن کو فقط گنتی کے عظیم روحیہ کے حامل لوگ ہی درک کرتے ہیں) فقط ایک شب اور نصف روز میں اپنے لئے جمع کرلیا تھا، خدا جانتا ہے کہ وہ فداکاریاں اور وہ خاک میں غلطیاں، کس قدر عظمت، جلال وجمال اور زیبائی کی حامل تھیں، انسان ایک نصف دن زندہ رہے لیکن اُس معنوی حالت میں غرق ہوجائے، برتر ہے ہزار سال کی اُس حیوانی زندگی سے جس میں کھانے پینے اور سونے کے علاوہ کوئی کام نہ ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ ہم عرض عمر کے طالب ہیں، طول عمر کے طلبگار نہیں، عرض عمر، عمر کی کیفیت ہے جو مختلف لوگوں کی نظروں میں مختلف ہوتی ہے بعض کے نزدیک پیٹ بھرنا، مستی، قماربازی اور بادہ گساری کرنا عرضِ عمر ہے اور بعض کے نزدیک حریت، استقلال، کسی کے زیر تسلط نہ ہونا اور معنوی اورالٰہی عشق عرضِ عمر ہے موسولینی کہتا تھا:"انسان ایک سال شیر کی طرح زندگی گزارے بہتر ہے اس سے کہ گوسفند کی طرح سو (۱۰۰) سال کی زندگی گزارے" اس نے یہ بھی کہا کہ میرے اس قول کو چھپا کر رکھو، موسولینی کی نظر میں عرضِ عمر شیر کی طرح کی درندگی تھا جبکہ حضرت علیؑ کی نظر میں عبادت اور حقیقت کی خدمت تھا۔

اباعبداللہ - کے اصحاب کی شجاعت اور لشکر عمر سعد کی عقب نشینی کی حکایت

عمر سعد کے سپاہیوں نے کربلا میں کچھ ایسے کام کئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعاً یہ لوگ اس قلیل فوج کے سامنے عاجز رہ گئے تھے، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ایک ایک کر کے جنگ لڑنے سے گریز کرنا اور تیراندازی کرنا۔

۲۔پشت خیمہ سے حملہ کرنا، تاکہ خیموں کو جلادیں یا پیچھے سے خنجر گھونپیں۔

۳۔عمر سعد کا خود سیدشہداءؑ کی ذات سے جنگ کے بارے میں یہ حکم دینا کہ:

[هذا ابن قتال العرب] "یہ عربوں کے قاتل کا بیٹا ہے" اور اس کا یہ حکم کہ "حسینؑ کو بات نہ کرنے دو"

لشکر عمر سعد کی دِیایت مآبانہ اعمال

وہ پست اعمال جو لشکر عمر سعد کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ،وہ جنگ اور گھوڑسواری کے قانون سے کلی

طور پردور تھے:

۱۔ پانی کا بند کرنا (فقط اپنے مقابلین پر ہی نہیں بلکہ اطفال اور چھوٹے بچوں پر بھی)۔

۲۔ بچوں کا قتل خصوصاً ان کی ماؤں، بہنوں، پھوپھیوں کی نظروں کے سامنے، جیسے اس طفل کا قضیہ کہ لہٗ قُرطان (جس کے دوگوشوارے تھے)۔

۳۔ جسم امام حسینؑ کو لباس لوٹنے کی لالچ میں برہنہ کرنا۔

۴۔ عورتوں کے سروں پر جھپٹ پڑنا اور ان کے بدن سے زیورات نوچنا۔

۵۔ اس قلیل تعداد پر سنگباری کرنا اور تیر برسانا۔

۶۔ دل خون کرنیوالی شماتت کرنا۔

۷ شہیدوں کے سروں کو گھوڑوں کی گردنوں میں لٹکانا۔

۸۔ سبّ وشتم کرنا اور گالیاں دینا۔

۹۔ حضرت امام حسین -کے بدن پاک پر گھوڑے دوڑانا۔

۱۰۔ اسیروں کو اذیت دینا، ان کو مارنا اور ان کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کرنا۔

۱۱۔ بیمار (امام سجادؑ) کو طوق وزنجیر میں جکڑنا۔

۱۲۔ شہداء کے سروں کو اسیروں کے سامنے لانا۔

۱۳۔ اسیروں کو گندی جگہ پر ٹھہرانا۔

۱۴۔ غمزدہ اور داغ اُٹھائے ہوئے اسیروں کی شماتت کرنا

۱۵۔ سرمقدس اور دندان مقدس سے جسارت کرنا۔

۱۶۔ عورت کو قتل کرنا (وہب کی ماں)

۱۷۔ اسیروں کو قتل گاہ سے گزارنا (جب خود اسیروں کا اپنے ورثاء کو وداع کرنے کا تقاضا بھی نہ ہو)۔

۱۸۔ خیموں کو رات میں آگ لگانا، جبکہ اس رات اسیروں کو وہیں ٹھہرنا تھا۔

۱۹۔ بچوں کو روٹی اور غذا نہ دینا، جیسا کہ معصوم بچوں نے لوگوں کے ہاتھوں سے روٹی اور خرما لے لیا تھا اور حضرت ام کلثوم مانع ہوئی تھیں۔

یزید کے وہ تین اقدام جو اُمویوں کے زوال کا سبب بنے

(خصوصاً حادثۂ کربلا کا عظیم اثر)

عقاد اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۶ پر لکھتے ہیں:

[ولقد كانت ضربة كربلا وضربة مدينه وضربة البيت الحرام اقوىٰ ضربات اميّة لتمكين سلطانهم وتثبيت بنيانهم وتغليب ملكهم على المنكرين والمنازعين، فلم ينتصر عليهم المنكرون والمنازعون بشئ كماانتصروا عليهم بضربات ايديهم، ولم يذهبوا بهاضاربين حقيقة حتى ذهبوا بهامضروبين الى آخر الزمان' وتلك جريرة يوم واحد هو يوم كربلا فاذابالدولة العريضة تذهب فى عمررجل واحد مديدالايام] "حقیقتاً بنوامیہ نے کربلا، مدینہ اور بیت الحرام پر جو ضربیں لگائیں، وہ وہ طاقتور ترین اضراب تھیں جو انہوں نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے، اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور خود اپنے مخالفین پر مسلط کرنے کے لئے لگائی تھیں ان کے مخالفین بھی ان حملوں کا اُن سے کبھی بھی انتقام نہیں لے سکے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو بنوامیہ نے ضربت لگائی نہیں تھی بلکہ خود ضربت کھائی تھی جو دائی تھی۔ یہی کربلا کا ایک دن کی جنایت کا واقعہ اس سبب بنا کہ ایک عریض وطویل مملکت اس قدر تنہا ہوگئی کہ فقط ایک آدمی کی عمر کے برابر اسکی عمر رہی (اگر حادثہ کربلا نہ ہوتا تو شاید بنوعباس کی حکومت کی طرح یہ بھی دوام پیدا کرتے)۔"

دنیا میں سید الشہداءؑ کی پاداش اور فلسفہ تعظیم عاشورا

عقاد صفحہ ۲۲۴ پر لکھتے ہیں:

[وتسديدالعطف الانسانى منافرض من اقدس الفروض على الناظرين فى

سیر الغابرین لان العطف الانسانی ھو کل مایملک التاریخ من جزاءِ وھوالثروۃ الوحیدۃ التی یحتفظ بھاالخلود] ''ہماری نظر میں اقامہ اور عواطف انسانی کی تحریک ،مقدس ترین واجبات میں سے ایک ہے جو گذشتہ لوگوں کی سیرت میں بھی واجب ہوئی ہے (عزاداری سید الشہداؑ کا فلسفہ اور وہ پاداش جو تاریخ کو دینا چاہئے) کیونکہ انسانی عواطف ہی وہ تمام پاداش ہیں جو تاریخ کسی کو دے سکتی ہے اور تنہا یہی وہ ثروت ہے جو تاریخ کے ساتھ ہمیشہ محفوظ رہتی ہے''

(تذکرۂ سید الشہداء کا فلسفہ ایک جانب تو ہم سے مربوط ہے کہ ہم ایک فیض آور سرچشمہ سے استفادہ کرتے ہیں، دوسری جانب یہ شہداء اور شہادت کی قدردانی وتشکر ہے جبکہ تیسری طرف یہ ایک تاریخی فریضہ اور اجتماعی وظیفہ ہے جو اجتماع پر فرض ہے)۔

کسی اجتماع میں تنازع، تضارب، تسلط اور استحصال واستثمار کا محرک فردی منفعت ہوتی ہے جبکہ آپس میں اعانت وتعاون، اعلیٰ اخلاق اور انسانیت کے اصول عالی کو رواج دینے کا تعلق منفعتِ عمومی سے ہے پس عام لوگوں کے ساتھ اچھائی کرنے والے درحقیقت اجتماع کے اصول اور ناموس کے خدّام ہیں یہی وجہ ہے کہ اجتماع ان کی بہت قدر اور تشکر کرتا ہے۔

دوسرا باب

ماہیّتِ قیام حسینیؑ کی یادداشت

ماہیّت قیام حسینیؑ کی یادداشت

ہماری یہ بحث اس بارے میں ہے کہ حادثۂ عاشورا کس نوع کا حادثہ ہے اور کیسا مقولہ ہے؟ کیا اجتماعی نظر سے یہ ایک بے ہدف، بے مقصد انفجار تھا اور بہت سے انفجاروں کی طرح جو ظلم و تشدد اور سخت گیری کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں اور کبھی موجود حالات کیلئے کمک کا باعث بنتے ہیں، آیا یہ اس نوعیت کا حادثہ تھا؟ یا یہ حادثہ اس وقت کے اوضاع و احوال کی مناسبت سے اور اپنے آثار و نتائج کی مناسبت سے ایک آگاہانہ اور ہوشمندانہ اقدام تھا؟ اور دوسری صورت میں آیا یہ ایک مقدس قیام، نہضت اور انقلاب تھا یا ایک مقدس اور شرافتمندانہ دفاع تھا؟ آیا یہ ایک ایسا اقدام تھا جو امام حسینؑ کی طرف سے شروع ہوا جس کو حکومت وقت کچل دینا چاہتی تھی؟ یا خود امامؑ حکومت وقت کی طرف سے مورد ظلم و عتاب واقع ہوئے تھے اور آپؑ نے سکوت اور تسلیم کے بجائے شرافتمندانہ طور پر اپنا دفاع کیا؟ دوسرے لفظوں میں آیا یہ حادثہ جامعہ میں تقویٰ کے سنخ سے متعلق کوئی چیز تھی اور تقویٰ کا ایک بڑا مظہر تھا جو جان دینے کی حد تک تھا، یا پھر یہ حادثہ ایک احسان، عصیان اور مقدس قیام کا مظہر تھا؟ آیا حادثۂ کربلا اثبات کی نوعیت کا حادثہ تھا یا مخالف فریق کے انکار اور اسکی نفی کرنے کی نوعیت کا حادثہ تھا؟ [۱]

پہلے مفروضہ (بیعت سے انکار) کی رو سے آپؑ مجبوراً کچھ اجتماعی اور اصولی اہداف رکھتے تھے دوسرے مفروضہ (اہل کوفہ کی دعوت) کے مطابق آپکے قیام کا ہدف اپنی شرافت اور انسانی حیثیت کی حفاظت کے سوا کچھ اور نہ تھا، اس مفروضہ کی بناء پر کہ آپ کا یہ عمل ایک قسم کا انقلاب اور ایسا قیام تھا جسکی ابتداء خود آپؑ نے

[۱] [بلکہ ہم یہاں تین قسم کی ماہیت کو فرض کر سکتے ہیں: تقوائی ماہیت، ہجومی ماہیت اور قیامی ماہیت۔ ایک مقدس ندا کی آواز پر لبیک کہنے کی ماہیت تعاونی ماہیت ہوتی ہے، عاملِ بیعت کے لحاظ سے امامؑ کا عمل مخالف سمت میں تھا، دوسرے لفظوں میں منفی عکس العمل تھا، عاملِ دعوت کے لحاظ سے آپؑ کا عمل ثبات کی سمت میں تھا یعنی مثبت عکس العمل تھا اور امر بہ معروف کے عامل کے لحاظ سے آپؑ عمل کا آغاز کرنیوالے اور ہجوم کرنیوالے تھے]

کی تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس انقلاب کی بنیاد فقط اہل کوفہ کی دعوت تھی کہ اگر اہل کوفہ دعوت نہ دیتے تو آپؑ قیام نہ کرتے (اور طبیعی طور پر اہل کوفہ کی عقب نشینی کی خبر ملنے کے بعد کنارہ کشی اور سکوت اختیار کر لیتے) یا اس قیام و انقلاب کی بناء اہل کوفہ کی دعوت کے علاوہ کچھ اور بھی تھی، اگر بالفرض اہل کوفہ نے دعوت نہ دی ہوتی' آیا تب بھی آپؑ اعتراض اور مخالفت کرتے، یہاں تک کہ اس راہ ہمیں جان دے دیتے؟

[۱] [جیسا کہ ہم نے تہران کی دانشکدۂ ادبیات میں اور اہواز کی دانشگاہ میں محرم ۱۳۹۲ھ میں ''قیام عاشورا کی تحلیل'' کے موضوع پر تقاریر میں کہا تھا کہ طبیعی اور مادی حوادث کی طرح اجتماعی حوادث کی شناخت کیلئے بھی اُن اولین عناصر کا تجزیہ و تحلیل ضروری ہے جو اس حادثہ کی صورتگری کرتے ہوں اور اس کو وجود میں لانے کا سبب بنتے ہوں، ایک مادّی چیز کا لیبارٹری میں ایک مرتبہ تجزیہ و تحلیل کیا جاتا ہے اور دوسری دفعہ اس کا مرکب معلوم کیا جاتا ہے، تاریخی وقائع کا فقط منطق کی قدرت سے اور منطق کی لیبارٹری ہی میں تجزیہ و تحلیل جا سکتا ہے عاشورا جیسے حادثہ کی تحلیل اس طرح سے ہے کہ اس میں تین قسم کے عناصر کی شناخت ہوتی ہے: پہلا وہ اجتماعی محرکات ہیں جو اس نہضت و قیام کا سبب بنے، اس عنصر کے لحاظ سے ہمیں اس وقت کے معاشرہ و ماحول کے اخلاقی' سیاسی اور اقتصادی پہلو کو سمجھنا چاہئے اور اس ماحول میں انسان کی زندگی پر گزرنے والے واقعات کو جاننا چاہئے، دوسرا عنصر وہ عکس العمل ہے جو اس نہضت کے قہرمان یعنی حضرت امام حسینؑ نے حادثۂ عاشورا میں ان تمام عوامل کے مقابلہ میں انجام دیا، البتہ یہ جہت خود شخصیت امامؑ سے زیادہ وابستہ ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص امامؑ کی جگہ پر ہوتا تو ممکن تھا کوئی اور کام کر بیٹھتا، اس مرحلہ پر ہمیں چاہئے کہ اس حادثہ میں امامؑ کے اہداف کو سمجھیں جن کا تعلق آپؑ کی معنوی شخصیت سے ہے، تیسرا عنصر اس عکس العمل میں امامؑ کی روش اور دستور ہے، اس واقعہ میں امامؑ کے مشخص اہداف کو سمجھنے کے بعد ہمیں روش امامؑ کو سمجھنا چاہیئے، روش امامؑ کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً بیعت سے انکار میں امامؑ کی روش کیا تھی اور کس حد تک آپؑ مقاومت کرنا چاہتے تھے؟ فرض کریں اگر امامؑ تسلیم ہو جاتے تو کس حد تک تسلیم ہوتے ؟ یا اصلاً تسلیم ہی نہ ہوتے' جیسا کہ خود امامؑ کے فرمودات سے ظاہر ہوتا ہے، اہل کوفہ کی دعوت کو قبول کرنے اور حکومت ہاتھ میں لینے کے بارے میں آپکی کیا روش تھی اور یہ کس حد تک تھی؟ آیا بیعت سے انکار کی طرح اس مسئلہ میں بھی آپؑ اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے تک حاضر تھے یا کوفہ کے حالات دگرگون ہونے کے بعد اس ہدف سے ہاتھ اٹھا لیتے؟ البتہ یہاں دوسری بات صحیح ہے، تیسرے عامل (امر بالمعروف نہی از منکر) میں جو کہ حتیٰ پہلے عامل (بیعت سے انکار) سے بھی شدید تر ہے' آپؑ کی روش شہید ہونے سے بھی آگے تھی اور انقلاب کو وسعت دینے اور خونریزی کی حد تک تھی، یہاں پر آپؑ کی منطق، شہید کی منطق تھی اور ایک انقلابی انسان کی منطق تھی، بیعت سے انکار میں ⟷

کربلا کے اس حادثہ میں گوناگوں عوامل دخل رکھتے ہیں۔ ۱؎ یعنی امامؑ کے قیام کے متعدد محرکات تھے، اس قیام کی ماہیت کی توضیح وتشریح کرنے میں دشواری پیدا ہونے کا ایک سبب یہی ہے کہ جو چیز امامؑ سے ظاہر ہوئی ہے وہ کبھی ایک خاص عامل سے مربوط ہوتی تھی اور کبھی دوسرے عامل سے مربوط ہوتی تھی، اسی وجہ سے اظہار نظر کرنے والے حیران و پریشان اور گنگ ہو جاتے ہیں، ایک طرف ضد و نقیض میں اظہار خیال کر بیٹھتے ہیں تو دوسری طرف اس قیام کے مختلف قسم کے زاویئے بناتے ہیں۔ درحقیقت اس قیام کا ہر زاویہ ایک خاص ماہیت کا حامل ہے (اجتماعی امور میں اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی کہ ایک چیز چند ماہیتیں رکھتی ہو جیسا کہ خصوصاً فلسفۂ تاریخ کے دروس میں ہم نے ثابت کیا تھا)۔

وہ عوامل جو اس قیام میں درپیش رہے ہیں اور وہ جن کے عمل دخل کا امکان ہے یا دخالت رکھتے تھے، مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ امامؑ ہی تنہا وہ شخصیت تھے جو منصوص من اللہ بھی تھے، لائق خلافت بھی، اور وارث خلافت بھی، نیز امامت کے لئے معنوی مقام بھی رکھتے تھے، اس جہت سے امام حسین - اور آپؑ کے والد بزرگوارؑ اور برادر گرامیؑ میں کوئی فرق نہیں تھا، جیسا کہ یزید و معاویہ اور خلفائے ثلاثہ کی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں تھا، فقط خلافت کے لائق و وارث ہونا اور امامت کا معنوی مقام رکھنا امامؑ کو اس سلسلے میں اقدام کرنے کا ذمہ دار نہیں بنا دیتا، اگر لوگ یہ تشخیص کر لیں کہ امامؑ ہی سب سے زیادہ صالح ہیں اور اس کے بعد اُن کی بیعت کر لیں تو درحقیقت اس بیعت کے ذریعہ وہ امام کی زمام داری کو قبول کرتے اور اپنی صلاحیّت اور آمادگی کا اعلان کرتے ہیں، اور پھر امامؑ بھی اسے قبول کر لیتے ہیں، لیکن جب صورتحال یہ ہو کہ ایک طرف لوگ آمادہ نہ ہوں اور دوسری طرف احوال واوضاع مسلمین مصلحت

↔ آپ کی منطق ایک صاحب شرف انسان کی منطق تھی، اس سے زیادہ نہیں۔ عامل دعوتِ اہلِ کوفہ کے مقابل آپؑ کی منطق ایک صالح اور منجھے ہوئے سیاستمدار کی منطق تھی اور تیسرے عامل کے مقابل میں آپؑ کی منطق ایک شہید کی منطق تھی]

کے مطابق ہوں تو ان دو عاملوں کی موجودگی میں امامؑ کا وظیفہ مخالفت کرنا نہیں ہے بلکہ ہمکاری کرنا اور ساتھ دینا ہے، چنانچہ امیرالمومنینؑ نے ایسا ہی کیا، آپؑ خلفاء کے ساتھ سیاسی اور قضاوتی مشوروں میں شریک ہوتے تھے اور نماز جماعت میں حاضر ہوتے تھے، خود آپؑ نے فرمایا:

[لقد علِمتم انی احق الناس بهامن غیری و واللہ لأسلمن ماسلمت امور المسلمین ولم یکن فیها جور الاعلیّ خاصة] ''تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کے لائق ہوں اور خدا کی قسم میں اس وقت تک باہم صلح و آشتی کی راہ پر چلوں گا جب تک مسلمانوں کے امور ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے'' ۱؎

واقعہ کربلا میں صرف اس ایک عامل کا دخل نہیں تھا، اس عامل کو تیسرے عامل، یعنی اہل کوفہ کی دعوت کے ساتھ ملا کر دیکھنا چاہئے کیونکہ اہلِ کوفہ کی دعوت کی غرض صرف حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہ تھی، پس یہ عامل کوئی الگ اور جداگانہ عامل نہیں ہے لہٰذا اس کا اسی عامل سوم کے ضمن میں ذکر ہونا چاہئے

(ب) یزید امامؑ سے بیعت لینا چاہتا تھا اور اس کام میں ذرا سی بھی چھوٹ نہیں تھی یزید نے لکھا:

[خُذالحسین بالبیعة اخذاًشدیداًلیس فیه رخصة] ''حسینؑ سے سختی کے ساتھ بیعت لو اور اس کام میں کسی قسم کی چھوٹ نہیں ہوگی'' بیعت سے مراد دستخط کرنا، قبول کرنا اور تائید کرنا تھا۔ ۲؎

(ج) امامؑ کے بیعت سے امتناع کے بعد اہل کوفہ نے آپؑ کو دعوت دی اور خلافت اور زعامت کے حصول میں آپؑ کی کمک کے لئے اپنی تیاریّ اور آمادگی کا اعلان کیا، مسلسل خطوط آئے، امامؑ کے قاصد نے بھی لوگوں کی آمادگی کی تائید کی۔

۱؎ [نہج البلاغہ خطبہ ۷۴]

۲؎ [امام حسینؑ کو جس بیعت کے کرنے کا مکلّف بنایا جاتا تھا وہ ولایت عہد کو صائب گردانتا تھا، یہ بیعت امام علیؑ اور دیگر ائمہ کی اُس بیعت سے کہ جو مخلوط اکثریت کی وجہ سے احترام کی خاطر ہوا کرتی تھی، فرق رکھتی تھی]

(د) اسلام میں ایک اصول امر بہ معروف و نہی از منکر کے نام سے ہے، خصوصاً ان مواقع پر جہاں عمل جزئی مسائل کے حدود سے تجاوز کر گیا ہو، جہاں حرام حلال ہو جائے اور حلال حرام' بدعتیں پیدا ہو جائیں' عام لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے ہوں اور ظلم زیادہ ہو، وہاں اس اصول پر عمل ہر فردِ مسلمان پر واجب ہے، امامؑ نے بار بار اس اصول کی طرف استناد کیا ہے، ایک جگہ پر فرمایا:

[انی لم اخرج اشراً و لا بطراً و لا مفسداً و لا ظالماً و انمّا خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدّی ،اریدان آمر بالمعروف و انهی عن المنکر و اسیر بسیرة جدی و ابی] ''میں شر پیدا کرنے' دہشت پھیلانے اور فساد پھیلانے' ظلم کرنے کے لئے نہیں نکل رہا ہوں بلکہ میں صرف اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے نکل رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دوں اور برائیوں سے منع کروں [1] اور اپنے نانا حضرت محمد ﷺ اور اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کی سیرت پر چلوں۔''

دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:

[1] ہم بعد میں وہ منکرات جو نہی از منکر اور قیام کا سبب بنے، ان کی شرح بیان کریں گے لیکن یہاں اس جملہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں: و اسیرُ بسیرة جدّی و ابی اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ ان ایام میں سیرتِ شیخین کے نام سے کچھ چیزیں مطرح تھیں اور وہ حضرت علیؑ اور آپؑ کے خاندان کو قبول نہ تھیں، اس کے علاوہ کچھ انحرافات بھی تھے جو شیخین کے زمانہ سے شروع ہوئے تھے جیسا کہ بیت المال کو غیر عادلانہ طریقہ پر تقسیم کرنا، نماز کی بہ عنوان خیر العمل تحقیر کرنا اور مطلق اجتہادیں (اصطلاحاً) حضرت عمرؓ کی روشن فکری سے دو انحرافی واقعات وجود میں آئے تھے ایک عمری، دوسرا عبداللہ عمری۔ عمری انحراف' عبادت کو منہا کر کے جہاد کو اقبال و عزت دینا تھا یعنی عمل کے ظاہری اور آنکھوں سے نظر آنے والے پلڑے کو اہمیت دینا اور معنوی پلڑے کو سبک کرنا، عبداللہ عمر کا انحراف اس کے برعکس تھا' یعنی عبادات کو بہت سنگین اور وزنی دکھانا اور دنیا کے سخت کاموں اور جہادی کاموں کو حقیر جاننا تھا، ان دونوں کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ جہاد، جہاد رہ گیا تھا اور نہ نماز، نماز رہ گئی تھی۔ اسی لئے امام حسینؑ نے شب عاشور فرمایا تھا: [لهم دویٌّ کدویّ النّحل......]''ان سے ایک ایسی صدا بلند ہوتی ہے جیسے کہ شہد کی مکھیوں کا زمزمہ......'' اور روز عاشور فرمایا: [ذکرت الصلاة جعلک الله من المصلین] ''تم نے نماز کی یاد دلائی، خدا تمہیں نمازیوں میں قرار دے''

[سمعت جدّی رسول الله :من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحُرم الله......] ''میں نے اپنے جد بزرگوار رسولؐ اللہ سے سنا ہے: جو بھی کسی ایسے حاکم کو دیکھے کہ وہ حرام خدا کو حلال کر رہا ہو...''

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

[الا ترون ان الحق لایعمل به و ان الباطل لایتناهیٰ عنه لیرغب المؤمن فی لقاء الله محقاً' انی لاری الموت الاّسعادة و الحیاة مع الظالمین الا برماً] ''کیا تم لوگ نہیں دیکھتے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے، اس صورتحال میں مؤمنین کے لئے سزاوار ہے کہ وہ مرنے کی تمنا کریں، میں موت کو سعادت کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتا ہوں اور ظالمین کے ساتھ زندہ رہنے کو خواری گردانتا ہوں۔''

عاملِ بیعت

امام عالی مقامؑ شہید ہونے کے لئے آمادہ تھے لیکن کسی بھی قیمت پر بیعت کرنے کے لئے تیار نہ تھے، اس لحاظ سے امامؑ کا وظیفہ فقط امتناع تھا، انکار تھا، امامؑ یہ وظیفہ ملک سے باہر خروج کر کے' یا پہاڑوں میں پناہ لیکر (جیسا کہ ابن عباس نے مشورہ دیا تھا) یا مخفی رہ کر بھی انجام دے سکتے تھے، بالفاظ دیگر اس زاویہ سے امامؑ کی روش فقط یزید کے آگے نہ جھکنا ہونا چاہئے تھی' خواہ وہ زمین میں چھپ کر اور سرحد سے خروج کر کے ہو یا شہید ہو کر ہو۔

امامؑ کی عامل بیعت کے مقابل میں روش کو نہ تو حکومت کو ہاتھ میں لینے کے امکان تک محدود ہونا چاہئے اور نہ ہی اسے شہادت تک محدود ہونا چاہئے (یعنی اس کیلئے کوئی حدّ و مرز متعین نہیں) اس عامل کے مقابل امامؑ کیلئے کوئی بھی مثبت وظیفہ مثلاً انقلاب کو وسعت دینا یا دعوت وغیرہ کیلئے چادر بچھانا واجب نہیں تھا بلکہ اس موقعہ پر تو مسلمانوں کو خونریزی سے روکنا لازم تھا، اس لحاظ سے امامؑ کو فقط کہنا چاہئے تھا: ''نہیں''۔

امام حسینؑ اگر بالفرض بیعت کر لیتے تو اس بیعت کو قطعی طور پر جدّی اور از روئے قبولیت ہی تصور کیا جاتا

اور یہ عمل واقعی طور پر یزید کی خلافت کو صحیح ماننا تصور ہوتا، ہمارے پاس ایسے قرائن وشواہد موجود ہیں کہ امامؑ کسی بھی صورت میں بیعت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

آقائے صالحی کتاب ''مقتل خوارزمی'' سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے محمد بن حنفیہ سے باتیں کرتے ہوئے فرمایا:

[**لولم یکن فی الدنیاملجاو لاماؤی لمابایعت یُزیدبن معاویہ**] ''اگر دنیا میں میرے لئے کوئی بھی پناہگاہ نہ ہوتب بھی میں یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا۔''

امر بہ معروف ونہی از منکر کا موضوع

یہاں پر ہمیں معاویہ کی زمانہ کی سیاست اور یزید کی خلافت کے اثر سے جوخاص حالات پیدا ہوئے تھے، ان کو نظر میں رکھنا چاہئے:

(الف) خلافت کوموروثی بنانے کا موضوع ابوسفیان کی دیرینہ آرزوں کو جامۂ عمل پہنانا تھا، ابوسفیان نے کہا تھا: [**تلقفوھا تلقف الکرۃ ولتصیرن الی اولادکم وراثۃًاماو الذی یحلف بہ ابوسفیان لاجنہ ولانار**......] ''خلافت کو گیند کی طرح ایک دوسرے کو پاس دیتے رہو اور اس کو اپنی اولاد کے لئے ارث میں چھوڑ دو، ہاں قسم اس کی جس کی ابوسفیان قسم کھا رہا ہے نہ کوئی جنت ہے اور نہ ہی کوئی دوزخ......۔''

خود معاویہ کے دور میں بھی امامؑ امر خلافت اور معاویہ کے دوسرے کاموں پر معترض تھے، حتی کہ ایک خط کے ذریعہ معاویہ کو لکھا تھا: ''میں خدا سے ڈرتا ہوں اس بات پر کہ میں تمہارے خلاف قیام نہیں کر رہا ہوں اور میں اس سلسلے میں خدا کے حضور جوابدہ ہوں'، امامؑ نے معاویہ کے دور میں کچھ ایسے اقدامات کئے تھے جن سے

۱؎ [ہم نے نہضت حسینی کی یادداشت کے نمبر۶ میں آقای صالحی کی کتاب اور ''رجال کشی'' اور ابن قتیبہ کی کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' سے نقل کیا تھا کہ امامؑ نے معاویہ کو لکھا: ''**لااریدلک حرباًو لاعلیک خلافا** '' ''میں تم سے جنگ کرنا یا تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا'' امامؑ کا یہ فرمان اسی وقت کے لئے تھا اور امامؑ قطعی طور پر معاویہ کے دور میں اس قسم کا کوئی اردہ نہیں رکھتے تھے]

معلوم ہوتا تھا کہ آپؑ شورش کرنے کا اراہ رکھتے تھے۔۱؎

یہاں پر ایک نکتہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کوئی تعبدی وظیفہ نہیں ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی کوئی منکر کو دیکھیں، اس کو نہی کریں ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ہم اس کام کے نتیجہ اور اثر کو نظر انداز کر بیٹھیں بلکہ یہاں اثر ہونے کا احتمال یا نتیجہ پر اطمینان ہونا لازم ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کام ایسی نوعیت کے کاموں میں سے ہے کہ مکلّف کو نتیجہ کی طرف توجہ رکھنا چاہئے اگر ایسا نہیں کیا تو بے جہت طاقت صرف کی اور اپنے کام کو رائیگاں کر دیا۔ (امامؑ کا اپنے اس کام کے نتیجہ کے بارے میں اعتقاد کا جو مسئلہ ہے، اس سلسلے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عامل امر بہ معروف اور نہی از منکر کی رو سے امامؑ کی منطق انقلابی منطق اور شہید کی منطق تھی اور اس مسئلہ میں آپؑ خونریزی کو وسعت دینے اور انقلاب کو پھیلانے کے طرفدار تھے، آپؑ ایک مراد اور پیام رکھتے تھے اور اس پیام کو خون سے رقم کر دینا چاہتے تھے تاکہ پھر وہ کبھی بھی مٹ نہ سکے) آیا امامؑ اپنے کام کے نتیجہ کے بارے میں اور اس کے رائیگاں نہ جانے کا یقین رکھتے تھے یا نہیں؟ جی ہاں! آپؑ اسکے معتقد تھے، اس کے چند دلائل ہیں:

(۱) ایک شخص کے جواب میں (جیسا کہ ریاشی نقل کرتے ہیں) آپؑ نے فرمایا:

[**ان ھٰولاءِ اخافونی وھٰذہٖ کتب اھل الکوفۃ وھم قاتلی 'فاذافعلو اذلک ولم یدعو اللہ محرّماً الاانتھکوہ بعث اللہ الیھم من یقتلھم حتی یکونوا اذل من فرام المراۃ**] ''ان لوگوں نے مجھے دہشت زدہ کیا ہے، یہ کوفہ والوں کے دعوت نامے ہیں جواب میرے قتل پر کمر بستہ ہیں، جب یہ میرے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر لیں گے تو پھر کسی بھی حرمت کی ہتک سے باز نہ آئیں گے، اس وقت خدا ایسے کو ان پر مسلط کر دے گا جو ان سب کو قتل کر دے گا، یہاں تک کہ یہ لوگ عورتوں کے حیض کے اس کپڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہونگے۔'' ۱؎

(۲) روز عاشورا لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: [**ثم ایم اللہ لاتلبثون بعدھاالاکر یثمایر کب**

۱؎ [کامل ابن اثیر جلد ۳]

الفرس حتی تدروبکم دورالرحی وتقلق بکم فلق المحور] ''خدا کی قسم! پھراس کے بعدتم اتنی ہی دیرہ سکوگے جتنی دیرگھوڑے پرسوارہونے میں لگتی ہے، یہاں تک کہ چکی اپنے محورمیں گردش دے کرتمہیں پیس ڈالے گی۔'' [1]

(۳) روزعاشورااپنے اہل بیتؑ سے مخاطب ہوکرفرمایا: [استعدّوا للبلاء واعلموا ان الله حافظکم ومنجیکم من شرّالاعداء ویعذب اعادیکم بانواع البلاء] ''آزمائش کے لئے آمدہ ہوجاؤاورجان لوکہ خداہی تمہاری حفاظت کرے گااورتم کودشمنوں کے شرسے رہائی بخشے گااورتمہارے دشمنوں کوطرح طرح کے عذاب میں مبتلاکرے گا۔''

(۴) عمرسعدسے فرمایا: ''خداکی قسم رے کی حکومت تجھے نصیب نہیں ہوگی، میں دیکھ رہاہوں کہ کوفہ کے بچے تیرے سرپراس طرح سے پتھر برسائیں گے جس طرح پھلوں کے درخت پرپتھر مارتے ہیں''۔

اہل کوفہ کی دعوت کا موضوع

یہ دعوت کس لئےتھی؟ قطعی طورپرزمام حکومت پرقبضہ کرنے، صاحب قدرت ہونے اورکوفہ کومرکز بنانے کی خاطرتھی، کوفہ دنیائے اسلام کی فوجی چھاؤنی تھا، کوفہ کے اشراف اوربڑے بڑے لوگوں نے جوخطوط لکھے تھے وہ بہت زیادہ محکم اوراصولی تھے، ان خطوط کوہم نے نہضت حسینی کی یادداشت نمبر۱۶ میں نقل کیاہے:

[امابعدفالحمدلله الذی قصم عدوک الجبارالعنیدالذی انتزی علی هذه الامة فابتزّها امرها، وغصبها فیئَها، وتا مّر علیها بغیر رضاًمنها، ثم قتل خیار ها، و استبقی شرارها، وجعل مال الله دولة بین جبابر تهاواغنیائها، فبعداًله کمابعدت ثمود. انه لیس علیناامام فاقبل لعل الله یجمعنابک علی الحق] ''امابعد! حمدوستائش اس خداکے لئے جس نے آپ کے جبار اورسرکش دشمن کی کمرتوڑدی، وہی دشمن جس نے امت کے معاملات کودرہم برہم کردیااورامت کی حکومت کی مہاربزور اُچک لی

[1] [لہوف ص۴۲]

اورامت کی دارائی کوغصب کرلیااوران کی رضامندی کے بغیران پرفرمانروائی کی، اس کے بعدامت کے نیک لوگوں کوقتل کردیااوربُروں کوباقی رکھااورخداکے خزانے کومالداروں اورطاغی افرد کے ہاتھوں میں دے دیا، قوم ثمودکی طرح خداان کوبھی اپنی رحمت سے دوررکھے، سچ ہے کہ اب ہماراکوئی رہبرنہیں ہماری طرف جلدتشریف لائیں، امیدہے کہ خداہم کوآپؑ کے ذریعے حق کے گردجمع ہونے کی توفیق عنایت کرے گا۔''

حضرت امام حسین- نے بھی حضرت مسلمؑ کوان کے لئے اپناسفیرمتعین کرنے کے ضمن میں لکھا:

[انی بعثتُ الیکم اخی وابن عمّی وثقتی فی اهل بیتی......ولعمری ماالامام الاالعامل بالکتاب، القائم بالقسط الدائن بدین الله] ''میں اپنے بھائی اورچچاکے بیٹے اوراپنے خاندان میں سے اپنے مورداطمینان شخص کوتمہاری طرف بھیج رہاہو......میں اپنی جان کی قسم کھاکرکہتاہوں کہ رہبری اورامامت کے لئےکوئی سزاوارنہیں مگروہ شخص جوخداکی کتاب پرعمل کرتاہو، قسط وعدل قائم کرتاہواوردین خداکاحاکم اورعامل ہو'' [1]

امامؑ کے اس خط سے حاکم اورحکومت کے بارے میں آپؑ کی رائے اورفکرمعلوم ہوجاتی ہے یہ بھی پتہ چل جاتاہے کہ امامؑ رہبری اورقیادت کے مسئلہ کوبہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اوریہ بھی کہ یزیدکوسب سے بڑا منکرسمجھتے ہیں اورجس مقام ومنصب پروہ بیٹھاہے اسے بھی منکرات میں سے گردانتے ہیں۔

اس لحاظ سے امام حسینؑ کی وضع عین آپؑ کے پدربزرگوارحضرت علیؑ جیسی تھی، امام علیؑ قتلِ عثمانؓ کے بعدآپؑ کی بیعت کے لئے آئے ہوئے لوگوں کے اجتماع کواپنے اوپراتمام حجت سمجھتے تھے، اس کے باوجودکہ آپؑ ان سے بیعت لینے کے حق میں نہیں تھے کیونکہ آئندہ وقت کومبہم سمجھتے تھے اسلئے فرمایا:

[فانامستقبلون امراًله وجوهٌ والوان......] ''ہمارے سامنے وہ معاملہ ہے جس کے بہت سے رنگ وروپ ہیں......'' [2]

[1] [ارشادمفید۔ص۲۱۴، تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ] [2] [نہج البلاغہ، خطبہ۹۰]

اور یہ بھی فرمایا:

[لولا حضور الحاضر وقیام الحجة بوجود الناصر لَاَلقیت حبلها علی غاربها ولسقیت آخرها بکأس اولها] ''اگر حاضرین کی موجودگی اور انصار کے وجود سے حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی تو میں آج بھی اس خلافت کی رسی کو اُس اونٹ کے کوہان پر ڈال کر ہنکا دیتا اور خلافت کے آخر کو اول ہی کے کاسہ سے سیراب کرتا۔'' ۱

اتمام حجت کے یہ معنی نہیں کہ عالم سرّ وخفیات کی حجت لوگوں پر تمام ہوجائے

﴿لیهلک من هلک عن بینة ویحییٰ من حیّ عن بینة﴾ ''جسے ہلاک (گمراہ) ہونا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ (ہدایت) رہنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے'' (انفال/۴۲)

بلکہ اتمام حجت سے مراد حاضر اور آئندہ آنے والے لوگوں پر امامؑ کا حجت تمام کرنا ہوتا ہے، اگر امامؑ قطعی طور پر اس دعوت کو قبول نہ کرتے تو اس زمانہ اور آئندہ زمانوں کے لوگ امامؑ کے اس عمل کو ایک بہت زیادہ مناسب موقع کو ہاتھ سے کھو بیٹھنا گردانتے۔ حادثۂ حسینیؑ میں اہل کوفہ کا قیام امامؑ کے خلاف ایک تاریخی حجت شمار ہوتا ہے اور امامؑ پر لازم تھا کہ لوگوں پر تاریخ کے مقابل میں اپنی حجت تمام کردیتے۔

یہاں پر چند قابل ذکر مطالب ہیں:

(الف) امامؑ کی مکہ سے کوفہ کی طرف حرکت صرف دعوت اہل کوفہ کی وجہ سے نہیں تھی، امامؑ کسی بھی صورت میں مکہ میں نہیں رہ سکتے تھے اور اس کے لئے ہمارے پاس چند قرائن موجود ہیں:

اول: امامؑ نے اعمال حج کو ناتمام چھوڑا۔ ہم جانتے ہیں کہ حج تمتع میں اعمال شروع کرنے کے بعد اتمام واجب ہوتا ہے، اور فقط بہت زیادہ ضروری اور اہم کام مثلاً قتل ہوجانے کا خوف وغیرہ ہو، تب ہی تسلسل نہ دینے کا جواز بنتا ہے، ہم یہاں یہ فرض کرتے ہیں کہ امامؑ کا ابتداء سے ہی عمرۂ تمتع بجالانے

۳ [نہج البلاغہ خطبہ/۳]

کا قصد نہیں تھا اور اول ہی سے عمرۂ مفردہ کا قصد رکھتے تھے، اس لئے کہ امامؑ ان ایام میں قطعی طور پر مُحرم تھے اور احرام سے مُحل ہوئے تھے۔

دوم: امام حسین - نے مکہ سے نکلتے وقت اپنے اس عمل کو حضرت موسیٰؑ بن عمران کے مصر سے نکل کر مشرق کی طرف صحرائے سینا کو طے کرکے فلسطین کی طرف آنے کے عمل سے تشبیہ دی، امامؑ اسوقت اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے:

﴿فخرج منها خائفاً یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین. ولما توجه تلقاء مدین قال عسیٰ ربی ان یهدینی سواء السبیل﴾ ''پس موسیٰؑ شہر سے باہر نکلے، خوفزدہ اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اور کہا کہ پروردگار مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا اور جب موسیٰؑ نے مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت کردے گا'' (قصص/۲۱،۲۲)

حضرت موسیٰؑ کی روانگی آپ کو یہ اطلاع ملنے کے بعد تھی:

﴿ان الملأ یاتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین﴾ ''(موسیٰؑ)! شہر کے بڑے لوگوں نے باہمی مشورہ کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں قتل کردیں، لہٰذا تم (شہر سے) باہر نکل جاؤ، میں تمہارے لئے نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں'' (قصص/۲۰)

سوم: خود امامؑ نے ابوہرۃ ازدی کے جواب میں فرمایا:

[ان بنی امیه قد اخذوا مالی فصبرتُ، وشتموا عرضی فصبرت، وطلبوا دمی فهربتُ] ''بنوامیہ نے میرا مال غصب کیا، میں نے صبر کیا میری عزت وآبرو پر حملہ کیا میں نے صبر کیا، اب وہ میرا خون بہانا چاہتے ہیں اس لئے میں نکل پڑا ہوں''۔ ۱

فرزدق کے جواب میں آپؑ نے فرمایا: [لو لم اعجل لأخذتُ] ''اگر میں جلدی نہ کرتا تو پکڑ لیا جاتا''

۱ [لہوف ص۲۹]

شیخ مفیدؒ کہتے ہیں:

[ولم یتمکّن من تمام الحج مخافة ان یقبض علیه بمکة فینفذبه الی یزیدبن معاویه] ''وہ اپنے حج کو تمام نہیں کر سکے کہ کہیں مکہ میں آپ کو گرفتار کر کے یزید بن معاویہ کے پاس نہ بھیج دیا جائے۔'' [1]

کتاب ''سرمایہ سخن'' میں ہے: ''عمر بن سعید بن العاص کچھ اور لوگوں کے ساتھ اس کام پر مأمور ہو چکا تھا کہ امامؑ کو شہید کرے''۔ طریحی نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کے ۳۰ شیاطین اس کام پر مأمور ہوئے تھے ''نہضت حسینی کی یادداشت'' نمبر ۱۰ میں ہم نے مقتل خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ امامؑ ایک درد بھرے خط میں ابن عباس کو لکھتے ہیں:

''مجھے مکہ میں چین سے بیٹھنے نہیں دیتے اور حرم الٰہی کے جوار سے خروج پر مجبور کرتے ہیں۔''

ابن عباس نے بھی یزید کو ایک خط میں سخت ملامت اور مذمت کی، اس میں لکھا: ''تم نے حسینؑ کو مجبور کر کے حرم الٰہی سے خارج کیا۔''

(ب) ان عوامل کی ارزش کس قدر تھی؟ ان میں کونسا عامل امامؑ کی نظر میں اصل ہدف و مقصد تھا؟ پہلے دو عوامل قطعی طور پر ایک دوسرے کے تابع نہیں ہیں یعنی اگر بالفرض امامؑ سے بیعت کا تقاضا نہ ہوتا، تب بھی آپؑ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے عنوان سے معترض ہوتے اور بالفرض اگر اس عنوان سے اعتراض نہ بھی کرتے تب بھی بیعت تو نہ کرتے، اسی لئے ہمارا موضوعِ بحث و گفتگو تیسرا سبب اور علت ہے کہ اس کی کیا ارزش ہے اور ہمیں اس کے اصل ہونے یا فرع ہونے سے بحث ہے۔

یہاں پر ممکن ہے کوئی یہ گمان کرے کہ اس واقعہ میں اصل سبب یہ تھا کہ امامؑ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے اور دوسرے دو اسباب یعنی بیعت کرنے سے انکار اور امر بہ معروف اور نہی از منکر کے عنوان سے معترض ہونا اس کام کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتے تھے، ظاہری بات ہے کہ جو شخص

[1] [ارشاد مفید/ص ۲۱۸]

اوضاع واحوال کو اپنے فائدہ میں دیکھتا ہے اور حکومت کرنے کا قصد رکھتا ہے، اسے بھی بیعت نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اگر بیعت کرلے تو اپنے مقصد ہی کو خراب کرلے گا، لیکن حکومت کے خلاف تبلیغ کیلئے ایک جمیعت کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ یہ ان پر انتقاد و اعتراض کرے اور ایک دستور کے تحت امر بہ معروف و نہی از منکر کے اسلامی اصول کو اپنا منشور قرار دے، اگر بیعت کرنے سے انکار اور امر بہ معروف کے عنوان سے اعتراض کو کوفہ جانے کے لئے مقدمہ سمجھا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جیسے ہی متوجہ ہوں کہ اوضاع واحوال اپنے حق میں نہیں ہیں تو اپنے وضع کو ان دو اسباب کے لحاظ سے بدل دیں یعنی بیعت کرنے کے لئے بھی حاضر ہو جائیں اور اعتراض و انتقاد کرنے سے بھی دست بردار ہو جائیں۔

آقائے صالحی کی کتاب سے بہر حال یہی مطالب نکلتے ہیں کہ امامؑ کا اصلی ہدف کوفہ کی حکومت تھی، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، آقائے صالحی کا سب سے بڑا اشتباہ یہی ہے، امامؑ بیعت کرنے اور تسلیم ہونے کے لئے قطعاً راضی نہیں ہوئے، خود امام حسین۔ فرما چکے تھے کہ میں کسی بھی صورت میں بیعت نہیں کروں گا: [ولو لم یکن ملجاو لامأوی] ''اگرچہ میرے لئے کوئی بھی پناہ گاہ نہ ہو'' یعنی چاہے کوفہ والے مجھے قبول کریں یا نہ کریں، میں بیعت نہیں کروں گا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوفہ والوں کیطرف سے یاوری میں مایوسی کے باجود آپؑ نے ان پر انتقاد کرنے سے گریز نہیں کیا بلکہ حُر سے آمنا سامنا ہونے اور کوفہ کے احوال سے باخبر ہونے کے بعد تو آپؑ نے اور بھی سخت لہجے میں ایراد فرمایا، حضرت مسلم یا قیس بن مسہّر یا عبداللہ یقطر کی شہادت کی خبر ملنے کے بعد آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿من المومنین رجال صدقوا ماعاهدوا الله علیه﴾ ''مومنین میں سے ایسے بھی مرد میدان ہیں جنھوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کر کے دکھایا ہے'' (احزاب/۲۳)

کوفہ کے حالات کے متغیر ہونے کے بعد امامؑ کا مقاومت اور پائداری سے پیش آنا شاید اس لئے تھا

کہ سمجھا دیں کہ آپکا بیعت سے انکار کرنا اور اسی طرح اُن پر اعتراض اور انتقاد کرنا کوفہ پر حکومت کرنے کے لئے نہیں تھا، امامؑ کا انصراف (واپس لوٹنے) کا اعلان کرنا فقط کوفہ جانے سے انصراف کا اعلان تھا نہ کہ بیعت سے انکار کا انصراف ،اور نہ ہی اعتراض وانتقاد اور امر بہ معروف ونہی ازمنکر سے انصراف۔

آقائے صالحی کے عقیدہ کے برخلاف آپؑ کا بیعت نہ کرنا اور حکومت پر تنقید کرنا کوفہ کے حالات سے وابستہ نہیں تھا کہ یہ حالات اگر فراہم نہ ہوں تو بیعت کرنے کیلئے بھی حاضر ہوجائیں اور اعتراض کو بھی ترک کردیں، جی ہاں! حسینؑ تنقید کے خطرے سے آگاہ تھے اور اس کے خونی اثر سے بھی واقف تھے، لیکن آپؑ چاہتے تھے آپکے اس جرم کے اعلان کو خون سے لکھا جائے تاکہ کبھی بھی مٹ نہ پائے، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپؑ نے کوئی ایسا راستہ اختیار نہیں کیا کہ کم از کم آپؑ کی فرزندان اور اصحاب قتل ہونے سے بچ جاتے۔ فرض کریں کہ امامؑ خود اپنے لئے خطرہ دیکھ رہے تھے، پھر کیوں آپؑ آمادہ ہوئے کہ وہ لوگ بھی قتل ہوں؟ اس کے علاوہ کیوں عبیداللہ حر جعفی کو، ضحاک بن عبداللہ مشرقی کو حتی حر بن یزید کو ملاقات کے بعد اپنا ساتھ دینے کی دعوت دی؟ (تاریخ کی کتب میں رجوع کریں کہ یہ کام حُر سے سامنا ہونے کے بعد میں ہوا ہے یا نہیں؟) اور خصوصاً بنی اسد کو کیوں شب عاشورا ساتھ دینے اور نصرت کرنے کی دعوت دی؟

(ج) آیا امامؑ واقعی کوفہ والوں پر اعتماد کرچکے تھے اور آپؑ کو ان کی نیت پر حُسنِ ظن حاصل تھا یا یوں کہوں کہ آیا امامؑ نے کوفہ کے لوگوں کو اپنے اس قیام میں حساب کیا تھا یا نہیں؟

بعض لوگ مثلاً ''ابن خلدون، قاضی ابن العربی'' اور کچھ دوسرے بشمول آقائے صالحی اس نہضت کا اصلی عامل' کوفہ کی ظاہری حالت اور کوفہ والوں کی دعوت کو سمجھتے ہیں اور غالباً یہ فرض کرتے ہیں کہ امامؑ نے کوفہ والوں پر اعتماد کرلیا تھا اور پھر اس کے بعد اس کو امامؑ کی خامی سمجھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ امامؑ کا کوفہ والوں پر حسن ظن صحیح موقع پر نہیں تھا، جیسا کہ آقائے صالحی نے کہا ہے کہ: امامؑ کا ان پر اعتماد

کرنا اور ان کو اپنے اس قیام میں جگہ دینا تو صحیح تھا، البتہ حالات کا بدل جانا پیش بینی کے قابل نہیں تھا اور عادی حالت میں ممکن نہیں ہے کہ کوئی ایسی پیش بینی کرے، جس طرح کہ اُحد میں بھی حالات کا بدل جانا پیش بینی کے قابل نہ تھا اور تیر اندازوں کی خطا کی وجہ سے جبل الرماۃ کا واقعہ رونما ہوا۔

ظاہری بات ہے کہ اگر نہضت وقیام امام حسینؑ کا اصلی سبب اور علت کوفہ والوں کی دعوت ہوتی تو امامؑ کو کچھ زیادہ ہی احتیاط کی ضرورت تھی اور پھر آپؑ ابن عباس کی نصیحت پر عمل کرتے اور کوفہ والوں پر اعتماد نہ کرتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپؑ نے کوفہ والوں پر کسی قسم کا بھی اعتماد نہیں کیا، بہت سی جگہوں پر بہت سے افراد نے آپؑ سے عرض کیا ہے [قلوبهم معک و سیوفهم علیک] ''ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کے تلواریں آپؑ کے خلاف'' خود امامؑ نے بھی فرمایا: [لایخفیٰ علیّ الامُر] ''جو کام ہونا ہے مجھ سے مخفی نہیں'' فرزدق کے جواب میں فرمایا: ''اگر کام میری مرضی کے مطابق ہوا تو میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں'' [وان حال القضاءُ دون الرجاء فلن یتعدد(یعتد) من کان الحق نیتهُ والتقویٰ سریرته] ''اور اگر قضا وقدر الٰہی ہماری آرزؤں میں حائل ہوا، البتہ جس کی نیت حق ہو اور باطن تقویٰ سے آراستہ ہو، وہ حساب میں متجاوز نہیں ہوگا۔''

اس کے علاوہ راستے میں امامؑ سے کچھ ایسے جملے سنے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ اپنے اس سفر کو کوئی سلامتی والا سفر نہیں جانتے تھے، اگر ہم آپؑ کے [خُطّ الموت علی ولد آدم ......] ''موت فرزند آدم کیلئے حتمی ہے......'' والے خطبہ کی طرف نظر کریں یا آپؑ کے اس جملہ پر غور کریں [: وانّ من هوان الدنیا ان رأس یحییٰ بن زکریا اهدی الی بغیّ من بغایا بنی اسرائیل] ''دنیا کی پستی یہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کے مبارک سر کو بنی اسرائیل کے بدکاروں میں سے ایک بدکار کیلئے ہدیہ بھیجا گیا'' اسی طرح آپؑ کا معروف خواب: [ان الله شاء ان یراک قتیلا] ''خدا آپ کو شہید دیکھنا چاہتا ہے'' یا: [ان لک درجةً عندالله لن

تنالھا الا بالشھادۃ] ''خداوند عالم کے نزدیک آپ کیلئے ایک درجہ ہے لیکن اس کا حصول شہادت کے بغیر ممکن نہیں'' اگر ان کلمات کی اصل قابل اعتماد ہو، تو مطلب بہت زیادہ واضح و روشن ہے۔

(د) آیا امامؑ نے ابتداء سے ہی کربلا کے قصد سے حرکت کی یا نہیں؟ اگر بالفرض کربلا کے قصد سے حرکت نہ کی تو آیا شہید ہونے کے قصد سے اور شہید ہونے کا علم ہوتے ہوئے حرکت کی یا نہیں؟

تاریخی اعتبار سے ہم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آیا امامؑ نے کربلا کے قصد سے یا شہید ہونے کا علم رکھتے ہوئے حرکت کی تھی یا نہیں؟ تاریخ جن واقعات کے ظواہر کو نقل کرتی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ نے کوفہ کی طرف کوفہ کے قصد سے حرکت کی اور حُر بن یزید ریاحی سے سامنا ہونے اور اس کے عراق کی سرزمین سے نکلنے کی اجازت نہ دینے اور امامؑ کے بھی حُر کی نگرانی میں کوفہ جانے کیلئے تیار نہ ہونے کے بعد آپؑ نے مغرب اور بائیں طرف کا راستہ اختیار کیا، یوں آپؑ کربلا پہنچے اور ابن زیاد کا حُر کے نام خط آنے کے بعد یہاں پر متوقف ہوئے، شہید ہونے کا علم رکھنے کے بارے میں تاریخ سے بجز اس سفر کے غیر قابل اطمینان ہونے کے، کچھ اور ثابت نہیں ہوتا۔

لیکن بہرحال یہ صورت دوسری صورت سے کوئی منافات نہیں رکھتی اور وہ دوسری صورت یہ ہے کہ امامؑ ایک اور لحاظ سے یعنی معنویت اور امامت کے لحاظ سے یہ جانتے تھے کہ آخر کار کربلا میں نزول ہوگا اور وہیں شہید ہونگے۔

(ھ) امامؑ نے حر بن یزید ریاحی سے سامنا ہونے کے بعد اور اسی طرح کربلا میں چند جگہوں پر واپس لوٹنے کا اعلان فرمایا، یہ واپس جانے کا اعلان کیا معنی و مفہوم رکھتا ہے؟

ہم یہ بات پہلے بتا چکے ہیں کہ امامؑ کا واپس جانے کا اعلان کوفہ سے واپس جانے اور کوفہ میں حکومت تشکیل دینے سے انصراف کا اعلان تھا، نہ کہ بیعت سے انکار سے انصراف کا، اور نہ ہی یہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے قیام سے انصراف کا اعلان تھا، لیکن آقائے صالحی کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے، حقیقت یہ ہے کہ امامؑ نے کوفہ کے سقوط کے بعد اپنے دیگر دو اہداف سے ہاتھ نہیں اٹھایا

آپؑ بیعت سے انکار اور اسی طرح حکومت پر تنقید فقط اپنی حکومت کے قیام کیلئے نہیں کر رہے تھے، آپؑ ان دونوں کے خطرات سے بھی کلی طور پر واقف تھے، آپؑ نے ایسا اسلئے کیا کہ آپؑ چاہتے تھے کہ اپنے پیام کو اور بیعت سے ''انکار'' کے جواب کو اپنے لہو سے رقم کر دیں تا کہ پھر یہ ہرگز مٹ نہ سکے۔

(د) یہ بات واضح ہے کہ کوفہ والوں کی دعوت کے سبب امامؑ کا قیام ایک ابتدائی قیام تھا بلکہ اس لحاظ سے تو یہ قیام حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے ایک اقدام تھا اس انقلاب کا رخ محض حکومت کو کمزور کرنے یا محض اس کی اصلاح کیلئے نہیں تھا، جہاں مقصد نہی از منکر ہو، وہاں ہدف اصلاح ہونا چاہئے، خواہ وہ اصلاح حکومت کو کمزور کرنے کی صورت میں ہو، اس کے سقوط کی صورت میں ہو یا خود اصلاح ہی کی صورت میں ہو۔

(ز) معلوم ہوا کہ ان تمام عوامل میں سے ہر ایک عامل امام- پر ایک خاص ذمہ داری عائد کرتا ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ ان تمام اسباب میں سے ہر سبب امامؑ کی اس نہضت کو ایک خاص قدر و قیمت بخشتا ہے، اگر اس قیام کو ہم فقط دعوتِ اہل کوفہ پر محمول کریں اور اسکی موفقیت کا احتمال زیادہ سے زیادہ پچاس فی صد شمار کریں تو آپؑ کی نہضت کی قدر و قیمت اسی قدر ہوگی کہ آپؑ نے ایک احتمال والا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور بیٹھے نہ رہے ضمناً حکومت کے بارے میں امامؑ کا نظریہ اور رائے حضرت مسلم کے ذریعہ اہل کوفہ کو بھیجے گئے خط سے اور بیضہ کے مقام پر دیئے گئے آپ کے خطبہ سے روشن ہو جاتا ہے، اگر یہ کہیں گے کہ بیعت کے تقاضے کے سبب سے یہ قیام وجود میں آیا، تو اس وقت تک تو کوفہ والوں نے نصرت کا اعلان بھی نہیں کیا تھا۔ اگر امامؑ کے اس قیام کی قدر و قیمت یہ ہے کہ ایک خونخوار اور طاقتور حکومت کے بیعت کے تقاضے کو آپؑ قبول نہیں کرتے، اس کیلئے تو حاضر ہیں کہ آپ کا خون بہا دیا جائے لیکن آپؑ بیعت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، اس سبب کی بنیاد پر اگر حکومت آپؑ سے کوئی سروکار نہ رکھتی اور آپؑ سے کوئی چیز طلب نہ کرتی تو کیا آپؑ کو بھی ان کے

کاموں سے کوئی سروکار نہ ہوتا؟ اور پہلے عامل کی بنیاد پر اگر کوفہ والے اپنی آمادگی کا اعلان نہ کرتے تو کیا امامؑ بھی تمرّد نہ کرتے اور آیا ممکن تھا کہ بیعت بھی کر لیتے؟ لیکن بہرحال بیعت سے انکار کا عامل اہلِ کوفہ کی دعوت کے قبول کرنے کے عامل سے زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے، اس لئے کہ دعوت کے قبول کرنے کے عامل میں جان کی سلامتی کا کچھ احتمال تو تھا، اس کے علاوہ حکومت کے ہاتھ آنے اور دشمن کو شکست دینے کا احتمال بھی موجود تھا لیکن بیعت سے انکار کے عامل میں، خاص طور پر جن ایام میں یہ تقاضا شروع ہوا تھا شہید کئے جانے کا احتمال یقین کی حدتک قوی تھا ان دونوں عوامل کے برعکس امر بہ معروف اور نہی از منکر کا عامل وہ ہے کہ خود امامؑ بھی اس کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے اور ان موقعوں پر آپؑ نے بیعت سے انکار اور اہل کوفہ کی دعوت کے قبول کرنے کا کوئی نام بھی نہیں لیا ہے، ان دونوں عوامل کی بہ نسبت یہ تیسرا عامل اس لئے زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے کہ اسی عامل کی بنیاد پر امامؑ نے حکومت وقت سے ٹکر لی تھی، غرض یہ جھگڑا ایک قسم کا ہجوم ہے اور اس کا آغاز آپؑ کی طرف سے ہوا ہے، نہ لوگوں کی طرف سے اور نہ ہی حکومت کی طرف سے، اس عامل کے لحاظ سے امامؑ مہاجم اور معترض ہیں، نہ کہ دافع۔ اور اس عامل کی رو سے آپؑ کا کام ایک ابتدائی عمل ہے، نہ فقط ایک منفی عکس العمل کہ جو بیعت کے طلب کرنے پر کیا ہو اور نہ ہی فقط ایک مثبت عکس العمل جو اہلِ کوفہ کی مدد اور یاوری کرنے کے جواب میں حکومت تشکیل دینے کیلئے کیا ہو۔ اس عامل کی بنیاد پر خواہ حکومت بیعت کا تقاضا کرے یا نہ کرے آپؑ معترض ہیں اور حکومت کی موجودہ وضع میں تغیّر کے خواہاں ہیں۔ کوفہ والے آپؑ کو قبول کریں اور آپؑ کی مدد کریں یا قبول نہ کریں اور مدد بھی نہ کریں، پھر بھی آپؑ معترض ہیں اور موجودہ حکومت کے تغیّر و تبدل کے خواہاں ہیں چنانچہ اسی لحاظ سے یہ قیام حد سے زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے اور اس میں ہمارے لئے سبق ہے۔

پس یہ تینوں عوامل امامؑ کی ذمہ داری اور عکس العمل کے لحاظ سے اور اہمیت، قدر و قیمت اور قابلیت کے لحاظ سے، نیز درس اور سبق آموز ہونے کے لحاظ سے آپس میں متفاوت اور مختلف ہیں، اور جیسا کہ اس سے قبل بھی

بتا چکے ہیں کہ اس منطق کے تحت یہ ایک انقلاب ہے اور امامؑ اس انقلاب کے توسعہ کے حق میں ہیں۔

نہضت حسینیؑ سے متعلق سوالات

۱۔ آیا قیام حسینیؑ ایک انفجار تھا یا ایک جانا بوجھا اور مصمم ارادہ کے تحت اٹھایا گیا اقدام؟ دوسری صورت میں آیا یہ حکومت کے خلاف ایک ابتدائی شورش اور انقلاب تھا، یا حکومت کے مقابل ایک قسم کا دفاع اور مقاومت؟ اور اس دوسری صورت میں آیا یہ مقاومت اس لئے تھی کہ لوگ آپؑ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے یا پھر یہ مقاومت ان کے بیعت کے تقاضے کے مقابل میں تھی؟ اگر یہ انقلاب ابتدائی تھا تو آیا انقلاب کی بنیاد کوفہ کے لوگوں کی دعوت تھی یا یہ کہ اگر کوفہ کے لوگ دعوت نہ بھی دیتے، تب بھی آپؑ قیام کرتے؟

۲۔ آیا امام حسینؑ جانتے تھے کہ آپؑ شہید کر دیئے جائیں گے (علم امام کے ذریعے یا قطعی قرائن کے ذریعے) یا نہیں جانتے تھے اور یقین نہیں تھا کہ شہید ہو جائیں گے؟ دوسری صورت میں اگر جان لیتے تو کسی اور طریقہ سے پیش آتے یا اسی طرح پیش کرتے کہ جس طرح آپؑ پیش آئے؟ اور نتیجتاً آیا یہ جاننے کے بعد کہ شہید کر دیئے جائیں گے جو کچھ انجام دیا اس پر پشیمان ہوئے یا نہیں؟

۳۔ آیا امام حسینؑ نے کربلا کے قصد سے (اور قہراً اپنی مخصوص قربانگاہ کی قصد سے) حرکت کی یا بالفرض شہید ہونے کے قصد سے حرکت تو کی، لیکن آپؑ کا مقصد خصوصی طور پر کربلا نہیں تھا؟ اگر آپؑ کا قصد کربلا کا نہیں تھا تو پھر آپؑ کہاں کا قصد رکھتے تھے؟ آیا آپؑ کا قصد عراق کا تھا کہ جو مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی اور شیعوں کا مرکز تھا کہ اس جگہ کو مرکز قرار دیں یا پھر آپؑ کسی معین جگہ کا قصد نہیں رکھتے تھے، بس فقط حجاز میں رہنا نہیں چاہتے تھے یا شاید شام جانے کی فکر میں تھے؟ پس اگر آپؑ کا قصد کربلا کا نہ تھا تو آیا آپؑ جانتے تھے کہ کسی بھی صورت میں اس سفر میں شہید کر دیئے جائیں گے یا نہیں جانتے تھے؟

۴۔ آیا امام حسین - نے صلح کی پیشنہاد کی یا نہیں؟ دوسری صورت میں آیا مقابل کی طرف سے صلح کی

پیشنہاد آئی اور آپؑ نے اس کو ردّ فرمایا یا پیشنہاد آئی ہی نہیں؟ اگر ہم فرض کریں کہ آپؑ نے صلح کی پیشنہاد کی تو اس صورت میں آپؑ کے اور امام حسنؑ کے درمیان کوئی بھی فرق نہیں، فرق آپؑ کے مقابل والوں میں ہے کہ معاویہ نے صلح کو قبول کیا لیکن یزید نے قبول نہ کیا، اور اگر حسینؑ نے صلح کی پیشنہاد کی تو ابتداء ہی سے کیوں بیعت نہ کی؟ آقائے (صالحی) نجف آبادی اس بات کے معتقد ہیں کہ امامؑ نے پانچ مرتبہ صلح کی پیشنہاد دی۔

۵۔ اگر امام حسینؑ نے صلح کی پیشنہاد نہیں کی، اور نہ ہی دوسری طرف سے صلح کی پیشنہاد کو قبول کیا، تو اس کی علت کیا تھی اور اگر ایسا تھا تو پھر امام حسنؑ نے کیوں صلح کو قبول کیا؟

۶۔ آیا جملہ: ان اللہ شاء ان یراک قتیلاً ''خدا آپؑ کو شہید دیکھنا چاہتا ہے'' صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۷۔ آخر کیوں امام حسین۔ نے تقاضائے بیعت کے مقابل اس حد تک مقاومت، کہ امیر المومنینؑ اور دیگر آئمہ طاہرینؑ نے تو اس تقاضے کے مقابل اس قدر مقاومت نہیں کی تھی، آیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی بیعت اکثریت کے تسلیم ہوجانے کی بناء پر تھی اگرچہ مخلوط اکثریت ہی سہی۔ لیکن امام حسینؑ سے جس کا تقاضا کیا جا رہا تھا، وہ ولیعہدی کی رسم کو تسلیم کرنا تھی؟

۸۔ آیا بیعت اور صلح کے درمیان فرق ہے یا نہیں؟ آیا یہ کہنا صحیح ہے کہ بیعت خاص شرائط کی موجودگی میں جائز نہیں ہوا کرتی تو کیوں بیعت تائید کرنے اور دستخط کرنیکے مترادف ہے؟ لیکن صلح اس لئے جائز ہے کہ یہ عام طور پر دو متخاصم کے درمیان واقع ہوتی ہے اور یہ کسی قسم کی تائید کا مفہوم نہیں رکھتی، بلکہ صلح ہوتی ہی وہیں ہے، جہاں دو اشخاص کے درمیان جھگڑا ہو، پس آیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام حسینؑ بیعت کیلئے راضی نہیں تھے لیکن ایک فرد متخاصم کی صورت صلح کے لئے حاضر تھے؟

۹۔ آیا ہمارے پاس کوئی ایسے قرائن ہیں جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ امام حسینؑ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے خواہاں تھے؟ یا پھر آپؑ فقط بیعت سے انکار کر رہے تھے اور زیادہ سے زیادہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے داعی تھے؟ ہمارے عقیدہ کے مطابق اہل کوفہ کے خطوط پر آپؑ کا عکس

العمل خود اس بات کی دلیل ہے کہ امامؑ حکومت اور زعامت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے خواہاں تھے، حضرت مسلم بھی اس قسم کے کام کیلئے کوفہ آئے تھے۔

اس سوال کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا آپؑ کا مکہ جانا صرف بیعت سے انکار کی وجہ سے تھا یا اس لئے تھا کہ وہاں پر جا کر حکومت بنانے کے لیئے زیادہ فوج جمع کرسکیں اور زیادہ فعالیت پیدا کرسکیں؟

۱۰۔ آیا امام سجادؑ نے واقعہ ''حرہ'' میں مسلم بن عقبہ کے ذریعے یزید کی بیعت کی تھی؟

۱۱۔ ایک سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حر اور عمر سعد کی افواج کے مدمقابل ہونے کے بعد ہمیشہ امامؑ اپنی پیشنہادوں کے ضمن میں، حجاز واپس جانے کا دلی ارادہ ظاہر کرتے ہیں؟

۱۲۔ کیا حُر اور عمر سعد کے مدمقابل ہونے کے بعد امامؑ کی مدینہ واپس جانے کی پیشنہاد اپنے انقلاب کے دامن کو توسیع دینے اور پھیلانے کیلئے تھی؟

۱۳۔ اگر امامؑ حکومت کے خلاف انقلاب اور شورش کا قصد نہیں رکھتے تھے تو پھر بصرہ کے لوگوں کو کیوں دعوت دی اور کیوں انہیں خط لکھے؟

آیا امامؑ نے یمن، خراسان، مصر اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی خط لکھے یا نہیں؟ ممکن ہے خط لکھے ہوں لیکن مخفی رہ گئے ہوں مگر بصرہ والوں کے نام امامؑ کا خط تاریخ میں ''منذر بن جارود'' کے ذریعہ کشف ہوا۔

۱۴۔ آقائے غفاری کتاب ''بررسیٔ تاریخ عاشورا'' کے مقدمہ میں یہ مسائل ذکر کرتے ہیں:

آیا حسینؑ بن علیؑ کا اقدام بیعت سے فرار کی بنا پر تھا یا اہل کوفہ کی دعوت کے جواب میں تھا؟ یا پھر یہ قیام اور نہضت آج کل کے بقول ''انقلاب تھا''؟ آیا آپؑ جانتے تھے کہ شہید ہو جائیں گے' یا نہیں جانتے تھے؟ آیا کسی منصوبہ کے تحت کام کر رہے تھے یا جب مسائل کا سامنا ہوتا، تب ان کے لئے جداگانہ عزم کرتے تھے؟ کیوں آپ کبھی اپنے ساتھیوں کو چلے جانے کو کہتے اور کبھی ساتھیوں کے علاوہ دسرے لوگوں کو بھی مدد و یاوری کے لئے طلب کرتے؟ حضرت مسلم کی شہادت کی خبر سننے کے بعد آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے چلے جانے کی

بات کی اور خود کو تنہا چھوڑ دینے کے بارے میں کہا جبکہ عبید اللہ بن حر جعفی، زہیر بن القین اور ضحاک بن عبداللہ مشرقی کو اپنی یاوری اور مدد کیلئے طلب کیا، حتیٰ کہ ضحاک بن عبداللہ کی پیش کش قبول کی کہ آخری وقت تک آپؑ کی یاوری کریں اور بعد میں چلے جائیں۔

شب عاشورا ایک طرف آپؑ نے اپنے تمام اہل خاندان اور ساتھیوں کو رخصت دے دی اور ان پر سے بیعت اٹھانے کا اعلان کر دیا اور دوسری طرف اسی رات اپنی مدد کیلئے قبیلۂ بنو اسد کو بلانے کے لئے حبیب ابن مظاہر کو بھیجا، جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ فوق العادت خطرہ والا کام کر بیٹھا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، پھر کیوں وہ اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر جاتا ہے؟ بعض لوگ اس اقدام کو بلا منصوبہ اور تدریجی گمان کرتے ہیں، ان کے عقیدہ کے مطابق امامؑ کے اقدام کا آغاز انکارِ بیعت سے ہوا اور مکہ جو جائے امن ہے، امامؑ اپنے بال بچوں کے ساتھ وہاں پناہ گزین ہوئے، بعد میں دو باتیں مکہ سے خروج کا سبب بنیں: ایک کعبہ کی حرمت ختم ہونے کا خوف اور دوسرے اہل کوفہ کی دعوت۔ حضرت مسلمؑ کی شکست کی خبر جب امامؑ کو عراق کی سرحد پر پہنچتے ہی ملی تو امامؑ وہاں سے واپس جانا چاہتے تھے لیکن واپس نہیں جاسکے کربلا میں گرفتار ہوئے اور شہید کر دیئے گئے۔

بعض نے کہا ہے کہ امامؑ نہیں جانتے تھے کہ شہید ہو جائیں گے، وگرنہ آپؑ ایسا اقدام نہ کرتے، امامؑ کو یقین نہ تھا کہ رسولؐ خدا سے اس قدر نزدیک کی قرابت ہونے کے باوجود شہید کر دیئے جائینگے، اس کے برعکس بعض نے کہا ہے کہ امامؑ کو یقین تھا کہ کسی بھی صورت میں شہید کر دیئے جائیں گے' لہٰذا عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی، آقائے غفاری خود کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کا یہ اقدام ایک قیام ونہضت اور ایک انقلاب تھا، معاویہ کے دور میں کچھ ایسے عوامل وقوع پذیر ہوئے تھے جن کے سبب امامؑ پر قیام اور نہضت واجب ہو گیا تھا، دوسری طرف ہمارے پاس بہت سے قرائن اور شواہد ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امامؑ اسی زمانے سے اپنے قیام کے مقدمات کو فراہم کر رہے تھے۔

ہم ان مقدمات کو نہضت حسینیؑ کی یادداشت نمبر ۳۸ میں بیان کریں گے۔

قیام حسینیؑ سے متعلق یادداشت

۱۔ آقائے صالحی نجف آبادی اپنی کتاب ''شہید جاوید'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''حادثہ کربلا کے موضوع میں دو قسم کے اظہار نظر ہوئے ہیں، ایک میں افراط کا پہلو نمایاں ہے جبکہ دوسرا تفریط کا شکار ہوا ہے، ایک گروہ اس خیال کا حامل ہے کہ قیام حسینیؑ ایک خام انقلاب ہے، ایک بے سمجھی بوجھی شورش اور ایک ایسا اچانک انقلاب ہے جس کی عقوبت پر غور نہیں کیا گیا تھا اور جس نے تمام جامعہ کے نظم ونسق کو درہم برہم کر دیا تھا۔ حکومت عمومی نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے اس قیام کو کچلنے پر مجبور تھی اور اس نے پیغمبر اکرمؐ کے دستور کے مطابق کہ جو بھی امت اسلام کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہے اس کی سرکوبی تلوار سے کرنا چاہیئے، ان کو کچل دیا۔

دوسرے گروہ کا تجزیہ افراط کا شکار ہے، وہ کہتا ہے کہ حسین بن علیؑ نے کسی خاص حکم کے تحت جو خود ان کے لئے مخصوص تھا، اپنے آپؑ کو شہادت کیلئے پیش کیا اور اس قضیہ کے راز کو کوئی اور نہیں جانتا تھا۔

اگر ہم بالفرض پہلے گروہ کے قول کے مطابق انقلاب حسینیؑ کو خام اور بے سمجھی بوجھی شورش قرار دیں، تب بھی کوئی دلیل نہیں بنتی کہ ہم اس کو عمومی نظم ونسق برباد کرنے والی شورش وہنگامہ قرار دیں اور ان کے مخالفین کے اعمال کو صحیح مان لیں، کیونکہ جب حکومت فاسد ہو اور اہل حق فقط امکانات کے نہ ہونے کی وجہ سے قیام نہ کرتے ہوں' تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ قیام کرنے کی صورت میں ان کو شہید کرنا حاکم کی نظر سے جائز سمجھا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ایک تیسری صورت بھی ہے وہ یہ کہ امام حسینؑ نے اسلام کے کلی دساتیر کے مطابق قیام کیا تھا، اس طرح کے قیام کیلئے یہ شرط نہیں ہوتی کہ خاص ماحول فراہم ہو اور اقدام قطعی بارآور ہو تو ہی قیام کیا جائے بلکہ ایسے مواقع پر بارآور ہونے کا احتمال ہی کافی ہے، علاوہ براین اگر بارآور نہ بھی ہو تو اس سے اسلام پر کوئی ضرر نہیں پڑتا تھی بلکہ اس قیام نے تو جامعہ کو ثمر اور نتیجہ کی طرف ایک قدم نزدیک تر کیا ہے۔ خود امامؑ کے کلمات سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے۔ مکہ سے خروج کے وقت فرزدق شاعر کی بات کے جواب

میں امامؑ نے جوفرمایا،اس سے یہ بات آشکار ہے،آپؑ نے فرمایا:

[وان حال القضاء دون الرجاء فلن یتعدمن کان الحق نیتهٗ والتقویٰ سریرته] ''اگر قضاوقدر الٰہی ہماری آرزوؤں تک پہنچنے میں حائل ہے البتہ جس کی نیت حق ہو اور جس کا باطن تقویٰ سے آراستہ ہو، وہ متجاوز شمار نہیں ہوتا''۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ امام - نے شہید ہونے کا علم رکھنے کے باوجود قیام کیا،البتہ شہادت کے علم ہونے کا قیام کے بے ثمر اور بلانتیجہ رہ جانے کے علم رکھنے یا نہ رکھنے سے کوئی تعلق نہیں، اگر قیام کا مقصد فقط حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینا ہو تو شہید ہونے کے بعد نہضت بے ثمر رہ جاتی ہے لیکن اگر ہدف و مقصد بنوامیہ کی حکومت کو متزلزل کرنا ہو، ان کو اسلام سے جدا کرنا ہو اور امر بہ معروف اور نہی از منکر کو زندہ کرنا ہو تو اس وقت شہادت بے فائدہ اور بلانتیجہ نہیں ہوا کرتی۔[1]

اگر اس قیام کے نتیجہ میں بعد میں جو دوسرے بہت سے قیام وقوع پذیر ہوئے، یہ نہ ہوتے تو اسلام اور بنوامیہ آپس میں اس قدر مخلوط ہو جاتے کہ ان کا جدا کرنا پھر ممکن نہیں ہوتا اور بنوامیہ کے ساتھ اسلام بھی ختم ہو جاتا۔

۲۔ قیام حسین بن علیؑ کی علتوں کے بارے میں جب بحث چھڑ جاتی ہے تو کبھی بحث کا عنوان امامؑ ہوتے ہیں کہ آپؑ کی تحریک کے کیا محرکات تھے؟ اور کبھی بحث کا عنوان آپؑ کے دشمن ہوتے ہیں کہ ان کی طرف سے حسین بن علیؑ پر دباؤ ڈالنے اور فشار پیدا کرنے کی کیا وجہ تھی؟ آقائے صالحی دباؤ ڈالنے کا سبب تین چیزیں بتاتے ہیں:

(الف) حسینؑ سے بیعت لے کر اپنی حکومت کو مستحکم کرنا: امامؑ کی بیعت یزید کیلئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی

۱؎ [جیسا کہ ہم خود اپنے اس دور میں بھی کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں جو احتجاج کرنے اور انقلاب کی آگ روشن کرنے کیلئے خود کو اپنے تئیں آگ لگا کر جلا ڈالتے ہیں (self imolation) اگرچہ اسلام میں اس طرح سے مرجانا جائز نہیں بلکہ یہاں مارے نہ جانے کا اطمینان رکھنا بھی لازم نہیں ہے، قیس بن سہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر کے کام اسی قسم کے تھے]

تھی اور آپؑ کا بیعت نہ کرنا اس کے لئے بہت مضر رساں تھا، اس وقت کے حالات میں امامؑ کا بیعت نہ کرنا اور ایک استبدادی حکومت جو بیس سال سے حکومت کر رہی تھی، اس کا سقوط پذیر ہونا بہت زیادہ اضطراب کی بات تھی۔

(ب) عقدۂ حقارت: امامؑ کا سر مبارک جب یزید کے سامنے لایا گیا، اس وقت یزید کا تحقیر آمیز رویہ اس کے اس سخن سے ظاہر ہے جس میں اس نے اس آیت سے تمسک کیا: ﴿قل اللهم مالک الملک......﴾ (آل عمران/۲۶)

(ج) وہ انتقامی جذبہ جو بنوہاشم اور بنوامیہ کے مابین پیش آنے والے گزشتہ واقعات سے مربوط ہے: ہند کی جگر خوری اور طول تاریخ میں ابوسفیان کے مختلف عکس العمل اس بات کے گواہ ہیں، جنگ بدر بنوامیہ کے دلوں میں ایک کینہ وجود میں لائی تھی یزید کے یہ اشعار اس بات کے گواہ ہیں:

[لیت اشیاخی ببدرٍ شَهِدوا......] ''کاش ہمارے بدر میں مرنے والے بزرگ آج ہوتے اور یہ ماجرا دیکھتے... ''[1]

۳۔ معاویہ کے بعد امام حسین - کی وضع اور اہل کوفہ کی آپؑ کی بیعت کیلئے فریاد اور مدد طلبی اس کے مقابلہ میں قتل عثمانؓ کے بعد حضرت امیرؑ کے حالات اور لوگوں کا اُن کی بیعت کیلئے مطالبہ۔ ان دونوں بظاہر ایک جیسی صورتحال کا موازنہ اور دونوں ادوار کے لوگوں کا آپس میں موازنہ۔

۴۔ آقائے صالحی کے عقیدہ کی رو سے کسی قیام کی ابتداء کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس میں شکست کا احتمال کامیابی کے احتمال سے کم ہو، ورنہ ابتدائی قیام جائز نہیں اس کے برعکس دفاعی قیام میں موافق ہونے کا احتمال خواہ کتنا ہی کم ہو، جائز ہے۔

انہوں نے قیام کے جواز کو احتمال کی جہت میں ذکر کیا ہے کہ اگر زیادہ گمان ہو تو جائز ہے وگرنہ جائز نہیں، لیکن اس صورت میں جب احتمال کا رُخ موافقت میں زیادہ ہو، فقط تب ہی محتمل کی جانب

۱؎ [یہاں پر ایک چوتھی صورت بھی ہے جو ان تین صورتوں کے لئے ایک مؤید ہے، وہ یہ کہ عرب خصوصاً زیاد اور ابن زیاد جیسے لوگ طبعاً خونخوار اور عداوت رکھنے والے لوگ تھے]

قیام زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس ضمن میں بعض گمان کرتے ہیں کہ اگر کامیابی کا احتمال نوے فیصد بھی ہو اور ناکامی کا احتمال فقط دس فیصد ہو پھر بھی اقدام جائز نہیں جبکہ بعض سمجھتے ہیں کہ اگرچہ کامیابی کا احتمال حد سے زیادہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی قیام جائز ہے۔

۵۔ آقائے صالحی کے عقیدہ کی رو سے امامؑ کا قیام دستگاہ حکومت پر ہجوم سے شروع ہوا اور اس کے چار مرحلے ہیں:

(الف) مکہ کیلئے نکلنے کے مصمم ارادہ سے لیکر مکہ میں قیام تک۔

(ب) کوفہ جانے کے ارادہ سے لیکر حُر ریاحی کے مدمقابل ہونے تک۔

(ج) حُر کے مدمقابل ہونے سے لے کر جنگ شروع ہونے تک۔

(د) جنگ کا مرحلہ۔

ان چاروں مراحل میں سے پہلا، تیسرا اور چوتھا دفاعی مراحل تھے اور دوسرا مرحلہ نیم دفاعی اور نیم ابتدائی تھا۔

۶۔ آقای صالحی اپنی کتاب کے صفحہ ۶۴ (خطی نسخہ) پر اس بات کے مدعی ہیں کہ امامؑ تقاضائے بیعت سے پہلے مخالفت کا قصد نہیں رکھتے تھے، گویا اگر آپؑ سے بیعت کا تقاضا نہ کیا جاتا تو آپؑ ہرگز قیام نہ کرتے جیسا کہ معاویہ کے دور میں آپؑ نے قیام نہیں کیا تھا، اسکے علاوہ وہ خط کہ جو کتاب ''رجال کشی''، طبع نجف کے صفحہ ۴۹ پر اور کتاب "الامامة و السياسة" ج ۱، ص ۱۸۱ پر نقل ہے، جس کے آخر میں امامؑ نے تحریر کیا: [وَما اريد لک حرباً و لا عليک خلافاً][1] سے بھی یہی بات

[1] [میں تم سے جنگ کرنے کا اور تمہاری مخالفت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہوں'' لیکن آقای غفاری کتاب ''بررسی تاریخی عاشورا'' کے مقدمہ کے ص ۱۴ پر لکھتے ہیں کہ امامؑ نے معاویہ کے خط کے جواب میں لکھا: ''میں تم سے جنگ نہ کرنے کو اپنے لئے تقصیر شمار کرتا ہوں اور اپنے اس سکوت اور تمہارے خلاف قیام نہ کرنے پر اپنے آپؑ کو خدا کے نزدیک جوابدہ سمجھتا ہوں''۔ ان دونوں مطالب کو جمع کیا جائے تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ امامؑ موقع کے انتظار میں تھے کتاب ''بررسی تاریخ

سامنے آتی ہے، ورنہ دونوں حکومتوں (معاویہ اور یزید) میں کوئی اور فرق نہیں تھا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو قیام کے لحاظ سے دونوں حکومتوں کے درمیان فرق تھا، یزید کی حکومت ایک نو بنیاد حکومت تھی اور معاویہ کی حکومت کے مقابل میں سکوت اور خاموشی سستی اور دورُخا پن شمار ہوتی تھی جبکہ معاویہ کی حکومت اس کے برعکس تھی، اسکے علاوہ خصوصیات کے لحاظ سے بھی دونوں حکومتوں کے مابین فرق تھا، یزید کی حکومت کے برخلاف معاویہ کی حکومت ایک بے دین مگر عاقلانہ حکومت تھی، یہی وجہ ہے کہ یزید کی حکومت معاویہ کی حکومت کی نسبت زیادہ مسیحیوں سے زیر اثر تھی، یہ بات کہ اگر تقاضائے بیعت نہ ہوتو امامؑ قیام نہ کرتے، خود امامؑ کے اس فرمان کے بھی منافی ہے جس میں آپؑ نے فرمایا: [وعلى السلام السلام اِذقدبلِيتِ الامة براعِ مِثلِ يزيد] ''اگر امت یزید جیسے کی حکومت میں گرفتار ہو، اس وقت اسلام پر میرا اسلام ہو'' یہ قول خود آقای صالحی کی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر مقتل خوارزمی کی جلد ا ص ۱۸۴ سے نقل ہے۔

امامؑ کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ یزید کی حکومت کو معاویہ کی حکومت سے مختلف اور متفاوت جانتے ہیں۔

۷۔ آقای صالحی اپنی کتاب کے ص ۶۷ پر ''مقتل خوارزمی'' سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے محمد بن حنفیہ سے باتیں کرتے ہوئے فرمایا: [لولم يكن فى الدنياملجأو لامأوى لمابايعت يزيدبن

عاشورا'' کے صفحہ ۳۷ پر ہے کہ صلح کے بعد جب امام حسنؑ نے کوفہ سے مدینہ کی طرف خروج کرنے کا ارادہ کیا، اس وقت معاویہ نے لکھا کہ آپؑ کو پہلے فروۃ بن نوفل خارجی سے جنگ کیلئے جانا چاہئے، اس کے بعد آپؑ مدینہ جائیں، امامؑ نے جواب میں لکھا: [لو آثرتُ ان اقاتل احداًمن اهل القبلة لبدأتُ يقتالک فانىّ تركتُک لصلاح الامة وحقن دمائها] ''اگر میں کسی اہل قبلہ سے جنگ لڑوں تو سب سے پہلے تم سے جنگ لڑوں گا، میں نے امت کی صلاح اور ان کے خون کی حفاظت کی خاطر تم سے جنگ نہیں کی ہے''۔ یہاں سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ امام حسنؑ کی صلح، مسلح صلح تھی اور یہیں سے حسنیؑ اور حسینیؑ روش اور راہ کے ایک ہونے کا بھی پتہ چل جاتا ہے]

معاویہ] ''اگر دنیا میں میرے لئے کوئی بھی پناہ گاہ نہ ہو، تب بھی میں یزید بن معاویہ کے ہاتھوں بیعت نہیں کروں گا''۔ آپؑ کا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ آپؑ بیعت نہ کرنے کا قطعی طور پر ارادہ کر چکے تھے، امامؑ کا یہ قول آخری ایام میں امامؑ کے بیعت کے لئے تیار ہو جانے والی آقائے صالحی کی بات سے صاف تضاد رکھتا ہے۔

۸۔ آقای صالحی نے اپنی کتاب کے ص ۷۰ پر امامؑ کے مدینہ سے مکہ کی طرف خروج کا پیغمبر اکرمؐ کی مکہ سے مدینہ کی طرف مخفیہ ہجرت سے موازنہ کیا ہے۔

۹۔ آقای صالحی کی کتاب میں دو مطالب بہت زیادہ نمایاں ہیں، ایک یہ کہ جہاں تک ممکن ہو خون نہیں بہانا چاہئے اور امن و امان قائم رکھنا چاہئے، دوسرے یہ ہے کہ کامیابی کا تمام تر انحصار حکومت کی تبدیلی اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے پر ہے۔

۱۰۔ اپنی کتاب کے ص ۷۶ پر ''مقتل خوارزمی'' کے صفحہ ۷۶ سے آقائے صالحی نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے ابن عباس کے جواب میں فرمایا:

[یا ابن عباس فما تقول فی قوم اخرجوا ابن بنت رسول اللہ من وطنه وداره وموضع قراره ومولده وحرم رسوله ومجاورة قبره ومسجده وموضع مهاجرته ' وتركوه خائفاً مرعوباً لایستقر فی قرار ولا یأوی الی وطن بذلک قَتلَهُ وسَفکَ دمِہ] ''اے ابن عباس کیا کہتے ہو اس قوم کے متعلق جس نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو اس کے وطن، اس کے گھر، اس کی منزل اور اسکی جائے پیدائش سے، حرم رسولؐ سے، اس کے نانا کی قبر کی مجاوری سے، پیغمبرؐ کی مسجد سے اور موضع ہجرت سے نکال باہر کیا اور اس کو مرعوب اور خائف کیا، اب نہ تو وہ کسی مقام پر ٹھہر سکتا ہے اور نہ کسی جگہ پناہ لے سکتا ہے، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس طرح سے اس کو قتل کریں اور اس کا خون بہائیں۔''

۱۱۔ آقای صالحی اپنی کتاب کے ص ۷۹ پر تاریخ یعقوبی کی جلد ۲ ص ۲۳۵ سے نقل کرتے ہیں کہ یزید نے

ابن عباس کو ابن زبیر کے ہاتھوں بیعت نہ کرنے پر جو تشکر آمیز خط لکھا تھا اس کے جواب میں ابن عباس نے لکھا:

[وَما انس من الاشیاء فلستُ بناس اطرادک الحسین بن علی +من حرم رسول اللہؐ الی حرم اللہ و دسّک الیه الرجال تغتاله فاشخصتَهُ من حرم اللہ الی الکوفه] ''میں سب چیزوں کو اگر بھول بھی جاؤں تو اس چیز کو کبھی فراموش نہیں کروں گا کہ تم نے حسینؑ بن علیؑ کو حرم رسولؐ سے باہر کر کے حرم خدا کی طرف جانے پر مجبور کیا اور وہاں پر کچھ افراد کو ابھارا کہ انؑ کو شہید کر دیں اور یوں انؑ کو حرم خدا سے کوفہ کی طرف جانے پر مجبور کیا۔''

یہ قول طریحی کی اس معروف نقل کی تائید کرتا ہے کہ یزید نے ۳۰ افراد امامؑ کو شہید کرنے پر مأمور کئے تھے اور اس بات کی بھی تائید کرتا ہے کہ امامؑ کے پاس اہلِ کوفہ پر اعتماد نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ کوفہ جائیں اور ان کی باتوں پر اعتماد کریں۔

اسی طرح ارشاد شیخ مفید کے ص ۱۹۹ پر نقل ہے کہ امامؑ نے فرزدق شاعر کے جواب میں فرمایا: **[لولم اعجل لأخُذتُ]** ''اگر میں جلدی نہ کرتا تو وہ لوگ مجھے گرفتار کر لیتے''۔

شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں: **[ولم یتمکن من تمام الحجَ مخافة ان یقبض علیه بمکة فینفذبه الی یزید بن معاویة]** ''میں اس خوف سے حج کو اتمام تک نہیں پہنچا سکا کہ کہیں مجھے مکہ میں گرفتار نہ کریں اور یزید بن معاویہ کے پاس نہ لے جائیں''۔[۱]

مقتل خوارزمی جلد ۱ ص ۲۲۶ پر نقل ہے کہ امامؑ نے ابو ہرہؒ ازدی کے جواب میں فرمایا:

[ان بنی امیه قد اخذو مالی فصبرتُ وشتموا عرضی فصبرتُ وطلبوا دمی فهربتُ] ''بنی امیہ نے میرا مال غصب کیا، میں نے صبر کیا، میری عزت و آبرو پر حملہ کیا میں نے

---

[۱] [کتاب سرمایہ سخن میں ہے: ''عمرو بن سعید کچھ اور فوجیوں کے ساتھ اس کام (یعنی امامؑ کو شہید کرنے) پر مأمور ہو چکا تھا'']

صبر کیا، اب وہ میرے خون کے پیاسے ہیں، اس لئے میں (حرم خدا اور حرم رسولؐ کو چھوڑ کر) نکل پڑا۔‘‘

آقای صالحی بتاتے ہیں کہ یہ سب باتیں اس بات سے مربوط ہیں کہ امامؑ نے کوفہ کا قصد کیا تھا تاکہ وہاں حکومت تشکیل دیں، لیکن جو بات ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ باتیں بیعت کی شدت کے ساتھ انکار سے اور مکہ میں عدم امن سے مربوط ہیں۔

۱۲۔ امام زمام حکومت کو اپنے ہاتھ لینا چاہتے تھے۔

امامؑ نے حضرت مسلمؑ کے ساتھ اہل کوفہ کے نام جو خط بھیجا اس میں لکھا تھا:

[**والعمری ماالامام الاالعامل بالکتاب والقائم بالقسط الدائن بدین الحق**] ’’میری جان کی قسم امام صرف وہی ہے جو کتاب خدا پر عمل کرتا ہو، عدل کو رواج دیتا ہو اور دین حق پر قائم ہو‘‘۔

حُراور ان کے اصحاب کے سامنے خطبہ ایراد کرتے ہوئے فرمایا:

[**ونحن اهل بيت اولى بولاية هذا الامر من هؤلاء المدّعين ماليس لهم والسّائرين فيكم بالجور والعدوان**] ’’ہمارا خاندان اس حکومت کی سرپرستی کے لئے بہت زیادہ سزاوار ہے بہ نسبت ان جھوٹے مدعیوں اور ان لوگوں کے جو تمہارے درمیان ظلم وجور اور دشمنی سے پیش آتے ہیں‘‘۔

روز عاشور زہیر بن القینؓ نے بھی اپنے خطاب میں بنوامیہ کے ناشائستہ اور امام حسینؑ کے شائستہ ہونے کی باتیں کیں۔

۱۳۔ آقائے صالحی کا خیال ہے کہ حُر کے مدمقابل ہونے کے بعد امامؑ کا وظیفہ بدل گیا تھا، اس مرحلہ میں امامؑ کی تمام تر کوشش اپنی جان بچانا اور صلح کرنا تھی۔

لہٰذا فرمایا:

[**وان لم تفعلوا وکنتم لمقدمی کارهين ولقدومی عليكم باغضين انصرفتُ منكم الى المكان الّذى جئتُ منه اِليكم**] ’’اس فعل کو نہ انجام دو، اگر میرا آنا تمہیں ناپسند ہے اور میرے آنے پر تم لوگ خشمگین ہوتو میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں واپس جاتا ہوں۔‘‘

یہاں پر کچھ سوالات ہیں: اول یہ کہ کیا امامؑ کے لئے مکہ میں بھی کوفہ کی طرح جان کا خطرہ تھا، ثانیاً اگر امامؑ بیعت کر لیتے اگرچہ حُر کے ذریعہ ابن زیاد سے ہی سہی، آیا پھر بھی وہ امامؑ سے متعارض ہوتے یا آپؑ کو آزاد چھوڑ دیتے، یا زیادہ سے زیادہ آپؑ کو یزید کے پاس لے جاتے؟ صالحی نے جو سوال اٹھایا ہے، وہ یہ ہے کہ امامؑ کیوں صلح کے طرفدار تھے اور بالآخر کیوں صلح کی خاطر ان سخت شرائط میں بھی بیعت نہ کی؟

بالکل یہی مفہوم امامؑ کے اس جواب میں بھی ہے جو آپؑ نے عمر بن سعد کو دیا تھا اور جو ’’طبری‘‘ ’’ارشاد شیخ مفیدؒ‘‘ اور ’’الاخبار الطّوال‘‘ میں نقل ہے، آپؑ نے فرمایا:

[**فامَااِذكرِهتمونی فانا انصرف عنكم**] ’’اگر تم لوگ مجھے نہیں چاہتے ہوتو میں واپس چلا جاتا ہوں۔‘‘

اسی طرح کا جملہ امامؑ کی عاشورا کے خطبہ میں بھی ہے:

[**ايهاالناس اِذكرهتمونی فدعونی انصرف الى مأمنی من الارض**] ’’اے لوگو! اب اگر مجھے نہیں چاہتے ہوتو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں زمین پر اپنی پناہ گاہ ہیں واپس چلا جاؤں۔‘‘

ان جملوں میں امامؑ کے مخاطب ظاہراً فقط کوفہ کے لوگ ہیں، نہ کہ حکومت یزید۔

آقا صالحی اپنی کتاب کے ص ۸۸ پر ذخائر العقبیٰ ص ۱۴۹، تاریخ ابن عساکر جلد ۴ ص ۳۳۴ اور سیر النبلاء ص ۲۰۹ سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے ان سے فرمایا:

[**الاتقبلون منی ماکان رسول الله يقبل من المشركين ؟کان اذاجنح احدهم**

للسلم قبل منه قالوا]: 'لا '' آیا مجھ سے وہ چیز قبول نہیں کرو گے جو رسول خداؐ مشرکین سے بھی قبول کرتے تھے؟ جب بھی ان میں سے کوئی صلح کے لئے تیار ہوتا تھا، آنحضرتؐ قبول فرماتے ،انہوں نے جواب دیا: ''نہیں۔''

یہ جملہ بہت زیادہ بعید نظر آتا ہے، مشکل ہے کہ کلمہ ان جنحوا للسّلم کا مفہوم صلح ہو بلکہ ظاہراً اس کا مقصد تسلیم ہے، اور امامؑ کے اقوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ کبھی تسلیم ہونے کے لئے تیار نہیں ہوئے ہیں۔

۱۴۔ آقائے صالحی ص ۹۳ پر طبری کے قول کو قبول کر لیتے ہیں کہ واقعاً امامؑ نے تین پیشنہاد کی تھیں:

(الف) حجاز کی طرف واپس لوٹ جائیں (حجاز کے جائے امن نہ ہونے کے باوجود: لو تُرک القطا لَنام (اگر قطار (ایک پرندہ) کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سو جاتا ہے)۔

(ب) یا کسی ایک سرحد کی طرف کوچ کر جائیں۔

(ج) یا یزید سے ملاقات کیلئے شام جائیں۔

۱۵۔ آقائے صالحی، سید مرتضٰی کی ''تنزیہ الانبیاء'' اور شیخ طوسی کی ''تلخیص الشافی'' میں جو نقل ہے، اس پر تکیہ کرتے ہوئے اس بات کے مدعی ہیں کہ:

(الف) امامؑ کوفہ کے حالات کی اطلاع ملنے اور حجاز واپس جانے کے امکان کی نفی ہونے کے بعد یزید سے ملاقات کرنے پر مائل تھے۔

(ب) یزید سے ملاقات کے ذریعہ مسئلہ کو سلامتی کے ساتھ حل کرنے کی امید رکھتے تھے، لیکن آقائے صالحی اس بات کی توضیح نہیں دیتے کہ بیعت کے ساتھ یا بغیر بیعت کے، پہلی صورت کو امامؑ قبول نہیں کرتے تھے اور دوسری صورت یزید کو قبول نہیں تھی۔

(ج) امامؑ کے ساتھ، ابن زیاد کی نسبت یزید کا رویہ زیادہ نرم تھا، درحقیقت یزید امامؑ کو شہید کرنے پر مائل نہیں تھا اور اس نے امامؑ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

(د) امامؑ کو اس بات پر یقین تھا کہ اگر ابن زیاد کے سامنے تسلیم ہوئے تو ذلت کے ساتھ مار دیئے جائیں گے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ امامؑ کے پاس فرار کا کوئی بھی راستہ نہیں تھا، کوفہ کے حالات معلوم ہونے سے پہلے کامیابی کی امید تھی اور یہ امید زیادہ ہی تھی، اس واقعہ کے بعد آپؑ حجاز کی طرف واپس جانے کے لئے تیار تھے مگر انہوں نے اجازت نہ دی، یزید کے پاس جانا چاہا، نہ جانے دیا، اس لحاظ سے شہید ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا، بات صرف اس میں تھی کہ ذلت کے ساتھ ابن زیاد کے ہاتھوں شہید ہوں یا عزت کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے جان دیدیں۔ اور آپؑ نے عزت کی راہ کو اختیار کیا، اسکے برعکس حضرت مسلمؑ ابن زیاد کے امان سے فریب کھا گئے اور ذلت کے ساتھ شہید ہونا پڑا! لہٰذا اس صورت میں امامؑ کے لئے کوئی بھی شان و مقام اور حماسہ باقی نہ رہتا۔

آقائے صالحی لکھتے ہیں کہ اگر وہ امامؑ کو شام جانے کی اجازت دے دیتے تو آپؑ چلے جاتے اور بیعت بھی کر لیتے اور اس بیعت میں کوئی نقصان نہ تھا۔

امامؑ نے اس وقت تک بیعت سے انکار کیا جب تک آپ یہ خیال کرتے تھے کہ خلافت کو یزید سے چھین سکتے ہیں، لیکن جب آپؑ نے دیکھا کہ یہ ممکن نہیں رہا، تب بیعت کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے، آقائے صالحی اس چیز کے بھی مدعی ہیں کہ امام سجادؑ نے بعد میں مسلم بن عقبہ کے ذریعے یزید کی بیعت کر لی تھی (جبکہ آقائے صالحی ہی کے وہ بیانات جو نمبر ۵ اور ۷ میں ذکر ہوئے ہیں، یہ تمام باتیں ان کے منافی ہیں)۔

۱۶۔ امام حسینؑ کے نام اکابران کوفہ کے خط کا مضمون یہ تھا:

[اما بعد فالحمد لله الذی قصم عدوک الجبار العنید الّذی انتزیٰ علی هذه الامة فابتزها امرها، وغصبها فئیها، وتأمّر علیها بغیر رضی منها، ثم قتل خیارها، واستبقی شرارها، وجعل مال الله دولةً بین جبابرتها واغنیائها، فبعداً له کما بعدت ثمود،

انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ یجمعنابک علی الحق] ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپؑ کے جبار سرکش دشمن کو ختم کر دیا جس نے امت کے معاملات کو درہم و برہم کیا، اموال امت غصب کر لیے اور امت کی رضامندی کے بغیر اس پر زبردستی حکومت کی، جس نے نیک لوگوں کو قتل کیا اور بُروں کو باقی رکھا اور جس نے خدا کے مال سرکشوں اور مالداروں کی ملکیت قرار دے دیا، خدا اس کا بُرا کرے جس طرح قوم ثمود کا برا ہوا، سوائے آپؑ کے ہمارا کوئی امام نہیں، تشریف لائیے خدا آپؑ کے ذریعہ ہم کو حق پر جمع کر دے گا۔''

اس خط کو طبری نے ''**الامامة والسیاسة**''میں، ابن اثیر نے کامل میں، شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں اور خوارزمی نے مقتل میں نقل کیا ہے۔

خط کا یہ مضمون سلیمان بن صرد خزاعی اور حبیب بن مظاہر وغیرہ جیسے محرک اور پُر جوش و پُر ولولہ لوگوں کا تھا، یہی امام حسین- کے محرک ہونے کا سبب شمار ہوسکتا ہے اور ایسا ہی ہوا تھا، امامؑ نے منزلہ ذُوحَسم پر اپنے اصحاب اور لشکرِ حُر سے جو خطاب فرمایا تھا وہ بھی انہی مطالب کی تائید کرتا ہے۔

۱۷۔ آقائے صالحی ''اخبار الطّوال'' کے ص ۲۱۰ اور ''ارشاد مفید'' کے ص ۱۸۲ سے نقل کرتے ہیں کہ اہل کوفہ کی طرف سے سب سے پہلا خط رمضان المبارک میں امامؑ کو ملا، یعنی امام - کے مکہ پہنچنے کے تقریباً ایک مہینہ بعد۔

۱۸۔ آقائے صالحی لکھتے ہیں کہ حضرت مسلم ۱۵ رمضان المبارک کو عازم کوفہ ہوئے اور ۵ شوال کو کوفہ پہنچے (مروج الذہب ج ۲ ص ۸۶) ایک مہینہ سات دن تک حالات کا تجزیہ کرتے رہے اور ۱۲ ذی القعدہ کو امامؑ کی خدمت میں گزارش ارسال کی (ارشاد مفید ص ۲۰۱) اور قاعدتاً حضرت مسلمؒ کا خط چودہ (۱۴) دنوں کے بعد یعنی ۲۷ ذی القعدہ کو امامؑ کو ملا۔

آیا امامؑ نے ۸ ذی الحجہ کو حرکت کی ہے؟

۱۹۔ آقائے صالحی ص ۱۶۱ پر ''تذکرۂ سبط'' اور ''تاریخ ابن عساکر'' سے ابن عباس کے نام یزید کے ایک

خط کو نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید مکہ اور کوفہ کے روابط سے کلی طور پر آگاہ تھا اور اس نے ضمناً نصیحت اور پیش بینی بھی کی تھی۔

۲۰۔ آقائے صالحی ص ۱۷۶ پر لکھتے ہیں کہ امامؑ کے اس جملہ سے: [**فھلّالکم الویلات ترکتموناوالسّیف مشیم والجاش طامِنٌ والرأی لمایستحصف**] [1] یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امامؑ اہل کوفہ کی جانب سے مدد و یاوری کا اطمینان حاصل کرنے کے بعد کوفہ آئے تھے اور اگر وہ پہلے ہی اپنی آمادگی کا اعلان نہ کرتے تو امامؑ ایسا ارادہ نہ کرتے اور کوفہ کی طرف نہ آتے، پس اولاً تو امامؑ کربلا کے قصد سے اور شہید ہونے کے قصد سے نہیں آئے تھے۔

ثانیاً امام - کو کوفہ والوں کی یاوری کرنے کے وعدہ پر اطمینان تھا۔

اور ثالثاً اگر یہ اطمینان نہ ہوتا تو آپؑ کبھی بھی کوفہ کی طرف نہ آتے، کوئی دوسرا لائحہ عمل اختیار کرتے، مثلاً بیعت کر لیتے اور تسلیم ہو جاتے (لیکن یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے، امامؑ کا کوفہ آنا **قل الخطرین یا الخطرات** کے لحاظ سے تھا، یہ جملے خود اہل کوفہ کی تکلیف کے لحاظ سے ہیں، نہ کہ امامؑ کے تصمیم کی نظر سے)

۲۱۔ آقائے صالحی لکھتے ہیں کہ یہ تصور کہ امامؑ پہلے سے ہی کربلا کے قصد سے اور شہید ہونے کے لئے نکلے تھے، اس کی وجہ درج ذیل پانچ چیزیں ہوسکتی ہیں:

(الف) پیغمبر اکرمؐ کی قبر کے سرہانے آپؑ کا خواب۔

(ب) **ان اللہ شاء ان یراک قتیلاً** کی حدیث۔

(ج) خطّ **الموت علیٰ ولد آدم** والا خطبہ۔

(د) وہ خطبہ جس میں یہ جملہ آیا ہے: ''**لااری الموت الاسعادة ......**''

---

[1] [ترجمہ ''افسوس ہو تم لوگوں پر! جب شمشیر نیام میں تھی اور دل آرام سے تھے اور ابھی از روئے حقیقت عزم نہیں کیا تھا، کیوں اس وقت ہمیں آزاد نہ چھوڑا؟]

(ھ) جناب ام سلمہ سے منسوب حدیث اور شیشی اور مٹی کا قصہ۔

خواب کی داستان ''خوارزمی'' نے ''ابن اعثم کوفی'' سے نقل کی ہے جو قابل اعتماد نہیں ہیں، اس خواب کو دوسروں مثلاً شیخ صدوقؒ نے ''امالی'' میں (بحار کی نقل کے مطابق جلد ۱۰ میں) محمد بن عمر بغدادی سے نقل کیا ہے، یہ بھی ابن اعثم کوفی کے زیر اثر تھے۔ ۱؎

۱؎ [ابن عثم کوفی اور صدوقؒ کے علاوہ ابن اثیر بھی اپنی کامل کی جلد ۳ ص ۲۷۷ پر کہتے ہیں کہ امامؑ نے جواب میں فرمایا: ''میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کو میں بیان نہیں کروں گا'' لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ آئمہ اطہارؑ نے اس کو نقل کیا ہے، مقتل ابومخنف میں ہے:

[وذكر عمّار في حديثه: ان الحسينؑ لماخرج من المدينه اتى قبر الرسولؐ فالتزمه وبكى بكاء شديداًوسلّم عليه وقال بابي انت وامّي يارسول الله لقدخرجت من جوارك كرهاً،وفرّق بيني وبينك ،واخذت بالانف قهراًان ابايع يزيدبن معاويه شارب الخموروراكب الفجوروان فعلت كفرت وان ابيت قتلت ،عليناانا خارج من جوارك على الكره منّي فعليك منّي السلام يارسول الله .ثم عنّ عليه الكرى ساعةفأجزعته انه رأى رسول الله في منامه وقدوقف به وسلّم عليه وقال: يابنّي لقدلحق بي ابوك وامّك و اخوك وهم مجتمعون في دارالحيوان ولكنّامشتاقون اليك فعجّل بالقدوم علينا،واعلم يا بني ان لك في الجنة درجة مغشاة بنورالله فلست تنالهاالابالشهادة ،ومااقرب قدومك علينا] ''عمار نے اپنی حدیث میں کہا: جب امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلنے کا عزم کیا تو پیغمبر اسلامؐ کی قبر مطہر پر آئے اور قبر سے لپٹ گئے، بہت زیادہ روئے، اس کے بعد ان کو سلام کیا، پھر کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں یارسولؐ اللہ، میں دل سے راضی نہ ہوتے ہوئے آپؐ کے جوار سے نکل رہا ہوں اور میرے اور آپؐ کے درمیان جدائی ہو رہی ہے، مجھے یزید جیسے شراب خوار اور فاجر کی بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا ہے، اگر میں بیعت کروں تو کافر ہو جاؤں گا اور اگر نہ کروں تو یہ مجھے مار دیں گے، اسلئے میں مجبوراً آپؐ کے جوار سے جا رہا ہوں، پس آپؐ پر میرا اسلام ہو یارسول اللہؐ، اس کے بعد آپؑ پر نیند کا غلبہ ہوا، ایک خواب دیکھا جس سے آپؑ وحشت زدہ ہوئے، اور وہ خواب یہ تھا کہ پیغمبر اسلامؐ آپؑ کے پاس آئے اور سلام کیا، اس کے بعد فرمایا: بیٹا تمہارے ماں باپ اور بھائی مجھ سے آملے ہیں اور ہمیشہ رہنے والی زندگی میں سب جمع ہیں اور ہم سب تمہاری دیدار کے مشتاق ہیں۔'' ہماری طرف جلدی کرو، عزیزم یہ جان لو کہ بہشت میں تمہارے لئے ایک درجہ ہے

اسی طرح ''روضۃ الشہداء'' اور محمد بن ابی طالب حسینی کی ''تسلیۃ المجالس''، ''نفس المہموم''، ''ناسخ التواریخ'' ان سب نے بغیر واسطہ کے یا واسطہ کے ساتھ ابن اعثم پر اعتماد کیا ہے۔

۲۲۔ آقائے صالحی مدعی ہیں کہ امامؑ نے خطبہ خُطّ الموت ....فمن كان باذ لاًفينامهجتَهُ... کو اس ترتیب کے ساتھ اور مکہ سے نکلتے وقت ارشاد فرمایا ہے، اس خطبہ کو فقط ''لہوف'' نے نقل کیا ہے مگر لکھا ہے کہ یہ خطبہ امامؑ نے روز عاشور ارشاد فرمایا تھا اور جملہ فمن كان باذ لاًفينامهجته اصلاً وہاں پر موجود نہیں ہے، خوارزمی نے جو نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

[ايهاالناس خُطّ الموت على بنى آدم كمخط القلادة على جيدالفتاة.وما اولهني الى اسلافي اشتياق يعقوب الى يوسف ،وانّ لي مصرعاًانالاقيه 'كانّي انظرالى اوصالي تقطّعهاوحوش الفلوات غُبراًوعفراًقدملأت منّي اكراشها،رضاالله رضانااهل البيت نصبرعلى بلائه ليوفينااجورالصابرين ،لن تشذّ عن رسول الله لحمتُه وعترته ولن تفارقة اعضاوه وهي مجموعة له في حظيرة القدس تقرّبهاعينه وتنجزيهم عدتُهُ] ''اے لوگو! موت کا قلادہ اولاد آدمؑ کے گلے میں اس طرح ہے جس طرح جوان عورت کے گلے میں ہار۔ مجھے اپنے اسلاف سے ملنے کا اتنا ہی شوق ہے جتنا حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا شوق تھا، میری قتل گاہ معین ہو چکی ہے جہاں میں پہنچنے والا ہوں، میں گویا نواویس اور کربلا کے درمیان اپنے جسم کے جوڑ و بند دیکھ رہا ہوں کہ جنگل کے بھیڑیئے (لشکر یزید) ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور میرے جسم سے اپنے بھوکے پیٹ اور خالی

جو نور الٰہی سے آراستہ ہے اور وہ شہادت کے بغیر نہیں ملے گا اور تمہارا ہمارے پاس آنا کس قدر نزدیک ہو گیا ہے''۔ مرحوم آیتی بھی کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' کے ص ۹۷ پر اس بات کے مدعی ہیں کہ امامؑ نے عبداللہ بن جعفر کہ جو حاکم سے ملنے مکہ آیا تھا، کی بات کے جواب میں فرمایا: ''میں نے اپنے نانا کو خواب میں دیکھا ہے'' پوچھا کونسا خواب، فرمایا ''جب تک میں زندہ ہوں گا کسی سے بیان نہیں کروں گا'']

توشہ دانوں کو بھر رہے ہیں۔قلم قدرت نے موت کا جو دن لکھ دیا ہے اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔خدا کی مرضی ہم اہل بیتؑ کی مرضی ہے،ہم اسکی آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں اور وہ ہم کو صابروں کے اجر سے سرفراز فرمائے گا،رسول اللہؐ سے ان کے اہل بیتؑ جدا نہ کئے جائیں گے بلکہ بہشت میں سب کے سب آپ کی خدمت میں موجود رہیں گے،ان کو دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں روشن ہوں گی اور آپؐ اُن کے بارے میں اپنا وعدہ پورا کریں گے۔''

۲۳۔کتاب ''اثبات الوصیۃ'' میں مسعودی صفحہ ۱۳۹ پر جناب ام سلمہ اور شیشی کی معروف روایت اور اباعبداللہ کا جناب اُم سلمہ کو میدان کربلا کا منظر دکھانے کی بات نقل کرتے ہیں،آقائے صالحی اس واقعہ کو امامؑ کی عادی زندگی کے منافی بتاتے ہیں اور اس روایت کو رد کرتے ہیں۔

۲۴۔آقائے صالحی اپنی کتاب کے ص ۱۹۶ پر ''اثبات الوصیۃ'' کی روایت کو رد کرنے کے بعد بہت ساری روایات نقل کرتے ہیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول خداؐ نے تھوڑی سی تربت اُم سلمہ کو دے دی اور کہا کہ اس کی امام حسینؑ کی شہادت کی علامت کے طور پر نگہداری کرنا،آقائے صالحی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد قبول بھی کر لیتے ہیں۔

۲۵۔اہم سوالوں میں سے ایک یہ ہے کہ امامؑ نے حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر ملنے اور کوفہ پر ابن زیاد کے تسلط سے واقف ہونے کے باوجود کوفہ کی طرف اپنے سفر کو کیوں جاری رکھا؟ بلکہ حضرت مسلم کی شہادت کی خبر سننے کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿من المؤمنین رجال صدقوا ماعاهدوا الله علیه فمنهم من قضیٰ نحبه ومنهم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلاً﴾ ''مومنین میں ایسے بھی مردمیدان ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو سچ کر دکھایا ہے،ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی ہے'' (احزاب/۲۳)

۱ [مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۴]

۲۶۔ایک اور سوال یہ ہے کہ اگر آقائے صالحی کی یہ بات صحیح ہے کہ امامؑ حتی الامکان خونریزی سے پرہیز کرتے تھے اور تسلیم نہ ہونے کی علت یہ تھی کہ کسی بھی صورت میں ابن زیاد کے ہاتھوں قتل ہونا ہے،تو پھر اپنے اصحاب اور فرزندوں کو قتل ہونے سے کیوں نہیں بچایا؟ حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لئے امان نامہ آیا تھا،خود امامؑ کے فرمان کے مطابق کسی کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہ تھا،پھر کیوں امامؑ ان سب کے قتل پر راضی ہوئے؟ اس کے علاوہ اگر امامؑ ابن زیاد کے سامنے تسلیم ہو جاتے تو لشکر ابن زیاد میں موجود کوفہ کے سینکڑوں افراد بھی مارے نہ جاتے،ان کا مارا جانا بھی بالآخر خونریزی ہی تو تھی۔

۲۷۔امامؑ کے پاس کوفہ سے جب قاصد مخصوص خط لے کر پہنچ جاتا ہے (محمد اشعث کی طرف سے حضرت مسلم کی وصیت پر) تو امامؑ لوگوں کے درمیان خطبہ ارشاد فرماتے ہیں اس خطبہ کے بعد کچھ لوگ جو طمع و لالچ میں وسط راہ میں ساتھ ہو لئے تھے،واپس لوٹ جاتے ہیں مگر امامؑ خود اُسی طرح کوفہ کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں۔کیوں؟

۲۸۔آقائے صالحی امامؑ کا حُر سے سامنا ہونے کو اس لحاظ سے تازہ مرحلہ بتاتے ہیں کہ حُر امامؑ کو ابن زیاد کے سامنے تسلیم کرنے پر مأمور تھا اور اس صورت میں کوفہ جانے سے لوگوں کی طرف سے کسی بھی قسم کی مدد کا احتمال نہیں تھا۔

۲۹۔آقائے صالحی ''اخبار الطوّال'' کے ص ۲۲۷ سے نقل کرتے ہیں کہ جب امامؑ کو ابن زیاد کے عمر سعد کے نام لکھے گئے خط (جس میں امامؑ کیلئے دو راستے تجویز کئے گئے تھے،یا تسلیم یا شہادت) کا علم ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

[فهل هو الا الموت ؟فمرحباً به] ''کیا موت کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے؟ مرحبا،اے موت۔''

۳۰۔آقائے صالحی لکھتے ہیں محرم کی پانچ تاریخ کے تقریباً آخری اوقات میں عمر سعد کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسینؑ سے کہہ دو کہ ابھی بیعت کریں،بعد میں ان کے بارے میں سختی کروں گا،چھٹی محرم کی شام امامؑ

کا جواب کہ ''کبھی بھی تسلیم نہیں ہوں گا'' اس تک پہنچ گیا ساتویں محرم کے آخری اوقات میں حکم آیا کہ حسینؑ اوران کے اصحاب پر پانی بند کردو۔

۳۱۔آیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امامؑ کی کوفہ سے انصراف کی پیشنہاد (خود اپنے پاؤں سے چل کر آنے کے بعد) اس لئے تھی کہ اسکے ذریعہ آپؑ انقلاب کو شدت اور وسعت بخشنا چاہتے تھے؟ جیسا کہ ابن زیاد نے جب عمر سعد کی پیشکش کو قبول کرنا چاہا تو شمر نے کہا: ''اگر حسینؑ تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر وہ قوی تر اور تم ضعیف تر ہو جاؤ گے۔''

۳۲۔ایک سوال یہ ہے کہ امامؑ نے کیوں بصرہ کے لوگوں کے نام خط لکھا اور کیوں ان کو دعوت دی؟ آیا یہ دعوت حکومت کے خلاف قیام کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے تھی؟ آیا شورش اور انقلاب برپا کرنے کے علاوہ یہ کسی اور قسم کی دعوت تھی؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ کیوں شب عاشور حبیب ابن مظاہرؓ کو بنو اسد کے پاس دعوت دینے کے لئے بھیجا؟ کیوں شب عاشورا اپنے بھائیوں، فرزندوں اور خاص اصحاب سے چلے جانے پر اصرار نہیں کیا تاکہ انکا خون نہ بہے؟

۳۳۔عجیب بات ہے کہ آقائے صالحی نے اپنی کتاب میں تمام تر کوشش یہ کی ہے کہ قیام حسینیؑ کے ابتدائی قیام ہونے کی نفی کریں، اس کے باجود چوتھے باب کے ص ۲۹۹ پر حکومت یزید کے حالات، حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے، اس کے ظلم وستم اور استحصال وغیرہ کو بیان کرنے اور ان چیزوں کی امامؑ کے منزل بیضہ پر دیئے گئے خطبہ سے تطبیق کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اگر ان حالات میں کسی بھی حلقوم سے کوئی ندا نہ اٹھتی اور اگر بالفرض محال امام حسینؑ کسی شرط وقید کے بغیر یزید کو تسلیم کر لیتے، تو اس صورت میں دوسری مملکتیں اسلام کی شناخت یزید بن معاویہ کے قالب میں کرتیں، اگر رئیس مملکت اسلامی کے خلاف کوئی نہ اٹھتا اور معترض نہ ہوا ہوتا تو یزید تو باہر کی دنیا کی نظر میں روح اسلام کا نمائندہ تھا اُس وقت بیگانے کہتے کہ اسلامی مملکت گویا ظلم و بے داد کی مملکت ہے......''

حسینؑ بن علیؑ کہ جن کی افق نظر عام لوگوں کی نظر سے کہیں زیادہ وسیع ہے، جب آپؑ خارجی اور دنیاوی نظروں میں اسلام کی ایسی وضع دیکھتے ہیں اور اس صورت تحال میں آپؑ سے یزید کی بیعت کرنے کیلئے کہا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں:

[وعلی الاسلام السلام اذقدبلیت الامة براع مثل یزید] ''جب امت یزید جیسے کی حکومت میں گرفتار ہو اس وقت اسلام پر میرا اسلام ہو'' لے

اس مفہوم تک خود ہی رسائی ہوتی ہے، کبھی ایک اعتراض اور اظہار وجود کی اس قدر اہمیت ہوتی ہے کہ اس کی خاطر سینکڑوں آدمی اپنی جانیں قربان کردیتے ہیں، پس امام حسینؑ کے اس قدر معترض ہونے کے باوجود کیوں آقائے صالحی اس بات کے منکر ہیں؟

اس کے بعد کہتے ہیں: ''اسی وجہ سے حسین بن علی + مقاومت کا مصمم عزم کرتے ہیں......تاکہ بیرونی دنیا جان لے کہ اسلام کو حسین بن علی + کے افکار کے دریچہ میں اور فرزند پیغمبرؐ کے قالب میں شناخت کرنا ہے، نہ کہ یزید کے قالب میں......اور یہ بھی جان لے کہ اسلام نے حسینؑ جیسے ہونہار فرزند کو تربیت دی ہے جو انسانیت اور عدالت کا دفاع کرتے ہوئے آزادی، حریّت، تقویٰ اور فضیلت کی راہ میں والہانہ طور پر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

اسلئے اسلام کی جہانی اور بین الاقوامی موقعیت کے دفاع کو حسینؑ کے وسیع اور ہمہ زاویہ ہدف کا ایک جز جاننا چاہئے۔

۳۴۔آقائے صالحی کہتے ہیں: ''بعض لوگ جیسے 'موسیو ماربین جرمن' کتاب 'السیاسة الحسینیه'' میں لکھتا ہے کہ امام حسینؑ عمداً مظلومیت کا منظر پیش کرنا چاہتے تھے اور شہادت کے لئے جتنا بھی ہو سکے، سخت مصیبت کے مقدمات فراہم کرنا چاہتے تھے تاکہ بہتر طور پر زیادہ تر لوگوں کے احساسات کو بنو ہاشم کی موافقت اور بنو امیہ کے خلاف متحرک کرسکیں''۔

ماربین کہتا ہے: ''امام حسینؑ کئی سالوں سے متواتر اپنے شہید ہونے کے آثار دیکھ چکے تھے اور ایک

اعلیٰ مقصد ان کے مدّ نظر تھا'' (ص۲۳)

اس نے یہ بھی کہا ہے: ''حسین ابن علیؑ کے مدنظر چونکہ قتل ہونے کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں تھا اور یہی آپؑ کے اس مقدس اور عالی (انقلاب) خیالات کا مقدمہ تھا، لہذا اپنے لئے آپؑ نے بے کسی اور مظلومیت ہی کو سب سے بڑا وسیلہ جانا اور اسی کو اختیار کیا تا کہ آپؑ کے مصائب دوسروں کے دلوں پر مؤثر واقع ہوں''۔ (ص۲۵)

یہ بھی کہا: ''حسینؑ نے بنوامیہ کے ظلم وستم کو ظاہر کرنے اور بنو ہاشم اور اولا د محمدؐ کے ساتھ انکی عداوت کو فاش کرنے میں کوئی فرصت ہاتھ سے جانے نہیں دی'' (ص۲۶)

طفل شیر خوار کے بارے میں اس نے کہا ہے: ''ان تمام جانکاہ مصائب، پیاس اور اتنے سارے زخموں کے باوجود حسینؑ اپنے عالی مقصد (احساسات کو حرکت میں لانا) سے صرف نظر نہیں کرتے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ بنوامیہ آپکے چھوٹے سے بچہ پر رحم نہیں کریں گے، محض مصائب کو عظیم بنانے کے لئے خود اپنے ہاتھوں میں بچہ کو لیکر میدان میں گئے، ظاہری طور پر اسکے لئے پانی کی التجا کی اور تیر سے جواب سنا۔''

۳۵۔ آقائے صالحی اپنی کتاب کے آخری حصّہ میں ص۳۰۹ پر مغالطہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہم اس جملہ کی تعبیر کے طور پر کہ ''امام حسینؑ کے شہید ہونے سے اسلام زندہ ہوا'' کوئی صحیح اور قابل قبول معنی تصور نہیں کرتے ہیں، ہماری نظر میں اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ اسلام کے زندہ ہونے سے مراد احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا ہے یا اسلامی فتوحات ہیں، یا بنوامیہ کی حکومت کو کمزور کرنا ہے یا شیعوں کو وجود میں لانا ہے یا بنوامیہ کو رسوا کرنا ہے، یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ اسلام کے صدر و رئیس اور حافظ قرآن کے مرنے سے اسلام زندہ ہو جائے؟!''

۳۶۔ آقائے صالحی لکھتے ہیں: ''عبیداللہ نے جب عمر سعد سے فرمان کا مطالبہ کیا تو عمر سعد نے نہیں دیا اور مسئولیت کو عبیداللہ کے گلے میں ڈال دیا۔''

عثمان بن زیاد نے کہا: ''میری خوشی اسمیں ہے کہ زیاد کے تمام فرزند قیامت تک ذلیل رہتے اور حسین بن علیؑ شہید نہ ہوتے۔'' [۱]

ابن زیاد کی ماں ''مرجانہ'' کہتی ہے: [**یاخبیثُ اقتلت ابن رسول الله والله لاتری الجنة ابداً**] ''اے خبیث! رسول اللہؐ کے فرزند کو قتل کیا؟ خدا کی قسم کبھی بھی بہشت کی صورت نہ دیکھ سکے گا۔'' [۲]

یحیٰی بن الحکم (مروان بن الحکم کا بھائی) کہتا ہے: ''تمہارے اور پیغمبر خداؐ کے درمیان قیامت کے دن جدائی ہوگی، میں اس کے بعد تمہارے کسی بھی کام میں شریک نہیں ہوں گا۔'' [۳]

یحیٰی بن حکم نے جب سر مقدس امامؑ کو یزید کے سامنے دیکھا تو افسوس اور غصہ کی حالت میں بول اٹھا: ''سمیہ کے بچے تعداد میں اگر چہ ریگ بیابان کے برابر ہو جائیں تو اس کا مطلب کیا یہ ہوا کہ پیغمبر خدا کی بیٹی کے فرزند قتل ہوں اور مٹ جائیں۔'' [۴]

یزید کی بیوی ہند پر جب یہ ماجرا کھلا تو اس نے اپنے مخصوص لباس سے حجاب کیا اور اندرون خانہ سے مردوں کی مجلس میں آکر بولی: ''آیا یہ حسینؑ فرزند فاطمہؑ کا سر مقدس ہے؟'' یزید نے کہا: ''ہاں، یہ حسینؑ فرزند فاطمہؑ کا سر ہے، تو ان کے لیے گریہ اور عزاداری کر، خدا ابن زیاد کو موت دے کہ اس نے ان کو مارنے میں عجلت کی۔'' [۵]

میری نظر میں ان سب سے بالاتر یہ ہے کہ یزید کے بیٹے معاویہ نے خود کو خلافت سے الگ کر لیا، یزید و معاویہ پر لعنت بھیجی اور حق کو حسین اور علی + کی طرف واپس کر دیا، غرض، حادثۂ کربلا کا سب سے بڑا اثر یہ تھا کہ اس نے نفاق کے پردہ کو چاک کیا اور سلطنت کا حساب عملی طور پر دین سے جدا کر دیا، اگر حادثہ کربلا نہ ہوتا تو بنوامیہ دین کے نام سے لوگوں پر حکومت کرتے، البتہ ان کا یوں دین سے چپک جانا چند لوگوں کی نظروں میں انہیں بری الذمہ بنا دیتا، مگر زیادہ تر لوگوں کی نظروں میں یہ عمل دین کو آلودہ کر دیتا۔

---

[۱] [طبری ج۴، ص۳۷۵] [۲] [تذکرۂ سبط ص۲۵۹] [۳] [طبری ج۴ص۳۵۶] [۴] [طبری ج۴ص۳۵۲] [۵] [طبری ج۴ص۳۵۶]

قیامِ حسینی کا کم از کم اثر یہ تھا کہ خلفاء اور دین ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

اس قیام کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ امام حسینؑ کی محبوبیت کا درجہ حدِّ معمول سے زیادہ بلند ہو گیا واقعاً امامؑ جہانِ اسلام میں ''شہیدِ اُمت'' اور ''فداکاری کے قہرمان'' کے طور پر پہچانے جانے لگے، آپؑ ایک مقدس قوت کی صورت میں سامنے آئے اور اس آیت کا مصداق بن گئے:

﴿انَّ الـذيـن آمنوا و عملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن وداً﴾ ''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے عنقریب رحمان اُن کیلئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔'' (مریم/۹۶)

طبری ج ۴ ص ۳۴۶ اور مقتل خوارزمی ج ۲ ص ۳۴ پر ہے کہ خود امامؑ نے روز عاشورا فرمایا:

[وأيم الله انى لأرجوان يكرمنى الله بهوانكم] ''خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ خدا تم کو ذلیل کر کے مجھے عزت بخشے گا۔''

۳۷۔ آقائے صالحی کے عقیدہ کی رو سے جہاں جہاں امامؑ نے اپنے اقوال میں تسلیم ہونے سے انکار فرمایا ہے اس سے آپکی مراد ابن زیاد کے حضور تسلیم ہے اور یہ یزید کی بیعت سے جدا ہے ان کے خیال میں امامؑ یزید کی بیعت کرنے کے لئے تو آمادہ تھے، لیکن بغیر کسی شرط و مقدمہ کے ابن زیاد کے سامنے تسلیم ہونے کو تیار نہ تھے کیونکہ یہ یقین رکھتے تھے کہ آپؑ کو ہر صورت میں ذلت کے ساتھ شہید کر دیا جائیگا۔

۳۸۔ آقائے غفاری نے کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' کے مقدمہ میں قیامِ حسینی سے متعلق سوالات اس طرح سے اٹھائے ہیں: آیا امامؑ کا یہ کام بیعت سے فرار کی وجہ سے تھا؟ یا کوفہ والوں کی دعوت اسکا سبب تھا؟ یا پھر اسکا مقصد قیام، انقلاب اور شورش برپا کرنا تھا؟ اس قسم کے سوالات مطرح کرنے کے بعد وہ خود تیسری صورت کو انتخاب کرتے ہیں اور اس بات کی مدعی ہو جاتے ہیں کہ کچھ ایسے اسباب اور مقدمات پیدا ہو گئے تھے کہ امامؑ پر قیام اور اقدام کرنا وجوب کی صورت اختیار کر گیا

تھا، لکھتے ہیں کہ کچھ ایسے آثار اور قرائن ہیں کہ امامؑ پہلے سے ہی کسی نہضت اور انقلاب کی فکر میں تھے، لیکن معاویہ کے دور میں بھی کچھ واقعات پیش آئے تھے۔

(الف) سب سے اہم ترین بات خلافت کو موروثی قرار دینا تھا کہ یہ سب سے بڑی بدعت شمار ہوئی اور اس کا مقصد درحقیقت ابوسفیان کی دیرینہ آرزو کو جامہ عمل پہنانا تھا [تلقفوها تلقف الكرة اما والذى يحلف به ابو سفيان لاجنّه و لانار] ''ایسی بدعت کے سامنے سکوت اختیار کرنا جائز نہیں تھا۔''

(ب) بنوامیہ کا شیعوں کے ساتھ رویہ، صلح امام حسنؑ کی قرارداد کے برخلاف حد سے زیادہ سخت اور ناقابل تحمل تھا، بنوامیہ کی سیاست تشیع کے اساس کی ریشہ دوانی کرنا تھی، معاویہ ایک حکمنامہ میں لکھتا ہے: [من اتهتموه بموالاة هؤلاء القوم فنكلوابه واهدموا داره] ''جس کسی کے بارے میں بھی یہ گمان ہو کہ وہ اس قوم کا طرف دار ہے اس کو عبرتناک سزا دو اور اس کے گھر کو ویران کر دو'' اپنے ایک حکم میں لکھتا ہے: [انظروا الىٰ من قامت عليه البينة انّه يحب عليا و اهل بيته فامحوه من الديوان واسقطوا اعطاءهُ ورزقه] ''نگرانی رکھو، جہاں بھی یہ ثابت ہو جائے کہ وہ علیؑ اور ان کے خاندانؑ کا دوست اور محبّ ہے، اس کا نام رجسٹر سے مٹا دو، اس کے حقوق اور روزانہ کی خوراک بند کر دو۔''[1]

(ج) رسمی طور پر نماز جمعہ کے خطبوں میں حضرت علیؑ پر سبّ و لعن کو رواج دینا۔

(د) شیعوں کی شہادت اور گواہی قبول نہ کرنا اور ان کو اجتماعی حقوق سے محروم رکھنا۔

(ھ) شیعہ اکابرین جیسے حجر بن عدی اور رشید ہجری کو شیعہ ہونے کے جرم میں قتل کرنا۔

(و) بنوامیہ کا اپنے حق میں جھوٹی تبلیغات کو رواج دینا اور معاویہ کو اس طرح سے صحابہ کبار کی صف میں قرار دینا، اگر یہ سب کچھ اسی طرح چلتا رہتا تو ایک دن ایسا بھی آ جاتا کہ لوگ معاویہ کے بتائے

---

۱ [ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۵ چھاپ مصر]

ہوئے اسلام کے علاوہ اسلام کو نہ پہچانتے، امام حسینؑ کے پہلے سے ہی قیام کرنے کا قصد رکھنے سے بنوامیہ کے مکروفریب کی قلعی کھول دی اور اسلام کو اس نا قابل تلافی نقصان سے بچالیا۔

مقدمتاً یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت امیر، حضرت حسن مجتبیٰ اور حضرت سید الشہداء کی روش، درحقیقت ایک کلی اصول کی تابع تھی، یہ حضراتؑ اپنے آپ کو مستحق خلافت تو سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود خلافت کے غصب ہونے پر قیام نہ کرنا، دراصل اس اصول کی پیروی تھی جو حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے موقع پر بیان فرمایا تھا:

[واللّٰہ لا سلِمنّ مَاسَلِمت اُمورُ المسلمین ولم یکن فیھا جور الاعلیّ خاصۃ] "[1]

"میں اس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے۔"[2]

[1] [امر بہ معروف۔ خدا گواہ ہے کی یادداشت نمبر ۲۳ کی طرف رجوع کریں] [2] [نہج البلاغہ خطبہ ۷۴]

تیسرا باب

حضرت امام حسین
اور
حضرت عیسیٰ مسیح +

امام حسینؑ اور عیسیٰ مسیح +

سید الشہداءؑ کی ولادت

۱۔﴿قال انی عبداللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیاً، وجعلنی مبارکاً این ما کنت واوصانی بالصّلوة والزکوٰة مادمتُ حیّا، وبرّاً بوالدتی ولم یجعلنی جبّاراً شقیاً، والسلام علیّ یوم ولدتُ ویوم اموتُ ویوم اُبعثُ حیّا﴾

''(عیسیٰؑ نے) کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور جہاں بھی میں رہوں مجھے بابرکت قرار دیا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے اور اپنی والدہ کے ساتھ حسن وسلوک کرنے والا بنایا ہے اور ظالم و بدنصیب نہیں بنایا ہے اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن دوبارہ زندہ اٹھایا جاؤں گا، مجھ پر سلام ہے''

(مریم/۳۰ تا ۳۳)

۲۔مسیحیوں میں حضرت عیسیٰؑ اور امت اسلام میں حضرت امام حسینؑ کے درمیان کچھ چیزیں مماثلت رکھتی ہیں ان میں سے ایک مماثلت ماں کے حوالے سے ہے کہ حضرت مریمؑ سیدة النساء ہیں اور اسی طرح حضرت زہراء (س) بھی ہیں، حضرت مریمؑ کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

﴿و اذا قالت الملائکة یامریم ان اللہ اصطفٰیکِ وطھّرکِ واصطفٰیکِ علی النساء العالمین﴾ ''اور اس وقت کو یاد کرو جب ملائکہ نے مریم کو آواز دی کہ خدا نے تمہیں چن لیا ہے اور پاکیزہ بنادیا ہے اور عالمین کی عورتوں میں منتخب قرار دیدیا ہے'' (آل عمران/۴۲)

احادیث میں اسی طرح کا خطاب حضرت زہراء = کے لئے بھی واقع ہوا ہے، شاعر کہتا ہے:

فانّ مریم احصنت فرجھا   وجاءت بعیسیٰ کبدر الدّجیٰ

فقد احصنت فاطم وجُھھا   وجاءت بسبطی نبیّ الھدیٰ

''حضرت مریمؑ نے اپنے دامن کو آلودگیوں سے پاک رکھا اور حضرت عیسیٰؑ کو جو تاریک راتوں

کے ماہ تاباں ہیں، دنیا میں جنم دیا، حضرت فاطمہؑ نے بھی اپنی صورت کو (خدا کے علاوہ) چھپا کر رکھا اور پیغمبر اسلامؐ کے دونواسوں کو جنم دیا۔''

حضرت مریمؑ اس امت کی صدیقہ ہیں:

﴿ماالمسیح ابن مریم الارسول قدخلت من قبلہ الرسل وامُّہُ صدّیقةٌ کانایاکلان لطعام﴾ ''مسیح بن مریم کچھ نہیں تھے، سوائے اِسکے کہ ہمارے رسول تھے، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی ماں صدیقہ تھیں، دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھایا کرتے تھے'' (مائدہ/۷۵)

حضرت زہراءؑ بھی اِس امت کی صدیقۂ طاہرہ ہیں، دونوں ذوات کے لئے ''بتول''، ''عذرا'' کے القابات ذکر ہوئے ہیں۔

۳۔حضرت امام حسین - اور حضرت عیسیٰ - میں ایک اور شباہت، حمل کی مدت کے حوالے سے ہے، حدیث میں ہے کہ سید الشہداءؑ کی پیدائش کے وقت حضرت زہراءؑ کا مدت حمل چھ ماہ تھا، کوئی بھی بچہ چھ مہینے کا پیدا نہیں ہوا ہے اور اگر پیدا ہوا ہے تو زندہ نہیں رہا ہے، سوائے حسین اور عیسیٰ + کے، حدیث میں ہے کہ یہ آیت امام حسینؑ کی شان میں وارد ہوئی ہے:

﴿ووصّینا الانسان بوالدیہ احساناً حملتہُ امّہ کُرھاًوّوضَعَتہُ کرھاوحملہ وفِصالُہُ ثَلاثُون شھراًحتّٰی اذابلغ اشُدّہ وبلغ اربعین سنة قال ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتک الّتی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صالحاًترضٰیہ واصلِح لی فی ذرّیتی انّی تبتُ الیک وانی من المسلمین﴾ ''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی نصیحت کی ہے کہ اس کی ماں نے بڑی سختی میں اسے شکم میں رکھا اور پھر بڑی تکلیف سے جنم دیا، اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کا کل زمانہ تیس مہینے کا ہے، یہاں تک کہ جب وہ توانائی کو پہنچ گیا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے دعا کی کہ پروردگار مجھے توفیق

دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی ہے اور ایسا نیک عمل کروں کہ تو راضی ہو جائے اور میری ذریت میں بھی صلاح و تقویٰ قرار دے کہ میں تیری ہی طرف متوجہ ہوں اور تیرے فرمانبردار بندوں میں ہوں'' (احقاف/۱۵)

روایت میں ہے کہ یہ آیت سیدالشہداءؑ کی طرف اشارہ ہے، حضرت عیسیٰؑ برّاًبوالدتی تھے، یعنی اپنی والدہ پر بہت مہربان تھے اور حسینؑ بھی ﴿ وصیّنا الانسان بوالدته احسانا ﴾ تھے، عیسیٰؑ نے کہا: ''انی عبداللہ'' ''میں اللہ کا بندہ ہوں''۔ حسینؑ کے بارے میں نازل ہوا: ''انی من المسلمین ''۔ ''میں اللہ کے فرمانبردار بندوں میں سے ہوں۔''

مکہ کے حاکم، عمرو بن سعید بن عاص اشدق نے سیدالشہداءؑ کے نام ایک خط میں لکھا : [وحذره من النفاق و الشّقاق] ''اور اُس کو نفاق اور جھگڑا کرنے سے دور رکھو''

حضرت نے خط کے جواب میں لکھا:

[لم یشاقق الله ورسوله من دعا الی الله وعمل صالحاً وقال انی من المسلمین]

''جو شخص خدا کی طرف دوسروں کو دعوت دے اور اچھے اعمال انجام دے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں، وہ خدا اور رسول سے نزاع اور جھگڑا نہیں کرتا''

امامؑ کا یہ جواب اشارہ ہے اس آیت کریمہ کی طرف :

﴿و من احسن قولا ممن دعا الی الله و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین ﴾

''اور اس سے زیادہ بہتر بات کس کی ہوگی جو لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں اس کے اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔'' (فصلّت/۳۳)

حضرت عیسیٰؑ کے متولد کے وقت حضرت مریمؑ کی مدت حمل ایک روایت میں نو گھنٹے اور نو دن بھی بتلائی گئی ہے ۱ اس بارے میں کتاب ''جلوۂ مسیح'' کی طرف رجوع کریں۔

۱ [ضمناً ایک اور مماثلت کا بھی ذکر کر دوں کہ عیسیٰ وحسین + کی مادرانِ گرامی کے وضع حمل کے طریقہ میں بھی شباہت پائی

حضرت سیدالشہداءؑ کا یوم تولد اگر تین شعبان تسلیم کیا جائے اور حضرت حسن مجتبیٰؑ کی ولادت نیمہ رمضان ہو تو بعض روایات میں یہ جو ذکر ہے کہ آپؑ دونوں کی پیدائش کے درمیان فاصلہ چھ مہینے اور دس دن ہے، اس لحاظ سے ۳ شعبان کی تاریخ کا درست ہونا ممکن نہیں ہے، چھ ماہ اور دس دن والی بات کے لحاظ سے تو وہی روایت درست ہے جس میں حضرت کا تولد ربیع الاول کے آخر میں بتلایا گیا ہے ۳

۴۔ حسین وعیسیٰ + میں ایک مماثلت دونوں سے متعلق لوگوں کے عقیدہ میں ہے، دونوں کے بارے میں لوگوں نے مسئلہ ''تفدیه'' پیدا کیا ہے ۱ اور یہ خیال کیا ہے کہ یہ دونوں شہید اسلئے ہوئے ہیں تا کہ دوسروں کے گناہوں کو اپنی گردن پر لے لیں اور دوسرے آزاد رہیں اور ان سے تکلیف ساقط ہو جائے، حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تو خود شہادت کی بات ہی جھوٹ ہے اور حضرت سیدالشہداءؑ کی شہادت کا فلسفہ یہ نہیں تھا، بہ قول مولوی: [ز آنکه از قرآن بسی گمره شدند......] ''جو قرآن سے دور رہا، وہ گمراہ ہوگیا'' اِن دونوں ذوات کے درمیان میں ایک اور شباہت پاک وپاکیزہ اور بابرکت ہونے کے حوالے سے ہے یعنی دونوں کا وجود حد سے

جاتی ہے، اور وہ یہ کہ دونوں رنج اور پریشانی کے عالم میں پیدا ہوئے، تاہم حضرت مریمؑ اس لئے پریشان اور رنجیدہ تھیں کہ ان پر فرشتہ ظاہر ہوا تھا جس نے کہا: انّی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا اور یہ بھی کہا: یالیتنی متُّ قبل هذا جبکہ حضرت زہراءؑ (س) اسلئے رنجیدہ تھیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے یہ خبر دی تھی کہ ان کا فرزند شہید ہوگا، اور جب ان سے یہ کہا گیا کہ آئمہ اور اوصیاء ان کی نسل سے ہونگے تو راضی ہوگئیں]

۱ [المنجد میں ہے: ''الفادی'' حضرت مسیح کا لقب ہے جس کے معنی ہیں وہ کہ جس نے اپنے خون کو دوسروں پر فدا کیا]

۲ [تحف العقول میں ص ۳۹۶ پر خداوند عالم کی حضرت عیسیٰؑ سے متعلق مناجات کے ضمن میں لکھا ہے: [یا عیسیٰ اوصیک وصیة المتحنّن علیک بالرحمة حتیٰ حقّت لک الولایة بتحرّک منّی المسرّة، فبورکت کبیراً، وبورکت صغیراً حیثُ ماکنت] ''اے عیسیٰ میں تم کو سفارش کرتا ہوں اس بات کی سفارش کہ تم مہربان اور دلسوز رہو تا کہ میری رضامندی حاصل کرو اور مجھ سے ملنے کے سزاوار بن جاؤ، تم بچپن میں بھی بابرکت تھے اور بڑے ہو کر بھی بابرکت ہو، جہاں بھی گئے برکت والے بن گئے] ۳ [اس سلسلے میں تفصیل کیلئے ''نفس المہموم'' کی طرف رجوع کریں]

زیادہ بابرکت تھا۔ ۲" برکت کے معنی ہیں خیر واچھائی میں نمو وزیادتی جیسا کہ مجمع البیان اور تفسیر صافی میں ملتا ہے، مفردات راغب میں ہے:

"ولمّا کان الخیر الالھی یصدر من حیث لایحسُّ وعلی وجہ لایحصیٰ ولایحصر قبل وکل مایشاھدمنہ زیادۃ غیر محسوسۃ ھومبارک وفیہ برکۃ" "چونکہ خیر الٰہی وہاں سے آتی ہے جہاں انسان کی سوچ کی رسائی ممکن نہیں اور بے حدو حساب آتی ہے، اسلئے جب بھی کوئی چیز خیر غیر محسوس جگہ سے حد سے زیادہ دیکھنے میں آتی ہے، اس کو مبارک کہا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں برکت ہوتی ہے۔"

جس طرح سے ایک زمین مبارک ہوتی ہے، جیسے فلسطین کی زمین: **"وبارکنا حولہ"** (سالہا سال سے یہ دعویٰ کیا جاتا رہا ہے کہ اسرائیل نے ایران کے پیٹرول کے برابر وہاں کے مرکبات سے فائدہ اٹھایا ہے) اور جس طرح سے کچھ پانی بابرکت ہوتے ہیں جیسے بارش کا پانی: ﴿**ونزلنامن السماء ماء مُبارکاً**﴾ "اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا ہے" اور جس طرح کچھ حیوان مبارک اور بابرکت ہیں جیسے بھیڑ، اسی طرح بعض انسانوں کا وجود بھی واقعاً "مبارک" ہوتا ہے اور یہ ان کے بارے میں خوشامد نہیں ہے، یہ بھی ویسی ہی زمین کی طرح ہوتے ہیں جو سال بھر محصول دیتی ہے اور ویسی ہی بارش ہوتے جو ہمیشہ برستی رہتی ہے۔

فُطرس مَلک کا واقعہ وجود بابرکت سیدالشہداءؑ کا ایک رمز ہے، جس کا پَر ٹوٹ چکا ہو؟ آپؑ سے اگر اپنے جسم کو مس کرلے تو صاحب پَر ہوجاتا ہے۔ ۱ قوم وملت اگر صحیح معنوں میں اپنے آپ کو حسینؑ کے گہوارہ سے متمسک کردے تو ہر قسم کے مصیبتوں اور پریشانیوں سے آزادی حاصل ہوسکتی ہے۔

امروزھمہ روی زمین رشک برین شد — تا از صدف پاک خدادَرِّثمین شد

۱۔ [اسی طرح یہ حدیث: **جعل الشفاء فی تربتہِ والاجابۃ تحت قبتہ والائمۃ من ذریتہ**] آپؑ کے مبارک اور بابرکت ہونے کی ایک اور نشانی ہے]

فرمان خداوندبہ جبرئیل امین شد — باخیل ملک ازعرش تازان بہ زمین شد

تاعرضہ دھدتہ نیت حضرت خاتم

صبح ازل ازغیب برآوردتنفس — انوارھدی تافت برآفاق وبرانفس

تاچندد لا رانده ای ازصُقع تقدّس — برخیزوفراگیرپروبال چوفطرس

برتہنیت مقدم مولودمکرم ۱

بے شک حسینؑ کا مکتب اس امت کے لئے راہ نجات ہے، اسلئے کہ حسینؑ کی کرسی امر بہ معروف ونہی ازمنکر کی کرسی ہے سورۂ الشعراء سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پیغمبروں کا ظہور زمانوں میں مفاسد ظاہر ہونے کی وجہ سے تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حسینؑ کا مکتب حسینؑ کے ظہور سے ہر زمانہ میں زندہ وپائندہ رہتا ہے یعنی ہر سال اور ہر محرم میں امام حسینؑ ایک عالمی مصلح کی صورت اختیار کرکے ظہور فرماتے ہیں اور اس فریاد کو لوگوں کے کانوں تک پہنچاتے ہیں:

[**الاترون ان الحق لایعمل بہ.....**] "کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے......" یا یہ کہ: [**الموت اولیٰ من رکوب العار......**] "ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے......"

یہ بھی امام حسینؑ سے منسوب ہے:

سبقت العالمین الی المعالی — بحسن خلیقۃ وعلوّھمۃ

ولاح بحکمتی نورالھدیٰ فی — دیاجی من لیالی مدلھمَۃ

یریدالجاحدون لیطفئوہُ — ویأبی اللہ اِلاّ ان یُتمّہ

"حسینؑ نے اپنی خوش خلقی اور بلند ہمتی کے ذریعہ مقام حاصل کرنے میں تمام دنیا والوں پر سبقت لی اور تاریک ترین راتوں میں اپنی حکمت سے نورِ ہدایت کو روشن کیا، منکرین چاہتے ہیں کہ اس

۱۔ [یہ پورا قصیدہ کتاب "سرمایہ سخن" کی تیسری جلد میں سیدالشہداءؑ کی ولادت کے سلسلہ سے ذکر ہوا ہے اور یہی دوبند سب سے بہتر ہیں]

نورکوخاموش کردیں مگر خدانے یہی چاہا کہ یہ تمام اورکامل ہوجائے۔''

۵۔ان دونوں ہستیوں میں ایک اور شباہت یہ ہے کہ مسیحی اور مسلمان دونوں ہی اپنے ان رہبروں کی ولادت اور وفات وشہادت کے دنوں کو عظیم شمار کرتے ہیں ،فرق صرف اس میں ہے کہ مسیحی دونوں موقعوں پر عیاشیوں ،رقص اور شراب خوری میں مشغول ہوجاتے ہیں[1] جبکہ مسلمان ہر دو موقعوں پر اس قسم کے کاموں سے منزہ وپاک رہتے ہیں،مسلمان عظیم الشان طریقے سے لیکن تمام تر تقدس اوراحترام ملحوظ رکھتے ہوئے جشن ولادت مناتے ہیں کیونکہ اسلام بیہودہ کاموں اورلہوولعب کی اجازت نہیں دیتا اور وفات کے موقع پر گریہ وزاری کرتے ہیں ،اس کے برعکس وہ لوگ روزعروج یعنی حضرت عیسیٰؑ کے قتل ہونے کے تین دن بعد کے دن کو بطور خوشی مناتے ہیں (شمار۷ اور۸ کی طرف رجوع کریں)

شاید حضرت عیسیٰؑ اور سیدالشہداءؑ کے درمیان ایک اور شباہت ہو اور وہ یہ ہے کہ ان سے قبل یہ دونوں نام کسی کے نہ تھے ،شاید یہ صورت حضرت یحییٰؑ سے مربوط تھی ،نہ کہ حضرت عیسیٰؑ سے ،اس صورت میں پھر یہ حضرت سیدالشہداءؑ اور حضرت یحییٰؑ کے درمیان شباہت ہے ،ان دونوں حضرات کی شہادت بھی بہت زیادہ فاسد وفاجر اشخاص کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے اور دونوں ہی شہید امر بہ معروف ونہی از منکر ہیں

[وان من ھوان الدنیاانّ رأس یحییٰ بن زکریااھدِیَ اِلیٰ بغیّ من بغایابنی اسرائیل] ''اور دنیا کی پستی یہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کے سر کو بنی اسرائیل کے ایک بدکار سرکش کے لئے ہدیہ بھیجا گیا۔''

۶۔ان دونوں میں ایک اور شباہت انصار وحواریوں کے لحاظ سے بھی ہے **﴿کماقال عیسیٰ بن مریم للحوّاریّین مَن انصاری الیٰ اللہ﴾** ''عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ اللہ کی راہ

۱۔[البتہ مسیحی کریسمس کی رات اپنے روحانی پیشوا کے حضور ایک قسم کی دعا کرتے ہیں]

میں میرامددگار کون ہے؟''(صف/۱۴)

سیدالشہداءؑ نے بھی شب عاشورا اپنے حواریوں کا انتخاب کیا،صاحبِ کتاب ''انوارالبہیۃ'' ص ۴۵ پر امام موسیٰ بن جعفرؑ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

[وفی وصیّة موسیٰ بن جعفرعلیھماالسلام لھشام قال: وقال الحسینؑ بن علی علیھماالسلام:انّ جمیع ماطلعت علیه الشمس فی مشارق الارض ومغا ربھا بحرھا وبرّھا و سھلھا و جبلھاعندولیّ من اولیاء اللہ واھل المعرفة بحقّ اللہ کفی ٔالظّلال ،ثم قالؑ : الاحُرّید ع ھذہ اللّماظَة ،لاھلھالیس لانفسکم ثمن الا الجنه فلاتبیعوھابغیرھافانه من رضی من اللہ بالدنیافقدرضی بالخسیس] ''حضرت موسیٰ بن جعفر+ کی ہشام سے وصیت کے ضمن میں آیا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ نے فرمایا: وہ تمام چیزیں کہ جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے خواہ وہ مغرب ومشرق کی زمین میں ہو،دریا میں ہو یا خشکی پر، ہو ہموار زمین پر ہو یا پہاڑوں پر،سب کے سب ولی خدا ہیں اور اہل معرفت کے نزدیک ایک سایہ کی مانند ہیں، آیا کوئی آزاد انسان ایسا پیدا ہوسکتا ہے جو اس چبائے ہوئے لقمہ سے ہاتھ اٹھائے؟ تمہارے لئے بہشت کے علاوہ کوئی اور قیمت نہیں ہے، پس اپنے آپ کو بہشت کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض نہ بیچو، جو بھی خدا سے اس دنیا کے ملنے پر راضی ہوا، وہ پست چیز پر راضی ہوا۔''

مولوی نے مثنوی کی تیسری جلد میں مریم کے لئے روح القدس کے ظہور کی داستان بہت خوب بیان کی ہے

امام حسین اور حضرت عیسیٰ + کی شباہت کا اجمالی خلاصہ

دونوں کی ماں سیدۃ النساء تھیں، صدیقہ تھیں، بتول اور عذرا تھیں، ملائکہ کی مخاطب تھیں، مدت حمل میں دونوں مادران مشابہ تھیں، یہ دونوں حضرات والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں [انی عبداللہ "اور "انی من المسلمین] ہونے میں، فدیہ ہونے کے اعتقاد کے حوالے سے، بابرکت ہونے کے لحاظ سے، ولادت ووفات کی حرمت کے حوالے سے، اس بات میں کہ ان کے نام ان سے پہلے کسی کے نام نہ تھے اور انصار اور حواریوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مماثل ہیں جبکہ سیدالشہداءؑ کی شہادت جنابِ یحییٰؑ کی شہادت سے مماثلت رکھتی ہیں۔

۷۔ جیسا کہ ہم نے نمبر ۵ میں ذکر کیا کہ ہم مسلمان اور مسیحی دونوں سیدالشہداءؑ اور حضرت مسیحؑ کی ولادت اور وفات کو بڑی حرمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر اس فرق کے ساتھ کہ وہ لوگ دونوں موقعوں پر جشن مناتے ہیں اور ہم فقط ولادت امامؑ کے موقع پر جشن مناتے ہیں اور شہادت پر سوگواری و ماتم کرتے ہیں، اس کے برعکس اُن کے ہاں اُن کے عقیدہ کی رو سے (کہ حضرت مسیحؑ نے مرنے کے تین دن بعد عروج کیا) یہ دن بھی بطور جشن منایا جاتا ہے اور ان کا یہ جشن قومی اور ملی تہوار کی طرح سے ہوتا ہے، یعنی روحانیت، معنویت اور اخلاق سے خالی۔ وہ لوگ ناچنے، گانے، شراب و مستی، پیر پٹخنے، تالی بجانے اور فسق و فجور میں مشغول ہوتے ہیں، لیکن مسلمان جشن ولادتِ حسینیؑ معنوی شکوہ کے ساتھ مجالس وعظ وخطابت کے اہتمام کے ذریعے، خوشی کے آنسو بہا کر اور اسے خدا سے تقرب کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر تعلیم وتربیت کی صورت میں مناتے ہیں۔

مجھے یاد ہے جس زمانہ میں، میں قم میں رہتا تھا وہاں پر محمد مسعود کی ایک کتاب پڑھی تھی، اس میں مسیحیوں کے حضرت عیسیٰؑ کے قتل ہونے کے دن کو خود ان کے گمان کے تحت (لیکن ہمارا عقیدہ جو قرآن سے لیا گیا ہے یہ ہے: ﴿وَ ما قتلوہ و ما صلبوہ ولکن شُبِّہَ لھم ﴾ ''نہ انہیں قتل کیا گیا، نہ صلیب پر چڑھایا گیا بلکہ معاملہ کو ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا'') منانے اور ہمارے حضرت

اباعبداللہؑ کی شہادت منانے کا موازنہ کیا ہوا تھا اور مسیحیوں کے عمل کو ترجیح دی تھی، اس لحاظ سے کہ وہ لوگ اپنے پیشواء کی شہادت کو کامیابی شمار کرتے ہیں اور ہم شکست۔ لہٰذا وہ لوگ خوشی مناتے ہیں اور ہم گریہ کرتے ہیں، بعد میں، میں نے یہ اعتراض دوسرے لوگوں سے بھی سنا جوان کے آگے بڑھ جانے اور ہمارے پیچھے رہ جانے کا یہی ایک رمز بتلاتے تھے۔ ان کے جواب میں، میں عرض کرتا ہوں کہ اعتراض کرنے والے ایک نکتہ سے غافل رہ گئے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم واقعہ کو فقط شخصی اور فردی اخلاق کے مقیاس و میزان سے دیکھیں، تب تو مطلب وہی ہے جو ان حضرات نے ذکر کیا ہے مگر اس لحاظ سے تو خود اسلام کی منطق کی رو سے بھی شہادت کامیابی ہے، نہ کہ شکست۔ کیا ایسا نہیں تھا کہ حضرت علیؑ ہمیشہ شہادت کی آرزو کرتے تھے اور فرماتے تھے:

[لالف ضربةٍ بالسیف اھون علیّ من میتة علی فراش......] ''میرے لئے تلوار کی ہزار ضربتیں کھانا بستر پر مرنے سے بہتر ہے۔''[1]

کیا امام علیؑ نے یہ نہیں فرمایا:

[واللہ لابن ابی طالب آنسُ بالموت من الطفل بثدی امّہ] ''خدا کی قسم ابوطالب کا فرزند موت سے اس سے زیادہ مانوس ہے جتنا بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے مانوس ہوتا ہے۔''[2]

کیا ابن ملجم مرادی سے ضربت کھانے کے فوراً بعد آپؑ نے نہیں فرمایا: [فزتُ بربّ الکعبہ] ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا۔''[3]

جب بستر پر پڑے تو اس وقت کیا نہیں فرمایا: [وما کنتُ الا کقارب وردو طالب وجد] ''میں تو اس شخص کے مانند ہوں جو رات بھر پانی کی جستجو میں رہا ہو اور صبح کو چشمہ پر وارد ہو جائے اور تلاش کے بعد اپنے مقصد کو پالے۔''[4] کیا سیدالشہداءؑ نے نہیں فرمایا تھا :

---

[1] [نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۳] [2] [نہج البلاغہ خطبہ/۵] [3] [مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۳۱۲]
[4] [نہج البلاغہ مکتوب/۲۳]

[**وما اولھنی الی اسلافی اشتیاق یعقوب الی یوسف**] ''میں کس قدر شوق رکھتا ہوں اپنے بزرگوں سے ملنے کا جس طرح یعقوبؑ یوسفؑ سے ملنے کا شوق رکھتے تھے۔'' [1]

کیا آپؑ نے نہیں فرمایا تھا:

[**لااری الموت الاّسعادۃً ولاالحیوۃ مع الظالمین الابرماً**] ''میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ان ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا عذاب جان خیال کرتا ہوں'' [2]

اس مفہوم کو ایک دوسرے ترازو میں تولنا چاہئے اور وہ ہے اجتماعی ترازو۔ تمام مسیحی اصولوں میں مل کر بھی شاید ایک خالص اجتماعی اصول پیدا نہ ہو [3] مگر اسلام میں اجتماعی تعلیمات کا ایک سلسلہ ہے، اسلام میں منطقی حبّ و بغض کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے، ائمہ اطہارؑ عزائے حسین بن علیؑ کو قائم کرنے کا جو حکم دیتے ہیں جیسا کہ ہم ۸۲ھ کی عاشورا کے تقریروں میں (بعنوان ''خطابہ اور منبر'' [4] بتا چکے ہیں کہ یہ حضرت زہراء = کے قلب کی تشفی کیلئے نہیں ہے، حضرت زہراءؑ کی شان ان کاموں سے بہت بلند و بالا ہے، بلکہ عزا کا یہ قیام حضرت سید الشھداءؑ اور حضرت زہراءؑ کی جو نیت تھی اسکے احیاء کیلئے ہیں۔ ہم جو اظہار رنج کرتے ہیں وہ اس لحاظ سے ہے کہ کیوں ایسا حادثہ رونما ہوا؟ یہ عزا ''آ خ'' ے برابر ہے کہ کہیں دوبارہ ایسا حادثہ رونما نہ ہو جائے۔ یہ عزاداری مبارزہ کی روح کو تقویت دینے کے لئے ہے، البتہ شہادت کا احترام کرنا ضروری ہے جشن شہادت بھی اگر معنوی اور اخلاقی شکل میں ہو، نہ کہ اس طرح جیسے آج کل کریسمس کا تہوار منانے کا معمول ہے تو ممکن ہے اس میں جہاد کی تشویق ہو۔ لیکن تنہا تشویق کافی نہیں ہے [5] حبّ اور بغض باہم ایک ساتھ ہونا چاہئے تا کہ انسان

[1] [لہوف ص ۲۵] [2] [تحف العقول ص ۲۴۵] [3] [کتاب ''تحف العقول'' کے آخر میں ظلم سے متعلق کچھ دستورات حضرت عیسیٰ سے نقل کئے گئے ہیں] [4] [ان تقریروں کو کتاب ''دہ گفتار'' میں چھاپا گیا۔ (اردو ترجمہ جامعہ تعلیمات اسلامی کی شائع کردہ کتاب ''گفتار عاشورا'' میں موجود ہے'')] [5] [دوسرے الفاظ میں عزائے حسینیؑ کا مکتب فقط تاثر کا مکتب نہیں، انقلاب و قیام کا مکتب ہے۔ طول تاریخ میں یہ واقعہ بہت سے انقلابات کیلئے بنیاد بنا ہے، ظلم کے بلند بالا قصور کو حادثہ کربلا کے برملا تاثر اور منطقی اور اجتماعی بعض نے درہم برہم کیا ہے اور آئندہ بھی برہم ہوتے رہیں گے]

کے اندر مبارزہ کی روح پیدا ہو جائے، عزاداری، روحِ مبارزہ کا احیاء اس طرح سے ہے کہ ہم ہمیشہ ظلم اور کفر کے مظاہر پر لعن و نفرین کرنا اپنا فرض جانیں اور ان کے قلع و قمع کے آرزو کی تلقین کرتے رہیں، جیسا کہ ہم ہمیشہ (دوران حج) رمی جمرات میں شیطان کو مجسم فرض کر کے اس کو پتھر مارتے ہیں، یہاں غرض فقط مرنے کی تلقین کرتے رہنا نہیں ہے۔ فقط مرنے کی آرزو کرنا کوئی اچھائی نہیں ہے، یہاں غرض شہادت کی آرزو ہے اور شہادت کی آرزو اسی وقت حقیقی ہو سکتی ہے جب انسان اپنے آپ کو مخالف کے مقابل صف میں دیکھے اور ان کی پیش قدمی اور ان کے منصوبہ کے زیر عمل ہونے سے قبل اجتماع میں اثر پیدا کر دے، اور اپنے اشک شوق سے عالی انسانیت کے نمونہ لوگوں کیلئے، کفر اور ظلم کے مظاہر کے روبرو، اپنے غصہ کی آگ کا دہانہ کھولے، ہم ''تعلیمات اجتماعی'' کے صفحوں پر [1] ''منطقی حب و بغض'' کے مقابل میں ''عاطفی حب و بغض'' کی تفصیل انشاء اللہ عرض کریں گے۔

پس شہادت کو اگر ہم انفرادی ترازو میں تولیں تو اسے کامیابی شمار کرنا چاہئے اور اسکے لئے اگر جشن منعقد کریں اور خوشیاں منائیں، تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر شہادت کو اجتماعی ترازو میں تولیں گے تو ہو سکتا ہے ایک لحاظ اس میں جامعہ کو شکست نظر آئے ایسا جامعہ ایک پست جامعہ اور معاشرہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی معاشرہ کے بارے میں سید الشھداءؑ نے فرمایا تھا: [**وعلی السلام السلام اذقدبلیت الامۃ براع مثل یزید**] (مقتل مقرم ص ۱۴۶) اور اسی طرح کے دوسرے کلمات، اسلئے اجتماعی مصالح کی رو سے ہماری یہ عزاداری روحِ مبارزہ کی تجدید اور احیائے راہ حق میں نبرد آزمائی ہے، مکتب گریہ وزاری کی ایجاد و تاثیر طولِ تاریخ میں نہایت مفید اور مؤثر رہی ہے۔

اسی طرح کا ایک بیان ہم نے ''**العدلُ افضل اَم الجود**'' کی حدیث کے ذیل میں سنہ ۸۱ء کی ۱۹ رمضان المبارک کی تقریر میں عرض کیا تھا (یہ تقریر کتاب ''بیست گفتار'' میں چھاپی جا چکی ہے)

[1] [ان صفحوں کے مطالب آئندہ استاد شہید کی یادداشتوں کی ذیل میں بیان ہوں گے]

۸۔نکتہ ۵ کے ذیل میں ہم نے عرض کیا تھا کہ: مسیحیوں کے عقیدہ کے تحت حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ۲۵ دسمبر ہے ،یعنی مسیحی سال کے اختتام سے ۶ دن قبل ان کے سال کی ابتداء یکم جنوری ہے ،ولادت کی عید کو عید کریسمس کہتے ہیں ،اس دن پوپ حسبِ معمول ہر سال تمام دنیا کے لوگوں کو صلح اور محبت کی دعوت پر مبنی ایک پیغام دیتا ہے اور آخر میں دعا کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پوپ کبھی سونے کے تخت سے لوگوں کو فقراء کی حالت پر رحم کھانے کی دعوت دیتا ہے !!! جشن کریسمس میں دو چیزیں نمایاں ہوتی ہیں ،ایک کاج (صنوبر کی قسم) کا درخت کہ جسے اس جشن کا مظہر اور علامت تصور کیا جاتا ہے، ہر مسیحی کے گھر میں اور ان کے اجتماع گاہوں پر کاج کا ایک درخت یا کم از کم اس کی ایک شاخ دیکھنے میں آتی ہے، یہ ایام کاج کے درخت کا بازار گرم ہونے کے دن ہوتے ہیں، لوگ کاج کا درخت جڑ سے اکھاڑ کر لاتے ہیں اور بعض سالوں میں تو بلدیہ بھی درپے ہوئی تھی اور روکنا چاہا تھا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔اس درخت کو وہ مختلف قسم کے چراغوں، روشن قمقموں اور رنگا رنگ کاغذوں سے سجاتے ہیں۔ اس جشن میں جو دوسری چیز نمایاں ہوتی ہے وہ فادر کرسمس (santa claus) ہیں۔قدیمی سنت کے تحت اس رات ایک بوڑھا شخص کہ جس کے سر اور داڑھی کے بال بہت گھنے اور سفید ہوتے ہیں فادر کرسمس بنتا ہے جو آسمان سے بچوں کیلئے تحفے اور کھلونے لاتا ہے۔ جب بچے سوئے ہوتے ہیں' اس وقت ان کے جوتوں میں یا ان کی جیبوں میں تحائف رکھے جاتے ہیں۔ یوں اس جشن میں بچوں کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔

روزنامہ اطلاعات سنہ ۴۲ھ ش ،۳ دی ماہ کے ص ۱۳ پر لکھتا ہے: ''بہت سے عمومی مراکز مثلاً اسٹیڈیم اور ہوٹلوں میں آج رات کریسمس کی مناسبت سے خصوصی پروگرام رکھے جاتے ہیں''۔

بنابراین کریسمس کی رات بیہودہ عقائد اور اعمال فسق و فجور کا مجموعہ ہے۔ بحمد للہ ہمارے درمیان نہ اس طرح کے بیہودہ عقائد ہیں اور نہ ہی اس قسم سے فسق و فجور ہوتے ہیں۔

۹۔نکتہ ۴ میں ہم نے بتایا تھا کہ مکتب حسینیؑ ہی بلا شک و شبہ اس امت کی نجات کا واحد راستہ ہے کیونکہ دین

کی بقاء کا سبب امر بہ معروف و نہی از منکر سے اور یہ دونوں اپنے وسیع معنی ،یعنی معروف کی تشویق و ترویج اور منکرات سے مبارزہ میں، امام حسینؑ سے وابستہ ہوا ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اسلام نبوی **الحدوث** اور **حسینی البقاء** ہے۔

۱۰۔نکتہ ۵ میں ہم نے بیان کیا تھا کہ امام حسینؑ کا واقعہ عالم اسلام کیلئے ایک نمونہ اور اس کی یاد مسلمانانِ عالم کیلئے امر بہ معروف و نہی از منکر کی تجدید حیات ہے واقعہ کربلا ایک ایسا ظہور ہے کہ سید الشہداءؑ سال بھر خطباء و ذاکرین یا مصلحین اور صالح انقلابیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۱۔روزنامہ کیہان ۴۲ھ ش چہارم دیماہ (کریسمس کا دن): اخبار لکھتا ہے: ''ایک دو ہفتہ پہلے ہی سے روسی سفارت خانہ کی دیوار کے اطراف اور اسی طرح برطانوی سفارت خانہ کے اطراف اور شہر کی شمالی سڑکوں پر بہت سے صنوبر کے درخت اکھڑے ہوئے پائے گئے تھے۔ یہ تہران میں مسیحیوں کے بڑے تہوار کے نزدیک ہونے کی خبر دے رہے تھے۔ مسیحی حضرات صنوبر کے درخت آراستہ کرنے کے بعد اس کے نیچے شب بیداری کر کے اپنے پیغمبر کا جشن مناتے ہیں۔کل رات تولد کے وقت (جو مسیحی عقیدہ کے مطابق آدھی رات ہے) سے پہلے وہ کلیسا جاتے ہیں اور دعا و عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اس کے بعد اپنے گھروں میں شب کریسمس کے مخصوص کھانے بہت سے گھروں میں بوقلمون کھانے پکتے ہیں) کھاتے ہیں، مسیحیوں کے کیتھولک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صنوبر کے درخت کے نیچے پیدا ہوئے تھے (تاہم قرآن کریم میں صریح ارشاد موجود ہے کہ کھجور کے درخت کے نیچے پیدا ہوئے تھے) یہ فرقہ اس درخت کو مقدس جانتا ہے خصوصاً کریسمس کی رات اس کو بہت اچھی طرح خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے اور جنوری کے جشن کے اختتام تک (۹ دن کا تہوار ہوتا ہے) کیتھولک فرقہ کے گھر سجے رہتے ہیں، فادر کرسمس نصف رات کو (قصہ کے مطابق) زرّین تانگے پر سوار برف پوش زمین پر آتے ہیں تا کہ بچوں کو تحائف دیں۔گزشتہ شب مسیحی بچوں نے اپنی جرابوں کو بخاریوں کے نیچے یا کسی اور جگہ پر رکھا ہوا تھا تا کہ رات میں فادر کرسمس انکے لئے تحائف

ان جورابوں میں چھوڑ جائیں اور آج کی صبح یہ بچے ان تحائف کو حاصل کر کے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ جنہیں عام طور پر مسیحی ماں باپ اپنے بچوں کے لئے مہیا کرتے ہیں (ظاہراً اس قصہ کے گھڑنے کا مقصد حضرت مسیحؑ کی الوہیت کو ثابت کرنا ہے تا کہ بچوں میں مسیحؑ کی الوہیت کا اعتقاد پیدا کریں) کل رات تہران کے قہوہ خانے بھی ان لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ تہران کے بہت سے غیر مسیحی بھی اپنے مسیحی دوستوں کی دعوت پر یا دعوت کے بغیر ان مراسم میں شریک تھے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ شخصیت کے لحاظ سے ان دونوں مقدس وجود کے درمیان کچھ تو واقعی شباہتیں ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(ا) ماں کے حوالے سے: دونوں کی مادرانِ گرامی سید النساء ہیں، صدیقہ ہیں، ملائکہ کے مخاطب ہونے میں اور بتول وعذرا ہونے میں دونوں میں مماثلت ہے۔

(ب) مدت حمل میں دونوں میں مماثلت ہے۔

(ج) کراہت حمل میں بھی یہ دونوں مماثل ہیں

(د) مبارک ہونے میں بھی یہ دونوں مشابہ ہیں: عیسیٰؑ کیلئے ارشاد ہوا: [**وجعلنی مبارکاً**] امام حسینؑ کے لئے وارد ہوا:

[**وجعل الشفاء فی تربته والاجابة تحت قُبَّتِهِ والائمه فی ذریته**] ''خداوند عالم نے ان کی تربت میں شفا رکھی' ان کے قبہ کے نیچے دعا قبول ہوتی ہے اور اماموں کو انؑ کی نسل سے قرار دیا۔''

ایک اور روایت میں ذکر ہوا:

[**لولاصوارمهم وقطع نبالهم لم تسمع الآذان صوت مكبّر**] ''اگر یہ تلواروں اور تیروں سے قطع نہ ہوئے ہوتے تو کان موذّن کی صدا نہ سنتے۔''

اس کے علاوہ ان دونوں ہستیوں کے درمیان ایک سلسلۂ شباہت ایسا بھی ہے جو لوگوں کے ان سے سوءِ

استفادہ اور سوء تعبیر کی بنا پر ہے لوگوں کی نظروں میں دونوں مصداق [**یضلّ به کثیراً ویهدی به کثیراً**] ہیں (خدا بہت سے لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دے دیتا ہے۔''

اس بارے میں مفصل بحث کیلئے رجوع کریں تفسیر المیزان ج ۳ ص ۳۲۰:

[**المسيح من الشفاء عندالله وليس بفادٍ**] ''حضرت مسیح شفیعیان میں سے ہیں، نہ کہ خود امت کے گناہوں پر فدا۔''

چوتھا باب

یاداشت

قیامِ حسینیؑ میں امر بہ معروف کا عنصر

قیامِ حسینیؑ میں امر بہ معروف کا عنصر

۱۔ معروف ومنکر کے معنی اور امر بہ معروف ونہی از منکر کے معنی :

''معروف'' میں اسلام کے تمام مثبت اہداف شامل ہیں اور کلمہ ''منکر'' سے مراد وہ سب کچھ ہے جسے اسلام نے بُرا گردانا ہے، پس معروف ومنکر کے معنی عمومی تعبیر کے ساتھ ہیں، لیکن امر بہ معروف اور نہی از منکر' اگرچہ کہ یہ اصطلاحات امر اور نہی کی عمومی تعبیر کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں، لیکن حدیث، فقہ اور اسلامی قطعی تاریخ کی نص کے مطابق اس میں وہ تمام شرعی وسائل شامل ہیں جن سے اسلامی اہداف کے حصول کیلئے استفادہ کیا جاسکتا ہو اس لئے ان سب کے درودیوار کی حفاظت کرنا چاہئے اور سب کو وسعت دینا چاہئے۔

۲۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے امر بہ معروف کی واقعی قدر وقیمت :

قرآن وسنت نے اس اصول کو کس قدر اہمیت دی ہے اور قرآن وسنت اس کی کس قدر ارزش کے قائل ہیں؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ امر بہ معروف ونہی از منکر کے بارے میں قرآن کریم میں بہت سی آیات موجود ہیں اور اس موضوع پر بڑی عجیب روایات ملتی ہیں، پس یہ اصول متن اسلام میں اور مقام ثبوت میں بہت زیادہ محکم اور بے حد قدر وقیمت کا حامل ہے اور تعلیمات اسلامی کے ارکان میں سے ہے۔

۳۔ نہضت حسینیؑ میں تین عوامل یا تین محرکات کا دخل ہے، یہ نہضت ان میں سے ہر ایک عنصر کے اعتبار سے ایک خاص قدر وقیمت پیدا کرتی ہے۔

۴۔ خود امر بہ معروف اور نہی از منکر کی مسئولیت کا قبول کرنا سنگین شرائط رکھتا ہے، خواہ یہ آگاہی یا مہم اطلاع پہنچانے کے لحاظ سے ہو یا اس کے اجراء کی قدرت رکھنے کے لحاظ سے ہو، ہمارا اشتباہ فقط یہ نہیں تھا اور نہ ہے کہ ہم نے اس اصول اور رکن پر کافی توجہ نہیں دی ہے بلکہ ہمارا زیادہ تر اشتباہ یہ

رہا ہے کہ ایک ایسے عظیم وظیفہ کی انجام دہی کیلئے کہ جو در حقیقت اسلامی اہداف کو آگے بڑھانے کیلئے اجتماعی اور عمومی مسئولیت [۱] کی حیثیت رکھتا ہے، ہم خود کو آمادہ نہیں پاتے رہے ہیں، اس سلسلے میں نہ ہماری آگاہی کامل رہی ہے اور نہ ہماری اجرائی قدرت، لہٰذا ہم نے جاہلانہ طرز پر اس اسلامی اصول کے چلانے اور اجراء کرنے کی وجہ سے جو نقصان اٹھایا ہے، وہ نقصان اسکے ترک کرنے میں نہ ہوتا۔ اس راہ میں ہماری فعالیت اور کارکردگی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ہم کس حد تک آمادگی رکھتے رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں امر بہ معروف نہی از منکر کے میدان میں ہماری کارکردگی بہت خراب اور سیاہ ہے۔ اس سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس میدان میں ہماری آگاہی کس حد تک تھی اور ہماری قدرت کس قدر تھی۔ البتہ ہمارے کام میں زیادہ تر اشکال مرحلہ آگاہی میں ہے، نہ کہ قدرت میں [۲] اور یہ دونوں شرائط بہ اصطلاح 'شرط وجود' ہیں' نہ کہ 'شرط وجوب'۔ یعنی ایسی شرط کہ جسکا حاصل کرنا ضروری ہے، ہماری کارکردگی ان مسائل کے بارے میں ہماری حساسیت کی عکاس ہیں۔ ہم جو کتابیں نشر کرتے ہیں، وہ کس حد تک اسلامی اہداف کو آگے لیجانے میں مدد ومعاون ہوتی ہیں؟ ہم جو پیسے خرچ کرتے ہیں، جو تبلیغ کرتے ہیں، وہ مسائل ہوتے ہیں جو ہماری فکر کو زیادہ تر خود میں مشغول رکھتے ہیں ان سب چیزوں سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہم

[۱] [دوسرے الفاظ میں ہماری کامل ہمبستگی مراد ہے جو یہ ہے:
[**المؤمن للمؤمن کالبنیان تشدُّ بعضهُ بعضاً' المسلمون تتکافؤُ دماؤُهم ......**] ''ایک مومن دوسرے مومن کیلئے ایسا ہے جیسے دیوار جو آپس میں جڑی ہوئی ہوتی ہے مسلمان آپس میں رشتۂ خون کے ساتھ منسلک ہیں۔''
اس مفہوم کا خلاصہ اور نتیجہ بھی ہمبستگی، ہمدردی وحدت اور عظمت ہے]

[۲] [یہ ناآگاہی اس جہت سے ہے کہ ہم خود اپنے زمانہ کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ حالات حاضرہ کہ جو حوادث کے بطن میں چھپے ہوتے ہیں نہ تو ہم انہیں درک کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے ہدایت لیتے ہیں' بلکہ ہم تو بالکل ظاہر بین چیزوں کو بھی نہیں دیکھتے]

نے کس قدر اس اصول کی قدر و قیمت کو درک کیا ہے۔

۵۔ پانچواں نکتہ یہ ہے کہ اس اصول کے بارے میں ہماری کارکردگی کیسی رہی ہے؟ افسوس کہ اس میدان میں ہمارا کوئی درخشاں کارنامہ نہیں ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ اس عنوان کے تحت ہمارا کام امر بہ معروف اور نہی از منکر کے بجائے ایک قسم کا منکر رہا ہے۔ اس میدان میں ہماری کارکردگی خواہ صورت تبلیغ ہو یا کتاب ونوشتہ کی صورت ہو، خواہ دوسرے ممالک میں مبلغؒ بھیجنے، پیسہ خرچ کرنے، ادارے قائم کرنے، یا کسی اور صورت میں ہو، صِفر یا صِفر کے نزدیک ہی رہی ہے۔

۶۔ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے بھی مراتب اور اقسام ہیں: لفظی اور عملی، مستقیم اور غیر مستقیم، انفرادی اور اجتماعی۔

۷۔ آخری نکتہ یہ ہے کہ ہم جب اس اصول کی قدر و قیمت کو اسلام کے نقطہ نظر سے جان چکے اور اس بات میں پایہ ثبوت تک پہنچ گئے، یہ بھی جان گئے کہ نہضت حسینیؑ کی زیادہ قدر و قیمت اسی عنصر کی بدولت ہے [1] اور یہ کہ امامؑ بھی نے اپنی جان، عزیزوں اور اصحاب و یاران کی جان اور تمام دوسری چیزوں کو امر بہ معروف اور نہی از منکر کی راہ میں نظر انداز کر کے اس اصول کو ایک قدر و قیمت، اعتبار اور شائستہ آبروبخشی ہے [2] مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگ اس اصول کو اپنے شخصی ضرر پر موقوف کر کے اس کی قدر و قیمت کو گرا دیتے ہیں جبکہ نہضت حسینیؑ اس کے لئے کسی حد و مرز کی قائل نہیں ہے۔ ان سب باتوں کے جاننے کے بعد اب ہمیں نتیجہ اخذ کرنا چاہئے ہم کیا کریں کہ جس سے قدر و

---

[1] [یہی وہ عنصر ہے جو یہ بتایا ہے کہ جس شکل میں بھی ہو اور جس قیمت پر بھی ہو، انقلاب کے دامن کو وسعت دینا چاہئے، حتیٰ خونریزی کیلئے بھی نقشہ کھینچا جائے اور لوگوں کو تلواروں کے سامنے قتل ہونے کی دعوت دی جائے، یہی وہ عنصر ہے جو اعتراض' تنقید' جرم کے اعلان اور عدالت خواہی کی فریاد کو خون سے لکھنا واجب کر دیتا ہے کیونکہ پھر وہ مٹ نہیں سکتا۔ جیسا کہ طول تاریخ میں ہم نے دیکھا کہ عدالت خواہی کی ہر وہ فریاد اور ہر وہ انسانی آرزو جو اس گرانبہا مرکب سے لکھی گئی تھی' پھر کبھی بھی مٹ نہ سکی]

[2] [مراد یہ ہے کہ قیام ونہضت حسینیؑ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے درجہ کو بلند مقام پر لے گئی، وگرنہ خود اس کی قدر و قیمت اپنی جگہ پہلے ہی سے ثابت تھی]

قیمت پیدا ہو، ہم کیسے خود اپنے آپ کو ارزش دیں' کیسے خدا کے نزدیک اپنی قدر و قیمت کو بڑھائیں، کیسے پیغمبر اسلام ﷺ کے نزدیک اپنی آبرو بڑھائیں' دنیا کی تمام ملتوں کے سامنے اپنی آبرو اور عزت کو بڑھائیں، تاکہ وہ لوگ ہماری قدر و قیمت کے قائل ہوں۔ اس کے لئے ہم کیا کریں؟ اور یہ بھی کہ ہم کیا کریں کہ حسینؑ کی عزاداری کی قدر و قیمت بڑھ جائے؟ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم حسینؑ کے زندہ شعار کا انتخاب کریں، نہ کہ ''نوجوان اکبر من'' جو ایک بوڑھی عورت کا شعار ہے اور نہ [زینب مضطرّم الوداع الوداع]

اس سوال کا جواب خداوند عالم نے قرآن میں دے دیا:

﴿کنتم خیر امّۃ اخرجت للنّاس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر﴾ ''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو'' (آل عمران/۱۱۰)

تم دنیا کے بہترین اور باارزش ترین لوگوں میں سے ہو اسلئے ہو کہ اس مقدس اصول یعنی امر بہ معروف ونہی از منکر پر کاربند ہو، اجتماعی تعاون ہمدردی اور ہمبستگی کے حوالے سے جامعہ اسلامی کے سامنے احساس مسئولیت رکھتے ہو۔

ہمیں وقت شناس اور موقع شناس ہونا چاہئے، ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ بقول سید شرف الدین: [لایُقضیٰ علَی الباطل الاعن حیثُ جاء] (کچھ ایسے ہی الفاظ ہیں) ''باطل کو جہاں سے وہ اٹھا ہے، اس جگہ کے علاوہ کہیں اور سرکوب نہیں کر سکتے۔''

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ہم نہ صرف اُن حوادث سے باخبر نہیں جو زمانے کے بطن میں پوشیدہ پرورش پا رہے ہیں بلکہ ہم تو بالکل نمایاں چیزوں کو بھی درک نہیں کرتے، ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ ہمارا زیادہ تر اشتباہ اس میں ہے کہ ہم آگاہ نہیں ہیں، نہ یہ کہ توانائی نہیں رکھتے، یہ ناممکن بات ہے کہ ایک سات سو ملین کی جمعیت کو دنیا گنتی میں نہ لائے۔

اِن دونوں مطالب یعنی اول ہماری نا آگاہی کس قدر ہے؟ اور ثانیاً یہ کہ ہم قدرت رکھتے ہیں، کی نمایاں مثال گزشتہ تیس سال کی غم انگیز اور خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والی فلسطین کی حالت ہے۔ پہلے فلسطین میں کتنے یہود آباد تھے؟ صرف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ☆ کے دور میں انہوں نے حکومت تشکیل دی تھی اور اس کے بعد کبھی بھی کوئی یہودی حکومت وجود میں نہیں رہی ہے، حتیٰ وہ کبھی اکثریت میں بھی نہیں رہے ہیں، مسلمانوں کے ہاتھوں فلسطین کی فتح کے وقت......[1]

۱۔ امامؑ نے کیوں اہل بصرہ کے نام خط لکھے اور ان کو دعوت دی؟ اگر یہ خود انقلاب اور خونریزی کو وسعت دینے کیلئے نہ تھا، تو پھر کیا تھا؟ ان سب سے بالاتر امامؑ نے شب عاشورا کیوں حبیب بن مظاہر کو بنو اسد کی طرف بھیجا؟ امامؑ نے اپنے اصحاب اور یاروں کو کیوں مجبور نہیں کیا کہ وہ خود کو مرنے کیلئے پیش نہ کریں؟

امامؑ خصوصی طور پر چاہتے تھے کہ اپنے اعتراض وانتقاد کو، اپنے جرم کے اعلان کو، اور اپنی عدالت خواہی اور حقیقت خواہی کو خون سے لکھیں تا کہ وہ ہرگز نہ مٹ سکے، امامؑ اپنے سخت ترین خطبوں کو ''حُر'' سے مدمقابل ہونے اور اس کی بندشوں میں آنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں (نمبر ۳ کی طرف رجوع فرمائیں)۔

تاریخ کلی طور پر نشاندہی کرتی ہے کہ خون سے لکھی گئی عبارت کبھی بھی نہیں مٹتی' اس لئے کہ وہ تصمیم اور گہری فکر کی حکایت کرتی ہے۔

۲۔ جیسا کہ ہم نے نمبر ایک کے ذیل میں بیان کیا تھا کہ قیام امامؑ کا اصول امر بہ معروف ونہی از منکر تھا اور اسی کے زیر اثر اپنے شہید کی منطق اختیار کی تھی، جو عقل کی منطق سے بالاتر اور زیادہ منفعت جو ہے۔ اس منطق میں فقط ایک چیز نظر میں ہوتی ہے اور وہ ہے کسی بھی قیمت پر اپنے ہدف تک پہنچنا، اس کے برعکس تمام دوسرے عوامل یعنی بیعت سے انکار کا عامل اور اہل کوفہ کی تشکیلِ حکومت کے لئے دعوت

[1] [خود استاد شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ اسی طرح تھا]

کے عامل کا دائرہ اس قدر وسیع نہیں تھا۔

۳۔ بہت سے سلاطین کی یہ خواہش رہی ہے کہ ان کے نام، ان کی تقاریر اور پیغامات (اگر چہ کہ ان میں کوئی پیغام نہیں ہوتا تھا) باقی رہیں۔ اس مقصد کیلئے بعض نے اپنا نام پتھر پر کندہ کرا کے لکھوائے ہیں کہ میں ہوں مثلاً شاہ شاہان، میں ہوں ایزد، یا میں ایزد کی نسل سے ہوں، خداؤں کی نسل سے ہوں اور اسی طرح کی بیہودہ اور بے معنی باتیں (پتھر پر کتبہ سے متعلق لکھی گئی تواریخ کی طرف رجوع کریں) لیکن یہ چیزیں کبھی بھی دلوں اور سینوں میں کندہ نہیں ہوئیں۔ اس کے برعکس امام حسینؑ کا پیغام کسی پتھر یا لوہے پر کندہ نہ ہوا تھا، فقط ہوا کے لرزاں صفحہ پر ثبت ہوا تھا اور اسی سے سینوں اور دلوں میں کندہ ہو گیا اور وحی کے نورانی خطوط کی طرح اولیائے خدا کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رہ گیا [**ان للحسین محبّۃً مکنونۃً فی قلوب المومنین**] سید الشہداءؑ سب سے بلند مقام اور روحوں کے احساسی مرکز ثابت ہوئے کہ انؑ کا نام لینا ہی آنسو جاری کرتا ہے اور خدا جانتا ہے کہ اب تک کتنے ہزار ٹن آنسو جاری ہو چکے ہیں، کس لئے؟ اسلئے کہ یہ ایک ایسی نہضت تھی جو ہدف اور مقصد کے لحاظ سے انسانی تھی، عالی تھی، عدالت خواہی اس کا مقصد تھا اور یہ تقویٰ کے حصول کیلئے تھی خود وجود امام حسینؑ اسکے مؤثر ہونے کا سبب تھا اور یہ وجود ایک الٰہی اور مافوق وجود تھا۔

۴۔ ایک ایسے وقت میں کہ جب جامعہ پر فساد اور تباہی حکومت کر رہی ہو اور تمام جگہوں پر ظلم وستم اور فساد پھیل چکا ہو، اگر کسی بھی حلقوم سے اپنی جان اور حیثیت کی حفاظت کی خاطر کوئی آواز نہ اٹھے تو دوسرے جو مکان اور زمان کے لحاظ سے دور ہیں، یہ خیال کریں گے کہ جو ہو رہا ہے وہ لوگوں کے ہی نمائندہ کی طرف سے اور لوگوں کی رضا اور رغبت سے ہو رہا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کے نام پر ایسا سب کچھ ہوتا دیکھ کر اسلام ہی سے منہ موڑ لیں یا اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کے ذہنوں میں اسلام کے خلاف ایک انقلابی تصور جنم لے۔

۵۔ خود بنو امیہ کا عکس العمل کہ جسے ہم نے یادداشت نہضت حسینی کے ۳۶ میں نقل کیا ہے، عثمان بن

زیاد، مرجانہ، یحییٰ بن الحکم، ہند زوجۂ یزید اور معاویہ بن یزید سے جو باتیں نقل ہوئیں ہیں یہ سب ابا عبداللہؑ کی شہادت کے لرزانے والے اثر کی وجہ سے ہیں، اس واقعہ نے نفاق کے پردہ کو چاک کیا چھپی ہوئی چیزوں کو برسرعام کیا اور بنوامیہ کو ہمیشہ کے لئے اسلام سے جدا کردیا۔ یہ تمام باتیں خود بتلاتی ہیں کہ امام حسینؑ کو حق تھا کہ اپنے لئے شہید کی منطق اختیار کرتے۔

۶۔ روزِ عاشورا امام حسینؑ کا جملہ: [انی لارجوا ان یکرمنی اللہ بھوانکم] ''میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ خدا تمہیں ذلیل کر کے مجھے عزت بخشے گا'' (اس بات کی تائید کرتا ہے کہ امامؑ اپنی شہادت کے مثبت اثر سے مطمئن تھے، آپؑ کو اطمینان تھا کہ یہ شہادت بنی امیہ کی آبرو کو زائل کردیگی، ان کے اہداف کو خاک میں ملادے گی اور امامؑ کی آبرو بڑھائے گی۔ یہ بات بھی اوپر ذکر کئے گئے ہمارے دعویٰ کی مؤید ہے۔

۷۔ وہ خاص عوامل جن کی وجہ سے امامؑ کا امر بہ معروف کے لئے قیام کرنا واجب ہوگیا تھا، مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ بنوامیہ کا حکومت وخلافت کو موروثی قرار دینا اور ابوسفیان کی آرزو کو حقیقت بخشنا۔

ب۔ صلح امام حسن- کی شرائط کا توڑنا۔ معاویہ کا شیعوں کے ساتھ ناقابل برداشت رویہ حتی کہ یہ حکم کہ شیعہ ہونے کا اگر گمان بھی ہو، تب بھی ان کو پکڑا جائے۔ حکومت کے رجسٹر سے نام خارج کرنے کے لئے فقط علیؑ کی محبت کا کافی ہونا۔ شیعوں کے اجتماعی حقوق پر ڈاکہ، گواہی دینے، قضاوت کرنے اور نمازِ جماعت کی امامت سے شیعوں کی محرومیت۔ شیعوں کی بزرگ ہستیوں کا قتل جیسے حجر بن عدی، عمرو بن حُمق خزاعی وغیرہ۔

ج۔ منبروں سے حضرت علیؑ پر سبّ وشتم۔

د۔ بنوامیہ خصوصاً معاویہ کے مفاد میں تبلیغات، اس کو صحابۂ کبار کی صف میں قرار دینا۔

۸۔ بنوامیہ کی سیاست مجموعی طور پر یہ تھی کہ اسلام کی ظاہری شکل کی حفاظت کی جائے اور اس کو اندر سے

خالی کر دیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں جیسا کہ خود پیغمبر اکرمؐ نے عالم رؤیا میں دیکھا تھا کہ بنوامیہ کی سیاست کا محور لوگوں کا رخ اسلام کی طرف رکھ کر، ان کو اسلام سے دور کرنا ہوگا''

پانچواں باب

عاشورا کے تاریخی واقعہ میں تحریفات

عاشورا کے تاریخی واقعہ میں تحریفات

۱۔"تحریف"،"کلمۂ حرف" سے لیا گیا ہے جس کے معنی کسی چیز کو اس کے اصلی مسیر اور مجریٰ سے منحرف کرنا اور دوسری راہ پر لگانے کے ہیں۔تحریف دو نوعیت کی ہوتی ہیں:"ایک نوع لفظی، قالبی اور پیکری ہے دوسری نوعیت معنوی اور روحی ہے؟ جیسا کہ قواعد میں مغالطہ کی بھی دو قسمیں ہیں: لفظی اور معنوی۔ تحریف اور مغالطہ کا تاریخ میں سابقہ ہے۔قرآن کریم بھی پہلے کی آسمانی کتابوں کی تحریف کے بارے میں ذکر کرتا ہے، جسے ہم نے "تحریف کلمہ" کے اوراق میں ذکر کیا ہے [۱] تحریف جس طرح نوع کے لحاظ سے دو قسم کی ہوتی ہے: لفظی اور معنوی، اسی طرح عامل یعنی محرّف کے لحاظ سے بھی اس کی دو اقسام ہیں۔تحریف یا دوستوں کی طرف سے ہوتی ہے یا دشمنوں کی طرف سے بالفاظ دیگر تحریف واقع ہونے کی وجہ یا دوست کی جہالت ہے یا دشمنوں کی عداوت۔اسی طرح سے موضوعِ تحریف کے لحاظ سے بھی یعنی محرّف فیہ (جس کی تحریف کی جائے) کی بھی چند اقسام ہیں:

ایک انفرادی اور بے اہمیت کام میں تحریف جیسے کہ کسی خصوصی خط میں یا کسی گرانقدر ادبی کتاب میں تحریف کی جائے۔دوسرے کسی تاریخی سند میں تحریف، جیسے اسکندریہ کی کتابسوزی کو جعل کرنا۔ تحریف کی تیسری قسم اخلاقی، تربیتی اور اجتماعی سند میں تحریف کرنا ہے۔

۲۔مرحوم آیتی کتاب "بررسی تاریخی عاشورا" کی پانچویں تقریر میں فرماتے ہیں کہ اہل بیتؑ کا اسیر ہونا اس بات کا ایک بہت بڑا محرک بنا کہ وقایع عاشورا کی حقیقت لوگوں کو بتلائی گئیں تا کہ حقیقت بدل نہ جائے۔

مرحوم ڈاکٹر آیتی چھٹی تقریر میں ص۱۵۱ پر کہتے ہیں: "ہمیں اس چیز کی طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ تاریخ نہضتِ اباعبداللہ الحسین۔۔، بہت سے دیگر تاریخی ابواب کی نسبت تحریف سے محفوظ اور سلامت رہ گئی ہے" خصوصاً اس واقعہ کا دردناک اور غمناک پہلو ان لوگوں کی نگاہوں میں محفوظ رہا

[۱] [یہ مطالب استاد شہید کی یادداشت کے ضمن میں آئندہ ذکر ہوں گے]

جنہوں نے اس کا اس زاویئے سے مطالعہ کیا ہے اور اس واقعہ کی عظمت، حرمت اور تکریم ان افراد کی نگاہوں میں روشن رہی جنہوں نے اس کا اس زاویہ سے مطالعہ کیا ہے۔ یہ باتیں خود سبب بنیں کہ اس واقعہ کے جزئیات بہت بڑے اہتمام کے ساتھ لکھے جائیں پس اس واقعہ کے جزئیات بھی سامنے آئے ہیں اور تاریخ میں ثبت ہو چکے ہیں۔چنانچہ طبری، ابن واضح (یعقوبی) شیخ مفید، ابوالفرج اصفہانی نے کہ جو دوسرے، تیسرے اور چوتھے قرن میں گزرے تھے اس واقعہ کی جزئیات باوثوق اور قابل اطمینان راویوں سے نقل کی ہیں۔

مرحوم آیتی ص۱۶۸ پر اس بات پر زور ڈالتے ہیں کہ امام علی بن الحسینؑ کے ساتھ ساتھ خواتین اہلبیت کے خطبوں کا اہتمام اور مختلف موقعوں پر یہ خطبات اسی لئے تھے کہ حادثہ کربلا کی تحریف میں مانع ہوں (تحریف لفظی ہو یا معنوی) اہل بیت اطہارؑ چاہتے تھے کہ اس حادثہ کو تحریف اور تبدل کے حوالے نہ ہونے دیں۔چنانچہ جو چیز واقعہ ہوئی تھی اس کے متن کو ہی اپنے خطبوں میں بیان کیا اور امامؑ عالی مقام کے ہدف کی بھی تشریح کی۔

۳۔مرحوم آیتی اپنی نویں تقریر (ص۱۷۵) کے آغاز میں اہل بیتؑ کی تقریروں اور خطبوں کی ارزش کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"آج ہم واقعہ کربلا کو امامؑ اور اہل بیتؑ کے خطبوں سے جو مکہ، حجاز، عراق، کربلا، کوفہ وشام اور مدینہ میں دیئے گئے اور اُن تقریروں سے جو لوگوں کے سوالوں کے جواب میں کی گئیں اور (رجز کے کلمات کے ذریعہ جو خود امامؑ اور آپؑ کے اصحابؓ نے روز عاشورا دشمن کے مقابل میں فرمائے ہیں، جو معتبر کتابوں میں ثبت وضبط ہوئے ہیں اور ان خطوط کے تبادلہ سے جو امامؑ اور کوفہ وبصرہ کے لوگوں کے درمیان لکھے گئے تھے اور ان خطوط سے جو یزید نے ابن زیاد کو اور ابن زیاد نے یزید اور عمر سعد کو لکھے اور عمر بن سعد کے ابن زیاد کو اور ابن زیاد کے حاکم مدینہ کو لکھے گئے خطوط سے، کہ یہ سب معتبر تواریخ میں ثبت وضبط ہیں اور آئندہ آنے والی نسلوں تک بھی پہنچیں گے اور ہمیشہ محفوظ رہیں گے، ان

مدارک کے ذریعے ہم واقعہ عاشورا کی اسکی تمام جزئیات کے ساتھ شرح وتوصیف کر سکتے ہیں۔ کسی دوسرے مدرک وماخذ کی کوئی حاجت نہیں''۔

۴۔ دشمن کی جملہ تحریفات میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے ابن زیاد کے نام پر جو حکم صادر کیا تھا اس میں لکھا ہے:

''میرے دوستوں (جاسوسوں) نے مجھے اطلاع دی ہے کہ مسلم بن عقیلؑ کوفہ آئے ہوئے ہیں تا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کریں۔

اوران میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خود ابن زیاد نے گرفتار کرنے کے بعد حضرت مسلمؑ سے کہا:

''فرزند عقیل! اس شہر کے لوگ آسودہ خاطر تھے، تم آئے اور ان کے درمیان تفرقہ ڈالا اور لوگوں کو ایک دوسرے کی جان کے درپے کر دیا۔''

حضرت مسلمؑ نے ابن زیادہ کے جواب میں فرمایا:

''ایسا نہیں ہے میں خود اس شہر میں نہیں آیا کہ یہاں کے لوگوں کو پراکندہ کروں بلکہ اس شہر کے لوگوں نے ہمیں خطوط لکھے ہیں اوران خطوط میں لکھا ہے کہ تمہارے باپ (زیاد) نے ان کے اچھے لوگوں کو قتل کیا، ان کا خون بہایا اور دنیا کے ستمگروں اور مشرکین جیسا ان کے ساتھ سلوک کیا، ہم اسلئے آئے ہیں تا کہ عدالت قائم کریں اور لوگوں کو قرآن مجید کے حکم کی طرف دعوت دیں۔''

بہر حال یہ تحریف زور نہ پکڑ سکی اور دنیا میں بجز قاضی ابن العربی اندلسی کے کوئی ایسا تاریخ نگار پیدا نہیں ہوا کہ جو اس طرح سے قضاوت کرے۔

۵۔ وہ تحریفات کہ جو لفظاً یا معناً واقعہ عاشورا میں ہوئی ہیں:

لفظی تحریفات [1]

[1] [ان لفظی تحریفات کو وجود میں لانے کے کیا عوامل اور محرکات تھے؟ ایک بات تو یہ ہے کہ کلی طور پر دنیا کی بزرگ ہستیاں عوام کے افسانوں کا موضوع بن جاتی ہیں۔ جب لوگوں نے بوعلی سینا کے بارے میں افسانہ تراشے جب رستم

(الف) شیر اور فضہؑ کی داستان [1] کہ متأسفانہ کافی میں بھی ذکر ہے۔

(ب) حضرت قاسمؑ کی عروسی کی داستان۔ ظاہراً یہ قصہ بہت زیادہ نیا ہے اور قاچاری زمانہ سے پہلے کا نہیں ہے (ملا حسین کاشفی کے زمانے سے ہے)۔

(ج) فاطمہ صغریٰ کے مدینہ میں ہونے کی داستان اور کسی پرندہ کا ان کے پاس امامؑ کی شہادت کی خبر لے جانا

(د) اس یہودی لڑکی کی داستان جو مفلوج تھی اور کسی پرندہ کے ذریعے اباعبداللہ - کے خون کا ایک قطرہ اس لڑکی کے بدن پر ٹپکا اور وہ صحتیاب ہوگئی۔

(ھ) جناب لیلیٰ کے کربلا میں موجودہ ہونے کی داستان اور حضرت امامؑ کا ان کو حکم دینا کہ جاؤ ایک الگ خیمہ میں جا کر اپنے بالوں کو کھول دو اور یہ شعر:

نذرٌ علیّ لئن عادوا وان رجعُوا   لازرعنّ طریق الطّفّ ریحانا

''میں نے منت مانی ہے کہ اگر یہ واپس آ گئے تو طف کے راستے میں ریحان کے پھول اُگاؤں گی''

اور اسی طرح کے دوسرے اشعار:

لیلیٰ زغم اکبر ......

اور سہراب کے افسانے خلق ہوئے، لازماً علی بن ابی طالبؑ اور حسین بن علیؑ کے لئے بھی افسانہ طرازی ہوئی۔ مثال کے طور پر خیبر میں حضرت علیؑ کی ضربت اور جبرئیلؑ کے بال و پر بچھانے کا قصہ، آسیب بدن کا قصہ، کربلا میں دشمن کی تعداد سات لاکھ ہونے کا افسانہ روز عاشورا کا بہتر (۷۲) گھنٹے کا ہونا۔ ایک دلچسپ قصہ یہ ہے کہ کسی نے کہا سنان بن انس کا نیزہ ساٹھ گز کا تھا تو ایک شخص بول اٹھا کہ دنیا میں کسی نے بھی ساٹھ گز کا نیزہ نہیں دیکھا ہے۔ اس پر اس نے جواب دیا: ''اس نیزہ کو خدا نے بہشت سے اس کیلئے بھیجا تھا۔''

دوسرا عامل اور سبب جو امام حسینؑ کے اس واقعہ میں تحریف کیلئے مختص ہے، وہ امام حسینؑ پر رلانے کا موضوع ہے۔ بعد میں ہم اس کی تاثیر کے بارے میں بات کریں گے]

[1] [''منتخب'' طریحی اور دربندی کی ''اسرار الشہادۃ'' میں بھی ایک اسدی شخص سے نقل ہوا ہے کہ راتوں کو وہاں پر ایک شیر آیا کرتا تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شیر علی بن ابیطالبؑ تھے (العیاذ باللہ)]

خیزای بابا این صحرا رویم   نک به سوی خیمه لیلا رویم

''اٹھو بابا! اس بیاباں سے چلیں   اب سوئے خیمۂ لیلیٰ چلیں''

(و) اباعبداللہ- کے ایک بچہ کی داستان جو شام میں دنیا سے گزر گیا اور باپ کو بہت یاد کرتا تھا، جب باپ کا سرمقدس لایا گیا تو اسی جگہ وفات پا گیا۔ ۱

(ز) اسیران اہل بیتؑ کے اربعین کے موقعہ پر کربلا آنے کی داستان۔ یہ قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب اسیرانِ اہل بیتؑ کا قافلہ عراق اور مدینہ کے دوراہے پر پہنچا تو انہوں نے نعمان بن بشیر سے خواہش کی کہ ان کو کربلا لے جایا جائے۔ اربعین کے بارے میں جو حقیقت ہے وہ جابر اور عطیہؒ عوفی کی زیارت ہے۔ لیکن اسیروں کا کربلا سے گزرنا اور امام سجادؑ کی جابر سے ملاقات افسانہ ہے۔

(ح) عمر سعد کے لشکر میں آٹھ لاکھ بلکہ بعض کہتے ہیں سولہ لاکھ افراد تھے۔

عاشورا کا دن ۷۲ گھنٹے کا تھا۔ فلاں نے ایک حملہ میں دس ہزار نفر کو قتل کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہاشم مرقال کا نیزہ ۱۸ گز لمبا اور حضرت قاسمؑ کے قاتل کا نیزہ ۱۸ گز کا اور سنان کا نیزہ ۶۰ گز کا تھا یہ سب افسانے ہیں۔

(ط) ایسی داستانیں کہ جن میں اہل بیتؑ کیلئے دشمن کے سامنے اظہار تذلل ہے جیسے اشقیاء سے پانی مانگنا۔

(ی) اس بچہ کی دستان کہ اسارت کے وقت جس کی گردن کو رسی سے باندھ کر سوار گھسیٹ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ بچہ مر گیا۔

معنوی تحریفات

(الف) سب سے پہلی تحریف یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس حادثہ کو ایک استثنائی اور محرمانہ دستور سے پیدا ہونے والے خصوصی حادثہ کا نام دیا۔ امام حسین- امت کے گناہوں پر فدا ہو گئے! وہ شہید اس لئے

۱ [نفس المہموم کی طرف رجوع کریں]

ہوئے کہ امت کے گناہ بخش دیئے جائیں! بلا شک وشبہ یہ ایک مسیحی فکر ہے جو ہمارے درمیان بھی رائج ہو گئی ہے۔ یہی وہ فکر ہے جو امام حسینؑ کے ہدف کو کلی طور پر مسخ کرتی ہے اور انؑ کو گناہ کرنے والوں کی پناہ گاہ کی صورت میں پیش کرتی ہے، امامؑ کے قیام کو دوسروں کے بُرے کاموں کا کفّارہ قرار دیا جاتا ہے، امام حسینؑ شہید ہوئے تا کہ گنہگاروں کے لئے عذاب الٰہی کا بیمہ ہو جائے! معصیت کرنیوالوں کی معصیت کے لئے جوابدہ آپؑ ہوں ۱ کسی آدمی سے پوچھا گیا کہ تم کیوں نماز نہیں پڑھتے ہو، روزہ نہیں رکھتے ہو، اور کیوں شراب پیتے ہو؟!! اس نے جواب میں کہا: ''کیا تم نے شب جمعہ انجمن میں میری سہ ضربی سینہ زنی کو نہیں دیکھا ہے''؟ آقائے بروجردی نے بہت چاہا کہ قم کے ماتمی دستوں کے سرپرستوں کو بعض کاموں سے منع کریں مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: ''ہم ایک دن کے سوا تمام سال آپ کے مقلدّ ہیں۔ ہمارے اور مسیحیوں کے درمیان جو فرق ہے وہ یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ کوئی بہانہ ہونا چاہئے کہ مکھی کے بال کے برابر آنسو بہے اور یہی ہمارے جھوٹ، ہماری خیانتوں، شراب خوریوں، سود خوریوں، ظلم اور آدم کُشی کا جواب دینے کے لئے کافی ہے! ہمارے ہاں اب امام حسینؑ کا مکتب بجائے اسکے کہ احکام دین کے احیاء کا مکتب ہو [**شهدانک قد اقمت الصلوٰة وآتیت الزکوٰة وامرت بالمعروف ونهیت عن المنکر**] کا مکتب ہو اور جیسا کہ امامؑ نے فرمایا: [**اُرید ان آمر بالمعروف واَنهیٰ عن المنکر**] کا مکتب ہو، ابن زیاد سازی اور یزید سازی کا مکتب بن گیا ہے۔

اس میدان میں کئی افسانے بنائے گئے ہیں جیسے یہ داستان کہ ایک آدمی لوگوں کا راستہ روکتا تھا، لوگوں کو مار ڈالتا تھا، ٹکڑے کر دیتا تھا، اس کو اطلاع ملی کہ زوّار حسینؑ کا کوئی قافلہ آج رات فلاں جگہ سے گزرے گا۔ وہ کسی موڑ پر ان کی گھات میں چھپ گیا۔ انتظار کر رہا تھا کہ اسے نیند آ گئی۔ قافلہ آیا اور چلا گیا لیکن وہ متوجہ نہیں ہوا۔ جب قافلہ وہاں سے گزر رہا تھا، وہ سو رہا تھا اور جو گرد وغبار اٹھی وہ

۱ [امام حسینؑ تین مرحلے میں شہید ہوئے اور آپؑ کی شہادت تین قسم کی ہیں: بدن کی شہادت، نام کی شہادت اور ہدف کی شہادت]

اس کے لباس اور بدن پر بیٹھ گئی اسی وقت اس نے خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہوئی ہے اور ناحق خون بہانے، چوری کرنے، لوگوں کا مال لوٹنے اور امن وامان ختم کرنے کے جرم میں اسے بھی کھینچتے ہوئے جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔

لیکن جیسے ہی جہنم کے نزدیک پہنچا، جہنم نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حکم ہوا کہ اس کو واپس لے جاؤ یہ وہ شخص ہے کہ جب سو رہا تھا، زوّار حسینؑ کے قدموں کی دھول اس کے چہرہ پر بیٹھی تھی۔

فانّ شئت النجاۃفزر حسینا   لکی تلقی الالہ قریر عین

فان النار لیس تمسّ جسماً   علیہ غبار زوّار الحسینؑ

"اگر نجات چاہتے ہو تو حسینؑ کی زیارت کے لئے جاؤ تا کہ خدا کا دیدار روشن آنکھوں سے کرو، جہنم کی آگ اس جسم کو نہیں چھوئے گی جس پر زائرابنِ حسینؑ کے قدموں کی دھول بیٹھی ہو۔"

پس جب زوّار حسینؑ کے قدموں کی دھول کسی ڈاکو کے چہرہ پر بیٹھ جائے اور اس کو نجات ملے، تو خود زوّار کا کیا مقام اور درجہ ہوگا! اور حتماً ابراہیم خلیلؑ سے بالاتر ہوگا بقول شاعر:

من خاک کف پای سگ کوی کسی ام   کو خاک کف پای سگ کوی تو باشد

اس اصفہانی شاعر کے بقول کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور ملائکہ عذاب اسے عدل الٰہی کے حضور پیش کرے گا اور اس کی گناہوں کی شہادت دیتے جائیں گے لیکن مأمور فرشتہ کی مورد توجہ نہیں ہوتے کہتے ہیں شکمہا پارہ کردہ است...... دیوان مکرم ص۱۳۳:

اگر این مردہ اشکی ہدیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
عیان گر معصیت یا خفیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
نماز این بندہ عاصی نکردہ   مہ حق روزہ خوردہ
ولی یک نالہ در یک تکیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
اگر پستان زنہا را بریدہ   شکمہا شان دریدہ

ہزاران مرد را بی قصیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
اگر از کودکان شیر خوارہ   شکمہا کردہ پارہ
بہ ستہ گریہ ہای نسیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
خوراک او ہمہ مال یتیم است   گناہ او عظیم است
خطا در وہم در قریہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
اگر بر ذمہ او حق ناس است   خدا را ناشناس است
برای خودجہان رافدیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
بہ دست خودزدہ قدارہ برفرق   بہ خون خودشدہ غرق
تن خودزین ستم بی بنیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ
نمی ارزد دو صد تصبیح ناموس   بہ یک سبوح و قدوس
اگر اشکی روان بر لحیہ کردہ   ولش کن گریہ کردہ

یہ اشعار معنوی تحریفات سے متعلق ہیں جن کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ "گناہ خواہ کتنے ہی سنگین ہوں، حسینؑ پر رونے کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے۔"

۶۔ پہلے بتا چکا ہوں کہ تحریف کے دو بنیادی عوامل ہیں۔ اب ہم ان عوامل کی تفصیل میں جاتے ہیں:

(الف) دشمن اپنے اغراض کے تحت یہ کوشش کرتا رہا ہے کہ ان واقعات کو الٹ دے اور ان میں تحریف کردے جیسا کہ اس کا ایک نمونہ ہم نے نمبر میں بیان کیا ہے۔

(ب) افسانہ سازی اور خرافات سازی کی حِس لوگوں میں موجود ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ آقای ڈاکٹر شریعتی نے اپنی عید غدیر کی تقریر میں افسانہ سازی کی طرف لوگوں کی توجہ کی بنیاد کو احسن طریقہ سے بیان کیا ہے اور ہم بھی پہلے بتا چکے ہیں۔ کہ یہ افسانہ پردازی ہی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ حضرت علیؑ کی ضربت سے زخمی ہونے کی وجہ سے چالیس دن تک اوپر نہیں

جاسکے اوراسی طرح یہ بھی کہ حضرت علیؑ کی ضربت اس قدر نرم اوراسکی کاٹ اسقدر تیز ہوتی ہے کہ خود مرحب ضربت کھانے کے بعد بھی متوجہ نہ ہوسکا اور علیؑ سے کہنے لگا: ''اے علیؑ! یہ سب لوگ جو تمہاری اتنی تعریف کرتے ہیں، تمہاری تمام قوت اور ہنر یہی ہے؟'' علیؑ نے فرمایا: ''ذرا خود کو حرکت دے تو سہی، تو تجھے معلوم ہو کہ کیا خبر ہے'' جب وہ اپنی جگہ سے ہلتا ہے تو اس کا آدھا دھڑ اس طرف اور آدھا اُس طرف گر جاتا ہے!۔

(ج) حادثہ عاشورا میں تحریف کے حوالے سے خصوصی طور پر ایک اور خاص عامل کا بھی دخل رہا ہے، وہ یہ کہ دین کے سربراہان کی طرف سے ایک خاص فلسفہ کی خاطر یہ تاکید ہوئی تھی کہ اس واقعہ کو ایک مصیبت کے عنوان سے یاد کیا جائے اور لوگ اس پر گریہ کریں۔ اس ذکر اور رونے رلانے کا مقصد، اس یادگار کو زندہ رکھنا تھا اور اس واقعہ کو زندہ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اس نہضت کے تمام اہداف ہمیشہ کے لئے زندہ رہ جائیں، امام حسینؑ ہر سال لوگوں کے درمیان اسی طرح سے ظاہر ہوں اور لوگ آپؑ کے حلقوم مبارک سے یہ سنتے رہیں: [**الا ترون انّ الحق لایعمل بہ وان الباطل لایتناھی عنہ**] لوگ ہمیشہ سنتے رہیں: [**لااری الموت الاسعادۃ والحیاۃ مع الظالمین الابرما**] لوگ اس ندا کو سنیں کہ جو حماسہ کے ساتھ اُٹھی ہے اور اس تاریخ کو دیکھیں جو خون سے لکھی گئی ہے۔

لیکن رونے رلانے کے اس مفہوم کو سمجھے بغیر اور رونے اور رُلانے کے ہدف کی طرف توجہ دیئے بغیر خود رونا ہی موضوع بن گیا بلکہ اب تو یہ ایک مخصوص ہنر ہو گیا ہے۔ اپنے موضوع سخن سے مصائب کے عنوان میں داخل ہونا، اہل منبر اور ذاکرین کا ایک ہنر ہے، لوگوں کو زیادہ سے زیادہ رلانا ظاہری طور پر اس لئے ہے کہ زیادہ اجر وثواب حاصل ہو۔ جھوٹے مصائب جعل ہوئے۔ ہمارے لوگ بھی چائے کے عادی لوگوں کی طرح (جن کو گہرے رنگ کی چائے کی عادت ہے وہ ہلکے رنگ کی چائے پسند نہیں کرتے) بہت سخت اور حاشیہ دار مصائب کے عادی ہو گئے ہیں، یہ بات خود اس کا سبب بنی

ہے کہ کچھ اہل منبر لوگوں کو رُلانے کے لئے مجبوراً جھوٹے مصائب کا سہارا لیتے ہیں اگر محترمانہ انداز میں ذکر کرنا چاہیں تو ضعیف مصائب ذکر کرتے ہیں۔

یہاں پر دو داستانیں ہیں: آذربائیجان کے ایک عالم غلط مصائب پڑھے جانے پر بہت رنجیدہ ہوتے تھے اور اہل منبر پر اعتراض کرتے رہتے تھے معمولاً یہ کہتے تھے ''یہ کیا زہر پاشی ہے جو تم پڑھتے رہتے ہو؟'' لیکن کوئی بھی ان کی بات پر توجہ نہیں دیتا تھا، آخر کار خود انہوں نے اپنی مسجد میں ایک عشرہ رکھا۔ چونکہ بانی مجلس بھی خود تھے اس لئے مجلس پڑھنے والے کو پابند کیا کہ (خود ان کی اصطلاح میں) زہر پاشی والی غلط روایات نہیں پڑھے گا، ذاکر نے کہا: ''آقا! مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ جان لیں کہ لوگ روئیں گے نہیں'' اس پر عالم دین نے کہا: ''تمہیں اس سے کیا سروکار؟ میری مجلس میں ایسی زہر پاشی، یعنی جھوٹے مصائب نہیں پڑھے جائینگے'' مجلس شروع ہوئی، آقا خود محراب میں تھے اور منبر محراب کے ساتھ ہی تھا، ذاکر نے مصائب پڑھنا شروع کئے کتنا ہی چاہا کہ سچے مصائب سے لوگوں کو رلائے، لوگ نہیں روئے، آقا خود بھی ہاتھ پیشانی پر رکھے ہوئے تھے، دیکھا عجب! مجلس سرد پڑی تھی۔ اپنے آپ سے کہا، لوگ کہیں گے کہ آقا کی مجلس کامیاب نہیں ہوئی' گمان کریں گے کہ آقا کی نیت صاف نہیں اور اس طرح میرے تمام مرید مجھ سے جدا ہو جائیں گے آہستہ سے اپنے سر کو منبر کی طرف لے گئے اور ذاکر کے کان میں بولے: ''اس زہر پاشی میں سے تھوڑا املا دے'

دوسری داستان یہ ہے: کسی شہر کی مجلس میں، میں نے پہلی مرتبہ ایک خاتون کی داستان سنی جو متوکل کے زمانہ میں اباعبداللہ- کی زیارت کے لئے گئی تھی، لوگ اس کے مانع ہوئے اس کے ہاتھ کاٹے گئے، آخر کار (داستان کی تفصیل یاد نہیں) اس کو دریا میں پھینکا جاتا ہے اور فریاد کرتی ہے: 'یا ابا الفضلؑ! میری فریاد کو پہنچو' دیار میں سے ایک سوار نمودار ہوتا ہے۔ وہ آتا ہے اور اس خاتون سے کہتا ہے: ''آؤ میری رکاب تھام لو!'' وہ خاتون کہتی ہے: ''آپ کیوں اپنے ہاتھوں کو آگے نہیں بڑھاتے اور مجھے نہیں پکڑتے؟'' سوار جواب میں کہتا ہے: ''میرے بدن پر ہاتھ نہیں ہیں۔''

پس معلوم یہ ہوتا ہے کہ لوگوں نے خود یہ جعلی مصائب اور یہ تحریفات تخلیق کی ہیں، بہت سی زبان حال زبان حال نہیں ہیں۔

جیسے یہ شعر:

اے خاک کربلاتوبه من یاوری نما   چون نیست مادری توبه من مادری نما

''اے خاک کربلا! تو میری مدد کر، چونکہ میری ماں نہیں ہے تو مجھ سے ماں کا سلوک کر۔''

یہ سب کیا ہے؟ نہ امامؑ ایسے کلمات زبان پر لائے ہیں اور نہ ہی یہ امامؑ کے شایان شان ہیں بلکہ یہ کسی بھی مرد کیلئے شائستہ نہیں، ایک ستاون (۵۷) سالہ مرد اگر بالفرض یہ چاہے کہ غربت اور تنہائی پر نالہ کرے تو وہ ماں کو نہیں پکارتا، ماں کو پکارنا ایک بچہ کی شان ہے جسے ابھی ماں کی گود کی احتیاج ہوتی ہے۔ یہ سن ایسا ہوتا ہے کہ عام طور پر بچے اپنی ماؤں کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

کتاب ''لؤلؤ مرجان'' [1] اپنی نوعیت کی ایک بے نظیر کتاب ہے یہ کتاب مرحوم مؤلف کے واقعی عالم ہونے کی حکایت کرتی ہے۔ مرحوم محدث نوری نے اپنی بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اخلاص اور صدق، اور دونوں حصوں کو بہت خوب بیان کیا ہے۔

''صدق'' کی بحث میں ص ۱۴۶ پر اس سے مربوط آیات کو نقل کرتے ہیں، سب سے پہلے یہ آیت ہے:

﴿ فویلٌ للّذین یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذامن عندالله لیشتروا به ثمناً قلیلاً فویلٌ لهم ممّا کتبت ایدیهم وویلٌ لهم ممّا یکسبون ﴾ ''وائے ہو ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے ہے تا کہ اسے تھوڑے دام میں بیچ لیں، ان کے لئے اس تحریر پر بھی عذاب ہے اور اس کی کمائی پر بھی'' (بقرہ/۷۹)

اس کے بعد جھوٹی نسبت دینے سے متعلق آیات کو نقل کیا ہے جو بہت زیادہ ہیں۔ [2]

[1] [اس کتاب کا اردو ترجمہ دارالثقافۃ الاسلامیہ نے ''آداب اہل منبر'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہاں پر جو صفحہ شمار دیئے گئے ہیں وہ اسی اردو ترجمہ کے مطابق ہیں۔ (مترجم)]

[2] [اور اگر ہماری طرح تحریف سے متعلق متذکر آیات سے متمسک ہوتے تو شاید بہت زیادہ مناسب تھا]

۷۔ مرحوم کتاب کے صفحہ ۱۶۴ پر ذاکرین کے بیان کردہ کچھ جھوٹے مصائب کی طرف اشارہ کرتے ہیں جیسے:

(الف) حضرت علی اکبرؑ کا میدان میں جا کر واپس آنا اور اسوقت امامؑ کا اکبر کی ماں لیلیٰ سے یہ فرمانا:

''اٹھو خلوت میں جا کر اپنے بیٹے کے لئے دعا کرو، میں نے اپنے ناناؐ سے سنا ہے کہ ماں کی دعا اپنے رزند کے حق میں مستجاب ہوتی ہے''

(ب) حضرت زینبؑ اسوقت کہ جب امامؑ احتضار کی حالت میں تھے امامؑ کے سرہانے آئیں:

[فرمقها بطرفه فقال لهااخوه : ارجعی الی الخیمة فقدکسرت قلبی وزدت کربی] ''پس حضرتؑ نے کن آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: خیمہ کی طرف واپس جاؤ، تم نے میرا دل توڑ دیا اور میرے کرب میں اضافہ کر دیا۔''

(ج) امامؑ نے کئی بار دشمن پر حملے کئے اور ہر بار ''دس ہزار'' نفر کو مارا!

۸۔ آقای نوری اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۶ پر شیخ مفیدؒ کے اشتباہ کو نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ حضرت علیؑ کسی بھی جنگ میں زخمی نہیں ہوئے تھے، ص ۲۴۸ پر اسیروں کی شام سے واپسی پر کربلا سے گزرنے کی داستان نقل فرمائی ہے کہ جو فقط کتاب ''لہوف'' میں آئی ہے اور اس کے بعد ابن نما نے ''مثیر الاحزان'' میں اسے نقل کیا ہے، یہ کتاب سید بن طاؤس کی وفات کے چوبیس سال بعد تالیف ہوئی ہے۔

۹۔ ص ۲۷۰ پر آخوند ملا مہدی نراقی کی کتاب ''محرق القلوب'' کا نام لیا ہے جو بعض جھوٹ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک [1] یہ داستان ہے کہ ''جب کچھ اصحاب و یاران امامؑ میدان جنگ میں شہید ہو گئے تو ناگاہ بیابان سے ایک مکمل مسلح سوار نمودار ہوا جو ایک کوہ پیکر گھوڑے پر سوار تھا، سر پر فولادی خود رکھے ہوئے تھا' شانے پر گول سپر لٹکائے ہوئے تھا' چمکتی بجلی کی مانند جوہر دار یمانی تلوار حمائل کئے

[1] [یہ داستان طول و تفصیل کے ساتھ کاشفی کی کتاب ''روضۃ الشہداء'' میں آئی ہے اور انہوں نے ظاہراً محرق القلوب سے نقل کی ہے۔ روضۃ الشہداء میں ہے کہ فضل بن علیؑ ہاشم کی مدد کے لئے دوڑے!!!]

ہوئے تھا‘ اٹھارہ گز کا نیزہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا‘ غرض تمام اسباب جنگ سجائے ہوئے [**کالبرق الامع والبدر الساطع**] (چمکتی ہوئی بجلی اور بدر منیر) کی مانند میدان کے درمیان پہنچا۔اعدائے دین کو بہکانے اور اپنے گھوڑے کو جولان دینے کے بعد اس نے اپنا رخ سپاہ مخالف کی طرف کیا اور کہا: ’’جو مجھے نہیں پہچانتا ہے پہچان لے کہ میں ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، عمر سعد کا چچازاد بھائی ہوں۔‘‘

پھر اس نے اپنا رُخ امام حسینؑ کی طرف کیا اور کہا: "**السلام علیک یااباعبداللہ** " اگر میرا چچازاد بھائی عمر سعد آپؑ سے جنگ کے لئے آیا ہے تو میں آپؑ پر اپنی جان نثار کرنے کیلئے آیا ہوں۔‘‘

۱۰۔ص ۲۷۴ پر برغانی اور قزوینی کی تالیفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو جھوٹ پر مشتمل ہیں۔

۱۱۔ص ۲۷۵ پر کہتے ہیں: ’’مجھے یاد ہے کہ جب میں کربلائے معلی میں تھا اور اپنے عصر کے علامہ شیخ عبدالحسین تہرانی طاب ثراہ‘ سے استفادہ کر رہا تھا‘ تو حلہ سے ایک سید عرب ذاکر آیا۔اس کا باپ مشہور و معروف ذاکروں میں سے تھا۔اس ذاکر کے پاس اپنے باپ کی میراث سے ایک کتاب کے کچھ کہنہ اجزاء تھے۔اس کتاب کا نہ اول تھا اور نہ آخر۔اس کے حاشیہ پر لکھا تھا کہ یہ کتاب جبل عامل کے فلاں عالم کی تالیفات میں سے ہے جو صاحبِ ’’معالم‘‘ کے شاگردوں میں سے تھے۔

غرض اس سید نے اس کتاب کو استاد کی خدمت میں پیش کیا۔مرحوم شیخ عبدالحسین نے اول تو اس عالم کے احوال زندگی میں ’’مقتل‘‘ پر کوئی کتاب نہ پائی اور جب خود اجزائے کتاب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں اس قدر جھوٹی روایات تھیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی کتاب کسی عالم دین کی تالیفات میں سے ہو۔

پس علامہ نے اس سید کو اس کتاب کو نشر کرنے اور نقل کرنے سے منع فرمایا۔لیکن بعد میں یہی کتاب مرحوم دربندی کے ہاتھ لگ گئی اور انہوں نے اس کے مطالب کو اپنی کتاب ’’اسرار الشہادۃ‘‘ میں نقل کیا اور یوں اس کی جعلی اور واہیات روایات کی تعداد میں مزید اضافہ کر دیا۔‘‘

دربندی ’’اسرار الشہادۃ‘‘ [1] میں عمر سعد کی فوج کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں: ’’کوفہ کی فوج میں چھ لاکھ سوار اور سولہ لاکھ پیدل تھے۔‘‘

۱۲۔ص ۲۷۷ پر لکھتے ہیں: ’’مرحوم دربندی نے مجھ سے بالمشافہ یہ روایت نقل کی ہے۔فرمانے لگے: میں نے گزشتہ دنوں یہ بات سنی تھی کہ فلاں عالم نے کہا یا یہ روایت نقل کی کہ عاشورا کا دن ستّر (۷۰) گھنٹے کا تھا۔مجھے اس وقت تو ان کی یہ بات عجیب محسوس ہوئی اور اس نقل پر میں بڑا متعجب ہوا۔لیکن اب جب کہ میں نے روز عاشورا کے واقعات میں تامل کیا ہے تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس عالم کی بات درست تھی کیونکہ وہ تمام واقعات اتنے ہی عرصہ میں رونما ہو سکتے ہیں۔

۱۳۔ص ۲۷۹ پر ہے کہ شہر کرمانشاہ میں ایک شخص عالم کامل‘ جامع فرید‘ آقائے محمد علیؒ صاحبِ ’’مقامع‘‘ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی: ’میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے دانتوں سے حضرت سید الشہداء کے بدن مبارک کا گوشت کاٹ رہا ہوں۔‘‘ آقائے محمد علیؒ اس شخص سے واقف نہ تھے سر جھکا کر کچھ دیر سوچتے رہے پھر اس سے فرمایا: ’’شاید تو ذاکری کرتا ہے؟‘‘ اس نے عرض کی: ’’جی ہاں‘‘ آقا نے فرمایا: ’’یا تو ذاکری ترک کر دے یا روایات کو معتبر کتب سے نقل کیا کر‘‘۔

۱۴۔ص ۲۸۲ پر ذاکروں کی اکاذیب کے نمونے بیان کرنے کیلئے مقدمتاً بنو اسرائیل کے مسنا اور تلمود کا جو سینہ بہ سینہ یہودیوں تک پہنچے اور اس کی جمع آوری ہوئی ،اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی صدور الواعظین ولسان الذاکرین سے تمثیل کرتے ہیں۔

---

[1] [اس سال (سنہ ۱۳۸۹ ھ ق) محرم سے دو تین دن پہلے چونکہ میں کربلا کے تاریخی واقعہ میں تحریفات سے متعلق بحث و گفتگو کرنا چاہتا تھا‘ ٹیلیفون کر کے مؤسسہ کتاب فروشی صدوق کے مدیر علی اکبر غفاری سے جھوٹی ترین کتاب کی فرمائش کی تو اُن کی نظر اسرار الشہادۃ کی طرف گئی۔آقا غفاری کے پاس یہ کتاب نہیں تھی لیکن وعدہ کیا کہ مہیا کر دیں گے۔تاہم دو تین دن بعد فون کر کے بتایا کہ جس کتاب فروش سے پتہ کیا وہ خود بھی اس کے پیچھے تھا۔کہنے لگے کہ اس کے بہت زیادہ خریدار ہیں اور سب اہل منبر ہیں،فرق صرف یہ ہے کہ آپ انتقادی غرض سے اور وہ لوگ نقل کے لئے استفادہ کرتے ہیں]

۱۵۔ص ۲۸۶ پر گزشتہ مطالب کے ساتھ ایک عبارت اور بیان کی ہے کہتے ہیں: ''البتہ یہود کی ''مسنا'' ایک مشہور ومعروف کتاب ہے جوان دو تفسیروں (شرح مسنا) کی موجودگی کی وجہ سے زیادتی اور کمی سے محفوظ رہی لیکن امت محمدیہ کی ''مسنا'' کی روایت بیل بوٹوں کی سی ہے کہ جب ذاکر یا خطیب اس روایت کو ایک مجموعہ سے دوسرے مجموعہ میں نقل کرتے ہیں تو وہ روایت فوراً نمو کرتی ہے، بابرکت ہوجاتی ہے اور اس میں تازہ شاخ اور پتے، طراوت اور تازگی کے ساتھ پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور جب وہ روایت منزل ومنابر تک پہنچتی ہے اور اس کے نقل کرنے کا موسم آ پہنچتا ہے تو اس میں حیوانی تاثیر ظاہر ہوجاتی ہے اور وہ اپنے پروبال پیدا کرلیتی ہے اور خیال کا طائر ہرلحہ مختلف جہات میں پرواز کرتا ہے۔ ہم بطورِ مثال ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں'' ہم ان میں سے تین کی مثالیں چونکہ پہلے نقل کرچکے ہیں لہٰذا یہاں چوتھی مثال سے شروع کریں گے:

۱۶۔(د) ص ۲۸۹ پر محدث نوری نے حضرت امیرؑ کے ضربت لگنے کے بعد کا ایک افسانہ بیان کرنے کے بعد کوفہ کے اس قاصد کا افسانہ بیان کیا ہے کہ جو امام حسینؑ کی خدمت میں ایک خط لے کر آیا اور آپؑ سے اس خط کا جواب چاہا۔ ''حضرتؑ نے تین روز کی مہلت مانگی اور تیسرے دن عازم سفر ہوئے۔ اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ جا کر بادشاہ حجاز کی جلالتِ شان تو دیکھوں کہ وہ کس طرح سوار ہوتے ہیں، جب وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضرتؑ کرسی پر تشریف فرما ہیں، بنوہاشم آپؑ کے گرد گھیرا ڈالے ہیں اور لوگ بھی کھڑے ہیں گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہیں اور چالیس محملیں ہیں جو سب کی سب حریر و دیباج سے ڈھکی ہوئی ہیں.....اور یہ قاصد عصر عاشورا تک اہل بیتؑ کے ہمراہ تھا۔ جب ابن سعد کے حکم پر اشقیاء نے اسیروں کے سوار ہونے کے لئے بے کجاوہ اونٹوں کو حاضر کیا.....''

(ہ) ص ۲۹۱: ''شبِ عاشورا جناب زینب = اعداء کے خوف سے اقرباء اور انصار کی خبر رکھنے کے لیئے خیام کے درمیان پھر رہی تھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ حبیب ابن مظاہر نے اصحاب کو اپنے خیمہ میں جمع کیا ہوا ہے اور ان سے عہد لے رہے ہیں کہ کل ایسا نہ ہو کہ بنوہاشم میں سے کوئی ایک بھی ہم سے قبل

میدان میں جائے.....پس وہ مخدرہ خوش ہوکر خیمۂ ابی الفضل - کے پشت پر آئیں۔ کیا دیکھتی ہے کہ ابی الفضل بھی بنوہاشم کو جمع کئے ہوئے ان سے اسی قسم کا عہد لے رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ پہلے انصار میں سے کوئی میدان میں جائے پس جناب زینبؑ مسرور ہوکر حضرت سید الشہداءؑ کی خدمت میں پہنچیں اور تبسم فرمایا۔ حضرتؑ نے ان کے اس تبسم پر تعجب کیا اور سبب پوچھا، مخدرہ نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا.....''

(و) ص ۲۹۱: ''روز عاشورا اہل بیتؑ اور اصحاب کی شہادت کے بعد حضرت سید الشہداءؑ امام زین العابدینؑ کے سرہانے تشریف لائے۔ امام زین العابدینؑ نے پدر بزرگوار سے جناب کے اعداء کے ساتھ معاملہ کا حال پوچھا تو حضرتؑ نے انہیں خبر دی کہ نوبت جنگ تک جا پہنچی ہے۔ امام سجادؑ نے بعض اصحاب کے نام لیے اور ان کا حال پوچھا، حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: ''قُتِل، قُتِل''۔ یہاں تک کہ امام سجادؑ نے بنوہاشم کا حال دریافت کیا اور جناب علی اکبرؑ اور ابی الفضلؑ کا حال پوچھا سید الشہداءؑ نے وہی جواب دیا اور فرمایا: ''جان لو کہ ان خیام میں میرے اور تمہارے سوا کوئی مرد باقی نہیں رہا۔''

یہ قصہ کا خلاصہ ہے اور اس کے بہت سے حواشی ہیں۔ یہ واقعہ صریحتاً دلالت کرتا ہے کہ جناب امام زین العابدینؑ کو جنگ کی ابتداء سے لے کر اپنے پدر بزرگوار کے مبارزہ کے وقت تک اقرباء وانصار اور میدان جنگ کے حالات کی بالکل کوئی خبر نہ تھی۔

(ز) ص ۲۹۲: ''ایک عجیب وغریب داستان حضرت سید الشہداء- کے میدان میں جانے کے وقت سواری کا گھوڑا طلب کرنے سے مربوط ہے۔ اس وقت کوئی آدمی نہ تھا جو گھوڑے کو حاضر کرتا۔ پس جناب زینب = گئیں، گھوڑا لے کر آئیں اور حضرت سید الشہداء- کو سوار کیا.....اور جتنے منبر اتنی باتیں' اس موقعہ پر بھائی اور بہن کے درمیان بہت سے مکالمات ذکر کئے جاتے ہیں اور ان روایتوں کے مضامین، عربی اور فارسی کے اشعار کے ضمن میں بھی آئے ہیں۔ ذاکرین اور خطیب حضرات اپنی

مجالس کو ان روایات کے ذریعے بارونق بناتے اور حاضرین سے آہ وفغان بلند کراتے ہیں۔
ظاہراً اسی وقت کا قصہ ہے کہ حضرت زینبؑ نے وداع کے وقت بھائی کو روکا اور فرمایا: مجھے ماں کی ایک وصیت یاد آئی ہے۔ ماں نے فرمایا تھا کہ ایسے وقت میں میرے حسینؑ کے گلے کا بوسہ لینا۔
ایک داستان یہ بھی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے دیکھا کہ گھوڑا حرکت نہیں کر رہا ہے۔ جب تازیانہ مارنے پر بھی وہ نہ ہلا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ گھوڑے کے سم سے لپٹا ہوا ہے۔
صفی علی شاہ کے معروف اشعار جو عشق وعقل کے دو جاذبہ کے بیان میں ہیں، وہ حضرت زینبؑ سے مربوط اسی وقت کے بارے میں ہیں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت زہراؑ کی وفات کے وقت جناب زینبؑ کی عمر فقط پانچ سال تھی۔''

(ح) ص۲۹۴: ''جناب زینب = قتل گاہ میں حضرت سیدالشہداءؑ کے سرہانے آئیں:

[ورأته یجود بنفسه ورَمَت بنفسها علیه وهی تقول : انت اخی انت رجاؤنا، انت کهفنا، انت حمانا] ''بی بی نے دیکھا کہ ان کا آخری وقت ہے تو اپنے آپ کو بھائی پر گرا دیا اور اسی حال میں کہتی تھیں ہائے میرے بھائی، ہائے میری امید کے سہارے، ہائے میرے ملجا، ہائے میری پناہ گاہ۔''

(ط) ص۲۹۵: ''ابوحمزہ ثمالی سے منسوب افسانہ کہ وہ ایک دن امام زین العابدینؑ کے گھر آئے اور دروازے پر دستک دی۔ ایک کنیز باہر آئی۔ جب اسے پتہ چلا کہ ابوحمزہ ہیں تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کو بھیجا تاکہ وہ حضرتؑ کو تسلی دیں کیونکہ آپؑ دو مرتبہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ پس ابوحمزہ ثمالی داخل ہوئے اور انہوں نے حضرتؑ کو ان الفاظ میں تسلی دی ''شہادت تو آپ کے گھرانے کی میراث ہے، آپؑ کے جدّ، پدر اور عم......''
آپؑ نے جواب میں ان کی تصدیق فرمائی اور فرمایا لیکن اسیری تو اس گھرانے کی وراثت نہ تھی۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کی اسیری کے کچھ حالات بیان فرمائے۔''

(ی) ایک حکایت وہ ہے کہ جسے ہشام بن الحکم سے نسبت دے کر نقل کیا جاتا ہے۔ ہشام نے کہا کہ جس زمانے میں حضرت صادقؑ بغداد میں تھے میں حسب الحکم ہر روز آپؑ کی خدمت عالیہ میں حاضر رہتا تھا، ایک روز حضورؑ کے کسی شیعہ نے مجھے مجلس عزا میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے عذر پیش کیا کہ چونکہ مجھے حضورؑ کی خدمت اقدس میں حاضر رہنا ہے، اسلئے مجلس میں شرکت نہ کرسکوں گا۔ اس نے کہا امامؑ سے اجازت طلب کرلو۔ میں نے کہا میں آپؑ کے حضور میں ایسی بات نہیں کرسکتا کیونکہ حضور ضبط نہ کرسکیں گے۔ اس نے کہا بغیر اجازت کے آجائیں۔ میں نے کہا دوسرے دن جب میں آپؑ کی زیارت سے مشرف ہوں گا، تو آپؑ مجھ سے پوچھیں گے (کل کہاں گئے تھے) تو میں کیا جواب دوں گا؟ ہشام کہتے ہیں کہ آخر کار وہ مجھے لے گیا۔ دوسرے دن حضرتؑ نے مجھ سے غیر حاضر ہونے کی وجہ دریافت کی۔ حضرتؑ کے تقاضے کے بعد میں نے عرض کر دیا تو آپؑ نے فرمایا: کیا تیرا گمان ہے کہ میں وہاں نہیں تھا یا میں ایسی مجالس میں حاضر نہیں ہوتا ہوں؟ میں نے عرض کی کہ میں نے تو آپؑ کو وہاں نہیں دیکھا۔ فرمایا: جس وقت تو حجرہ سے باہر آیا تو تو نے جوتے اتارنے کی جگہ پر کیا کوئی چیز نہیں دیکھی تھی؟ ہشام نے عرض کی وہاں ایک جامہ پڑا تھا، فرمایا: وہ میں تھا، میں نے عبا کو اپنے سر پر ڈالا ہوا تھا اور اپنا منہ زمین کی طرف جھکایا ہوا تھا۔''
اسی افسانہ کی طرح امام سجادؑ کے بارے میں ایک افسانہ ہے کہ آپؑ نے کسی مجلس عزاداری میں شرکت کی تھی کہ جہاں پر چراغوں کو بجھا دیا گیا تھا۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو چراغ دوبارہ روشن کئے گئے کیا دیکھا کہ امامؑ عزاداروں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں۔

۱۷۔ ص۳۰۱ پر لکھتے ہیں: دو چیزیں سبب ہوئیں ہیں کہ جن سے اس جماعت (ذاکرین، خطباء اور بعض مؤلفین) کو جرأت ہوئی کہ وہ بے بنیاد اخبار و حکایات اور ایسے مآخذ نقل کرتے ہیں جن کے صدق کا امکان بھی نہیں ہوتا، بلکہ بعض تو جھوٹے مصائب جعل کرتے ہیں اور اخبار و حکایات کے نقل کے سلسلے میں دروغ بافی سے کام لیتے ہیں۔

اول: جواخبار واحادیث رلانے کی مدح اور ترغیب میں وارد ہوئی ہیں، ان میں یہ بات ذکر نہیں کی گئی ہے کہ ذاکر کس قسم کی حکایات وروایات سے مؤمنین کو رلائے اور کیا کچھ بیان کرے اور کیا پڑھے۔

ان باتوں کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جو چیز بھی رلانے کا سبب اور دلوں کو تڑپانے کا موجب ہو اور آنکھوں سے اشک لانے کا وسیلہ بنے، وہ قابل تعریف اور مستحسن ہے۔ بنابراین یہ کہنا چاہئے کہ وہ بہت سی احادیث جو جھوٹ بولنے کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، وہ عزاداری کے علاوہ دوسری جگہوں کے لئے ہے۔

اس بیان کے ذریعے تو بہت سے گناہان کبیرہ کو مباح بلکہ مستحب کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً جو بہت سی احادیث قلب مؤمن کو خوش کرنے کے بارے میں ہیں، اس لحاظ سے اگر کوئی غیبت کرے یا کسی عورت کے رخسار کا بوسہ لے یا کسی بیگانہ سے زنا یا لواط کرے اور اگر یہ سرور دینے اور دل خوش ہونے کا سبب ہو تو جائز ہے''۔

۱۸۔ص ۳۰۵: یزد سے تعلق رکھنے والے ایک موثق اہل علم نے مجھ سے بیان کیا کہ: ''جب میں اس کٹھن راستے سے یزد سے پاپیادہ مشہد گیا تو راستے میں خراسان کے ایک دیہات میں پہنچا جو نیشابور سے قریب تھا۔ چونکہ میں وہاں اجنبی تھا، اس لئے وہاں کی مسجد میں چلا گیا۔ مغرب کے وقت دیہات کے رہنے والے جمع ہو گئے تو خادم نے ایک چراغ روشن کر دیا، اسی اثناء میں ایک پیش نماز آیا اور مغرب وعشاء کی نمازیں باجماعت پڑھی گئیں، پھر پیش نماز بالائے منبر کا کر بیٹھ گیا، خادم مسجد نے اپنا دامن پتھروں سے بھرا اور انہیں بلائے منبر مولوی صاحب کے پاس رکھ دیا، میں حیران تھا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ مولانا صاحب نے تقریر کا آغاز کیا، ابھی چند کلمات ہی پڑھے ہوں گے کہ خادم نے اٹھ کر چراغ گل کر دیا، میری حیرت اور بڑھ گئی۔ اسی حال میں، میں نے دیکھا کہ منبر پر سے سامعین پر پتھروں کی بارش شروع ہو گئی اور لوگوں کی چیخ وپکار کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ایک کہتا تھا اے وائے میرا سر، دوسرا اپنے بازو کو پکارتا، تیسرا اپنے سینے کو اور اسی طرح گریہ وشیون بلند ہوا۔ کچھ

دیر بعد پتھر ختم ہو گئے، مولانا نے دعا کی، چراغ روشن کرا دیا گیا اور لوگ خون بہتے سر اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ چلے گئے۔ آخر کار میں اس پیش نماز کے پاس گیا اور ان کے اس قبیح عمل کی حقیقت دریافت کی۔ وہ بولے: میں مجلس پڑھتا ہوں مگر لوگ اس عمل کے بغیر گریہ نہیں کرتے، لہٰذا لامحالہ میں اس عمل کے ذریعہ ان کو رلاتا ہوں'' (تاکہ امام حسینؑ پر رونے کا ثواب مل جائے)۔

۱۹۔ص ۳۰۶: دوئم: ''اپنی تالیفات میں ضعیف روایات کو نقل کرنا، فضائل، قصص اور مصائب کے ابواب میں غیر صحیح روایات کو ضبط تحریر میں لانا اور ان مقامات، خصوصاً آخر الذکر مقام میں کاہلی اور سستی سے کام لینا علماء میں جاری سیرت ہے، جسے دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے''۔

مرحوم حاجی نوری اس کے بعد ادلۂ سنن میں تسامح (تساہلی) کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور ضعیف حدیث اور موہون حدیث (یعنی بے وزن اور بے بنیاد خبر) کے درمیان فرق بتاتے ہیں اور کہتے ہیں: وہ احادیث جو قابل تسامح ہیں وہ ضعیف احادیث ہیں، نہ کہ احادیث موہونہ۔

۲۰۔ص ۳۱۵ پر کہتے ہیں: زعفر جنّی کا قصہ اور حضرت قاسمؑ کی شادی کی داستان علماء کی نظر سے مخفی نہیں ہے یہ دونوں قصے روضہ کاشفی (روضۃ الشہداء ص ۳۲۲) میں ہیں اور موخر الذکر قصہ شیخ طریحی کی کتاب ''منتخب'' میں بھی ہے۔ یہ کتاب بے بنیاد اور موہون روایات پر مشتمل ہے مثلاً اس میں دشمنوں کا جناب ''عبد العظیم حسنی'' کو ملک رے میں زندہ دفن کرنا بیان ہوا ہے (المنتخب ص ۱۰)

۲۱۔ص ۳۱۶: ''شادی کا قصہ'' ''روضہ کاشفی'' سے پہلے کسی بھی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ البتہ زبیدہ، شہر بانو اور قاسم ثانی کے قصے، رے کی سرزمین اور اس اطراف میں زبان زد عام تھے۔ یہ سب فضول خیالی قصے ہیں...... تمام علماء انساب اس بات پر متفق ہیں کہ قاسم ابن الحسنؑ کے کوئی اولاد نہ تھی (بلکہ آپؑ کمسن تھے)''۔

۲۲۔ص ۳۱۷ پر کہتے ہیں: ''مسعودی کہ جو شیعہ ہیں اور مرحوم کلینیؒ کے ہم عصر ہیں، انہوں نے ''اثبات الوصیۃ'' میں حضرت سید الشہداءؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد ایک ہزار آٹھ سو لکھی ہے

اور وہ بھی اس عبارت کے ساتھ **و روی انہ قتل بیدہ ذلک الیوم الفاً و ثمان مائۃ** ''روایات میں آیا ہے کہ اس دن آپکے ہاتھ سے ایک ہزار آٹھ سو افراد مارے گئے'' محمد بن ابی طالب نے اس تعداد کو ایک ہزار نو سو پچاس تک پہنچایا ہے جبکہ وہ کتاب جو ہزار سال بعد تالیف ہوئی ہے (در بندی اسرار الشہادۃ) اس میں حضرت سید الشہداءؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد تین لاکھ، حضرت ابی الفضل العباسؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد پچیس ہزار اور باقی تمام اقرباء انصار کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد پچیس ہزار لکھی ہے۔

اگر ہم فرض کریں کہ امامؑ نے ہر سیکنڈ میں ایک آدمی کو قتل کیا ہے، تو تین لاکھ آدمی کے قتل کے لئے ۸۳ گھنٹے اور ۲۰ منٹ چاہئیں اور یہ مشکل تو روز عاشورا کو ۷۲ گھنٹے کا دن بتانے سے بھی حل نہیں ہوسکتی اسی طرح پچیس ہزار آدمیوں کو قتل کرنے کیلئے، اگر ایک سیکنڈ میں ایک نفر قتل ہو تو چھ گھنٹے اور ۵۶ منٹ اور ۴۰ سیکنڈ کا وقت درکار ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مشکل یہ ہے کہ سولہ لاکھ نفر کے لئے کربلا میں جگہ کہاں تھی؟ ان کے وسائل اسباب کہاں سے فراہم ہوسکتے ہیں؟ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ سارے لوگ کوفہ سے تھے، حجاز اور شام سے کوئی نہیں تھا! خداوند عالم ان کو کچھ عقل عنایت فرمائے'

۲۳۔ ص ۳۲۷ پر محدثِ نوری ایک اور افسانہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہم پہلے کچھ افسانے ذکر کر چکے ہیں' اسلئے اس کو بارہواں افسانہ قرار دیتے ہیں:

یب۔ ''ایک روز امیر المومنینؑ بالائے منبر خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت سید الشہداءؑ کو پیاس لگی۔ آپؑ نے پانی مانگا۔ حضرت نے قنبر کو پانی لانے کا حکم دیا۔ حضرت عباسؑ اس وقت بچے تھے، جب انہوں نے بھائی کی پیاس کو سنا تو دوڑ کر اپنی مادر گرامی کے پاس آئے، ایک کوزے میں بھائی کے

ا [یہاں پر انسان کو وہ افسانہ یاد آتا ہے کہ جو ایک مبالغہ گو شخص نے شہر ہرات کی بڑائی بیان کرتے ہوئے تاریخ کے حوالہ کر دیا کہ اس زمانے میں ہرات میں اکیس ہزار احمد نام کے یک چشم کلہ پائے والے انسان رہتے تھے ایسی ہی مثل سرو کا شمر اور لشکر فرعون کے مقابل بنی اسرائیل کی تعداد کے بارے میں کہی ہے۔]

لئے پانی لیا اور اسے اپنے سر پر رکھ کر چلے، کوزے سے پانی چھلک رہا تھا اور اسی حال میں مسجد میں داخل ہوئے۔ جب پدر بزرگوار جناب امیر المومنینؑ کی نظر ان پر پڑی تو رو پڑے اور فرمایا: ''آج اس طرح سے ہے اور روز عاشورا ایسا ہوگا......''

یہ قصہ کوفہ ہی کا ہونا چاہئے کیونکہ اس میں خطبہ اور منبر کی بات کی گئی ہے۔ اس زمانہ میں حضرت ابی عبداللہؑ کی عمر مبارک تیس سال سے زیادہ تھی۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اس عمر کا شخص لوگوں کی موجودگی میں باپ سے اور وہ بھی خطبہ کے دوران پانی کی درخواست کرے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ قصہ کسی بھی مصادر صحیح میں نہیں آیا ہے۔

یج۔ ''حضرت ابوالفضلؑ نے جنگ صفین میں اسّی آدمیوں کو یکے بعد دیگر ہوا میں پھینکا اس تیزی کے ساتھ کہ ابھی ان میں پہلا واپس نہیں آیا تھا اور ان میں سے جو بھی گرتا اسے شمشیر سے دو ٹکڑے کر دیتے......''

ید۔ ص ۳۲۳: ''ان لوگوں نے (جھوٹے قصے بیان کرنے والوں نے) اس ذرّیتِ طاہرہ، خاص کر حضرت ابی عبداللہ الحسینؑ کے ساتھ ایسی بیٹیوں کو شریک سفر کر دیا جن میں سے کچھ کو آپؑ مدینہ ہی میں چھوڑ جاتے ہیں بعض کی کربلا میں شادی کر دیتے ہیں اور بعض کو جبرئیلؑ کے قول [**صَغیرُ هم یمیتهم العطش**] ''تمہارے بچوں کو تشنگی مار دے گی'' کی صداقت کے لئے کربلا میں پیاس سے مرنے دیتے ہیں اور بعض کو قتل گاہ میں عبداللہ بن الحسنؑ کی مانند شہید کرتے ہیں......''

۲۴۔ ص ۳۳۵: کتاب کے خاتمہ پر میرزا نوری اخبار کاذبہ اور جھوٹی حکایات وقصص سننے کی مذمت میں اور بے پرواہ ذاکرین کی طرف سے کہی گئی اس قسم کی باتوں کے حوالہ سے سامعین کی ذمہ داری کے بارے میں فرماتے ہیں:

خداوند عالم یہود بلکہ منافقین کی مذمت اور ان کی صفات خبیثہ اور افعال قبیحہ کے بیان میں فرماتا ہے:

﴿سمّاعون للكذب اكّالون للسُّحت﴾" یہ جھوٹ کے سننے والے اور حرام کے کھانے والے ہیں" (مائدہ/۴۲) اہل جنّت کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿لایسمعون فیھا لغوا و لا کذّاباً﴾ "وہاں نہ کوئی لغویات سنیں گے نہ جھوٹ" (نساء/۳۵)۔

اہل دوزخ کہ جو دنیا میں دروغ گوئی کے عادی تھے، وہ آخرت اور مقام قیامت میں بھی اس دروغ کو ترک نہیں کریں گے

﴿ویوم تقوم الساعة یقسم المحرمون مالبثوغیرساعة کذالک کانویوفکون﴾ "جس دن قیامت برپا ہوگی تو مجرمین قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے، درحقیقت یہ اسی طرح دنیا میں بھی افتراپردازیاں کرتے تھے" (روم/۵۵)

اور یہ بھی فرماتا ہے:

﴿ویوم یبعثھم اللہ جمیعاًفیحلفون لہ کمایحلفون لکم ویحسبون انھم علی شی ألاانھم ھم الکاذبون﴾ "اس دن خدا ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا تو یہ لوگ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اسی طرح اس (خدا) کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور خیال کرینگے کہ وہ حق پر ہیں آگاہ ہو یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں" (مجادلہ/۱۸)

اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے:

﴿ثم لم تکن فتنتھم الاان قالوا واللہ ربنّا ماکنّامشرکین، انظر کیف کذبوا علی انفسھم وضلّ عنھم ما کانو ایفترون﴾ "اس کے بعد ان کا کوئی فتنہ نہ ہوگا سوائے اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے، دیکھئے انہوں نے کس طرح اپنے آپ کو جھٹلایا اور کس طرح ان کا افتراء حقیقت سے دور نکلا" (انعام/۲۳،۲۴)

اور فرمایا:

﴿واجتنبوا قول الزور﴾ "لغو اور مہمل باتوں سے اجتناب کرتے رہو" (حج/۳۰)۔

اور یہ بھی فرمایا:

﴿والذین لایشھدون الزور﴾ "اور وہ لوگ جھوٹ اور فریب کے کاموں کے پاس حاضر بھی نہیں ہوتے" (فرقان/۷۲)۔

۲۵۔ص۳۴۳: نیز اس کی مذمت اور قبح پر زبان کے اکثر گناہوں جیسے غیبت، غنا، سبّ، بہتان، استہزاء اور اس قسم کے دیگر گناہوں کا استقراء دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ جیسے شرع میں غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے اور جیسے گانا گانا حرام ہے اسی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے جس طرح خداوند عالم کے اولیاء یا کسی مومن کو سبّ وشتم کرنا کفر یا معصیت ہے، اسی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وقدنزّل علیکم فی الکتاب ان اذاسمعتم آیات اللہ یکفربھاویستھزء بُھا فلاتقعدوا معھم حتی یخوضوافی حدیث غیرہ انکم اذاًمثلھم......﴾ "اور اس نے کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب آیات الٰہی کے بارے میں یہ سنو کہ ان کا انکار اور استہزاء ہورہا ہے تو خبردار ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا، جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں مصروف نہ ہوجائیں، ورنہ تم ان ہی کی طرح ہوجاؤ گے......" (نساء/۱۴۰)

جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوا، ایسا ہے گویا اس نے آیات الٰہیہ میں سے کسی آیت کے ساتھ استہزاء کیا۔

۲۶۔ص۳۴۹: پس اب ضروری ہے کہ اربابِ دانش وبینش حضرت اباعبداللہ -کی مجالس عزا میں مصائب کو نئے سرے سے ترتیب دیں اور آپؑ کے وجودِ مبارک پر اسوقت زائرین، مجاورین اور خدّام کی طرف سے اور آپؑ کے علوم کے حاملین، متعبدین، ناسکین، مامومین اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی جانب سے جو انواع واقسام کے صدمات شب وروز پہنچ رہے ہیں، انہیں جمع کرکے کسی دیندار دلسوز کے ہاتھ میں دیں تاکہ وہ اہل تقویٰ ودیانت اور صاحبانِ غیرت وعصبیت کی مجالس میں انہیں پڑھے، انہیں رُلائے، تڑپائے اور خداوند عالم سے سلطانِ ناشرعدل وامان،

باسطِ فضل واحسان اور قامع کفرونفاق وعدوان کے ظہور میں تعجیل کی دعا کرے۔

۲۷۔ یہ بحث چار ابواب میں بیان ہوگی:

الف: تحریف کے معنی، اس کی اقسام اور خاص طور پر حادثۂ عاشورا میں ہونے والی تحریفوں کی اقسام۔

ب۔ تحریف کے عمومی عوامل واسباب اور حادثہ عاشورا میں تحریف کے خصوصی عوامل۔ بالفاظ دیگر حوادث میں تحریف کے اسباب بطور عمومی اور اس حادثہ میں بطور خصوصی۔

ج۔ ان تحریفوں کی تشریح جنہوں نے لفظاً یا معناً، شکلاً یا روحاً، حادثہ عاشورائے حسینؑ میں کردار ادا کیا۔

د۔ بطور عموم علمائے امت کا وظیفہ اور بالخصوص حادثہ کربلا میں تحریف کے مقابل بطور خاص علمائے دین کی ذمہ داریاں:

[**اذاظهرت البدع فعلى العالم ان يظهرعلمه والافعليه لعنة الله**] ''جب بھی بدعتیں رونما ہوں عالم پر ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کو آشکار کرے، وگرنہ اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔'' [1]

اور یہ بھی:

[**وانّ لنافى كل خلف عدولاً ينفون عنّاتحريف الغالين وانتحال المبطلين**] ''ہمارے لئے ہر نسل میں کچھ ایسے عادل لوگ ہیں کہ جو غلو کرنے والوں کی تحریف اور بطلان کرنے والوں کی جھوٹی باتوں کو ہم سے (دین سے) دور کرتے ہیں۔'' [2]

مسئلہ تحریف میں عام طور پر اور اس تاریخی حادثہ کی تحریف میں خاص طور پر ایسی مجالس سننے اور ان میں شرکت کرنے کی حرمت، نیز عملی طور پر مبارزہ اور نہی از منکر کو لازم جاننے کے لحاظ سے اس مسئلہ میں ملت مسلمان کی ذمہ داری کیا ہے؟

۲۸۔ تحریف کے معنی: راغبِ اصفہانی ''مفردات'' میں لکھتے ہیں:

۱ [اصول کافی ج ۱ ص ۵۴] ۲ [اصول کافی ج ۱ ص ۳۲]

[**حرف الشَّیءِ طَرَفُهُ...... وتحريفُ الشئ امالته كتحريف القلم وتحريف الكلام ان تجعله على حرف من الاحتمال يمكن على الوجهين .قال عزوجل :يحرّفون الكلم عن مواضعه ......ومن بعدمواضعه......** ''کسی چیز میں تحریف اس میں کجی پیدا کر دینا ہے، جیسے قلم کو ٹیڑھا کر کے مائل کرنا۔ تحریف سخن یعنی جس کلام میں دو معنی کا امکان پایا جاتا ہو، انھیں سے ایک احتمال پر حمل کرنا، قرآن میں ہے: یہ لوگ کلمات (کلام قرآن) کو ان کے مقامات سے منحرف کر دیتے ہیں......ان کے محل اور صحیح مقام پر ہونے کے بعد۔''

تفسیر امام فخر رازی جلد ۳ ص ۱۳۴ پر سورۂ بقرہ کی آیت ۷۵ کے ذیل میں ہے:

[**قال القفّال : التحريف: التغييروالتبديل ،واصله من الانحراف عن الشی و التحريف عنه ،قال تعالیٰ :''الامتحرفاًلقتال اومتحيزا:الى فئة ''والتحريف هو امالة الشیٔ عن حقّه ،يقال :قلم محرّف اذاكان رأسه قطّ مائلاًغيرمستقيم .قال القاضی :ان التحريف امّاان يكون فی اللفظ اوفی المعنی .وحمل التحريف علی تغيراللفظ اولی من حمله علی تغييرالمعنی...... ''**۔ ''قفّال کہتا ہے: تحریف تغیر دینے اور تبدیل کرنے کو کہتے ہیں اور اس کا اصل کسی چیز سے منحرف ہونے سے ہے۔

خداند متعال نے فرمایا: جو جنگی حکمت عملی کی بنا پر پیچھے ہٹ جائیں یا کسی دوسرے گروہ کی پناہ لینے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دیں (انفال/۱۶)

تحریف کسی چیز کو اسکی شائستہ جگہ سے اِدھر اُدھر کرنا ہے، کہا جاتا ہے ''قلم محرف'' یعنی وہ قلم کہ جس کی نوک کج ہوگئی ہو، قاضی نے کہا ہے: تحریف کبھی لفظ میں ہوتی ہے اور کبھی معنی میں اور تحریف کا مفہوم لفظ کا تغیر لینا، معنی کا تغیر لینے سے بہتر ہے''، تحریف لفظی یہ ہے کہ کسی کلام میں کوئی لفظ کم کر دیں یا کوئی لفظ اس میں اضافہ کر دیں یا ایک جملہ کو آگے پیچھے کر لیں، اسطرح سے کہ معنی کم یا زیادہ ہو جائیں یا معنی بدل جائیں۔ بزرگ ترین خطرہ اِن تحریفات میں ہے جو معنی کو تبدیل

کر دیں۔

اس طرح کی تحریفات کتابوں اور لکھی گئی چیزوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے، حتیٰ کہ اشعار کے متن میں بھی خصوصاً وہاں پر جس کو مصحح کی اصطلاح میں ''شدرسنا'' کہتے ہیں۔

مولوی نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے:

ازمحبت تلخہا شیریں شود   ازمحبت مسہا زرّیں شود

''یعنی محبت وہ چیز ہے جو کڑوے کو میٹھا بنا دیتی ہے، محبت کیمیاوی اثر رکھتی ہے جو انسانی ہستی کے تانبے کو کندہ میں تبدیل کر دیتی ہے''

بعد میں ان کے نسخوں میں اضافے ہوتے گئے۔ مثلاً کسی نے کہا ''محبت شراب کے میل کو صاف کر دیتی ہے، درد کو شفا میں اور خار کو گل میں اور، سرکہ کو شراب میں تبدیل کر دیتی ہے، دار تخت بن جاتا ہے، بار کو خوش نصیبی، پتھر کو تیل، غم کو خوشی، جن کو سانپ، مردہ کو زندہ اور بادشاہ کو غلام بنا دیتی ہے''۔

اس شعر میں اب یہی باقی رہ گیا ہے۔ بتلائیے کیا یہاں چھت دیوار اور خربوزہ تربوز اور پیالی رکابی نہیں ہوگئی؟

تحریف معنوی کی تین مثالیں

الف۔ یاعمّار! تقتلک الفئة الباغیة (اے عمار! ایک باغی گروہ آپ کو قتل کرے گا)۔

ب۔ لاحُکم الاللہ (خدا کے علاوہ کسی اور کو حکم کرنے کا حق نہیں)۔

ج۔ اذاعرفت فاعمل ماشئت (جب پہچان لیا تو جو چاہو انجام دو)۔

پہلی حدیث سے معاویہ نے سوء استفادہ کیا اور دوسری سے خوارج نے جبکہ تیسری حدیث جو امام جعفر صادق۔ سے مروی ہے کہ اس سے شیعوں نے سوء استفادہ کیا، حالانکہ ان احادیث کی توضیح صحیح طریقہ سے خود امامؑ نے کر دی تھی۔ قرآن کریم میں لفظی تحریف تو واقع نہیں ہوئی ہے لیکن معنوی تحریف اور غلط تفسیر بہت زیادہ واقع ہوئی ہے۔

اہل منطق نے باب صنعت مغالطہ میں کہا ہے۔ مغالطہ یا لفظی ہے یا معنوی اور اس کی بہت سے اقسام ذکر کی ہیں، یہ مقام ہمارے لئے خصوصاً عربی اور فارسی مثالیں دینے کے لئے بہت زیادہ موزوں ہے۔

قرآن کریم کی آیات میں کلمہ کی تحریف کا بہت ذکر آیا ہے اور قرآن اس کی بہت مذمت کرتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں اسکے بہت سے مصادیق بیان ہوئے ہیں مثلاً شخصیت، حادثہ، واقعہ وغیرہ۔ اسی طرح تحریف کی بھی کئی اقسام ہیں مثلاً عبارات کی تحریف، حادثہ یا واقعہ اور تاریخ کی تحریف، شخصیتوں کی تحریف' (تیسری قسم کے لئے سید مرتضیٰ جزائری کی تقریر جو گفتار ماہ میں ہے، کی طرف رجوع کریں)۔

۲۹۔ ہماری بحث دوسری قسم یعنی حادثہ کی تحریف کے بارے میں ہے۔ یہ تحریف ممکن ہے تحریف لفظی ہو یعنی نقل میں کم و بیشی کی گئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تحریف معنوی ہو یعنی جس سے حادثہ کی روح جو عبارت ہے علل و اسباب اور اہداف و مقاصد سے، مسخ ہو جائیں۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحریف کی اہمیت اس کے موضوع کی اہمیت سے وابستہ ہے۔ یعنی یہ کہ آیا محرف فیہ (جسکی تحریف کی جائے) ایک عام عبارت، ایک عام حادثہ یا ایک عام شخصیت ہے، یا پھر وہ ایک ایسی عبارت میں، یا ایسے حادثہ یا شخصیت میں واقع ہوئی ہے جو کسی اجتماع کی تاریخی، اخلاقی، تربیتی اور دینی سند ہے۔ اسی لئے خدا اور رسولؐ پر جھوٹ باندھنا، جھوٹ کی بدترین اقسام میں سے ہے اور روزہ کو باطل کر دیتا ہے۔

قانونی نقطہ نظر سے بھی رسمی اسناد میں جعل اور تحریف کرنا ایک تباہ کار جرم گردانا جاتا ہے، نہ کہ گناہ صغیرہ۔

۳۰۔ واقعاً کتاب مقدس میں اخلاقی حادثے اور عظیم الٰہی نہضتیں خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لوگوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ ان کی حفاظت، انکے لحاظ اور انکی نگہداری کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، وگرنہ ملاک و معیار کے لحاظ سے وہ اس حدیث کے مشمول ہونگے:

من فسّر القرآن برائِہٖ فلیتبوّأمُقعدَہُ من النار ''جو بھی قرآن کی اپنی رائے اور نظر کے مطابق تفسیر کرے، اس کی جگہ جہنم ہوگی'' (تفسیر صافی مقدمہ پنجم)۔

اور اس آیت کے بھی:

﴿فبما نقضهم میثاقهم لعنّاهم وجعلنا قلوبهم قاسية يحرّفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظّاً ممّا ذكروا به﴾ ''پھر ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا، وہ ہمارے کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور انہوں نے ہماری یاددہانی کا اکثر حصہ فراموش کر دیا ہے'' (مائدہ/۱۳)

اور اسی طرح سے اس آیت کے بھی:

﴿فويل للّذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمناً قليلاً فويل لهم ممّا كتبت ايديهم وويل لهم ممّا يكسبون﴾ ''وائے ہو ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اسے تھوڑے دام میں بیچ لیں ان کے لئے اس تحریر پر بھی عذاب ہے اور اس کی کمائی پر بھی'' (بقرہ/۷۹)

۳۱۔ حادثہ عاشورا میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے اور تحریف معنوی بھی، اس میں بہت سے بند و بیل اور کم و زیادہ داخل ہوئے ہیں۔ بہت کم حادثے ایسے ہیں جن میں اس قدر تحریف کا سر و سامان پیدا ہوا ہے بقول شاعر:

بس که ببستند براو برگ وساز   گر توبینی نشناسیش باز

''اس پر اسقدر سر و سامان باندھ دیا کہ اگر دوبارہ دیکھے تو اس کو نہ پہچانے''

ایسے دوستوں، اصحاب، دشمنوں فرزندوں، جملوں، کاموں اور سخن کی نسبت امامؑ سے دی گئی ہیں کہ اگر خود امامؑ سن لیں تو تمیز نہ کر پائیں گے کہ یہ باتیں آپؑ کے بارے میں ہو رہی ہیں۔ پھر بھی بعض افراد کے وہم کے برخلاف حادثہ عاشورا تاریخی نقطہ نظر سے بہت زیادہ روشن اور ابہامات سے خالی ہے۔ بہت کم ہی ایسے تاریخی واقعات ہیں کہ جن کے اسناد اس حادثہ کی طرح صحیح اور درست حالت میں موجود ہوں۔ ایسا اس حادثہ کی اہمیت کی وجہ سے ہے اور خصوصاً اس لئے ہے کہ اہل البیتؑ نے

اس واقعہ کے جزئیات تک کو آشکار کیا ہے۔[1]

۳۲۔ تحریف کے اسباب

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ کلی طور پر تحریف کے دو عامل ہیں: ایک عداوت اور غرض اور دوسرے افسانہ سازی، یہاں پر ہم ایک اور عامل کا اضافہ کرتے ہیں اور وہ ہے دوستی اور اظہار میل و رغبت۔ عامل غرض کی مثال رسول اسلام ﷺ سے متعلق مسیحیوں کی جعلی باتیں اور حضرت امیرالمومنینؑ کے بارے میں بنو امیہ کی جعل اور تحریفات ہیں۔ اور عامل دوستی کی مثال وہ تمام جھوٹی باتیں ہیں جو افراد اور قومیں اپنی نیک ہستیوں کے لئے جعل کرتی ہیں۔ امامؑ کے بارے میں ایسا کرنے والوں کو اخلال گر اور تفرقہ پھیلانے والا کہنا چاہئے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

تاہم بشر میں ''افسانہ سازی'' خود ایک علیحدہ بنیادی حِس ہے جس کے بارے میں ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں جنگ خیبر میں جبرئیلؑ کے پَر زخمی ہونا، اسی طرح مرحب کا دو بالکل برابر ٹکڑوں میں تقسیم ہونا اور خود اس کو بھی کٹنے کا علم نہ ہونے کا افسانہ۔ پھر جنگ صفین میں حضرت ابی الفضلؑ کا اسیّ (۸۰) آدمیوں کو ہوا میں اس طرح سے اچھالنا کہ سارے اسیّ اوپر پھینک چکے تھے لیکن ان میں پہلا ابھی نیچے واپس نہیں پہنچا تھا اور نیچے پہنچتے ہی ان میں سے ہر ایک کے دو ٹکڑے کر ڈالنا۔ اسی طرح میدان کربلا میں چھ لاکھ افراد کا قتل کیا جانا، نیز عاشورا کا دن ۷۲ گھنٹے کا ہونا، یہ سب افسانوی قصے ہیں۔

یہ تینوں عوامل پوری دنیا میں تھے اور ہیں۔

خصوصی عامل: اولیاء دین کی طرف سے حکم ہے کہ عزائے حسینؑ قائم کریں، امامؑ کی قبر مطہر کی

[1] [اہم بات یہ ہے کہ یہ تمام تحریفات امامؑ کی قدر و منزلت کو گرانے کے لئے اور امامؑ کو ایک کم شعور اور پست فکر (العیاذ باللہ) بتانے کیلئے کی گئی ہیں جیسا کہ تیس سے زائد عمر میں آپؑ کا اپنے والد بزرگوار سے، دوران خطبہ پانی طلب کرنے کا قصہ یا حضرت قاسمؑ کی شادی کی مثال ہے]

زیارت کریں اور ایک عظیم فداکار کی حیثیت سے ہمیشہ آپؑ کے نام کو زندہ اور پائندہ رکھیں، یہ موضوع تدریجاً سبب بنا کہ بعض پیشہ ور مرثیہ خوان پیدا ہوگئے اور آہستہ آہستہ ایک طرف ذاکری و مرثیہ خوانی نے ایک فن اور ہنر کی صورت اختیار کرلی اور دوسری طرف یہ ذریعۂ معاش بن گیا۔ ایک طرف یہ فکر پیدا ہوئی کہ اباعبداللہؑ پر رلانا اجر عظیم اور ثواب جزیل رکھتا ہے اور دوسری طرف الغایات تبُرّر المبادی (ہدف وسیلہ کو مباح کرتا ہے) کی بناء پر اس روش نے جنم لیا کہ جو بھی وسیلہ ہو، اس سے استفادہ کرنا چاہئے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں جھوٹ بولنا اور افسانے گھڑنا بعض لوگوں کی نظر میں مطابقِ شرع یعنی جائز ہو جاتا ہے۔ بقول حاجی (نوری) اگر ایسا ہے کہ ایک طرف مؤمن کے دل کو خوش کرنا مستحب ہے اور دوسری طرف ہدف وسیلہ کو مباح کر دیتا ہے تو پھر غیبت بھی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ نامحرم کا بوسہ لینا بھی جائز ہے اور زنا سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں، اس مقام پر ہمیں سامعین کو پتھر مار کر رلانے والا ذاکر یاد آتا ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور یہیں پر ہمیں اس ذاکر کے خواب کو سچ سمجھنا چاہئے کہ جو امامؑ کے بدن کا گوشت اپنے دانتوں سے کاٹتا ہے۔

عجب ہے کہ پانچ سو سال پہلے ایک بوقلمون صفت آدمی جس کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ شیعہ ہے یا سنی (مُلاحسین کاشفی) ''روضۃ الشہداء'' کے نام سے ایک کتاب لکھ دیتا ہے۔ یہ آدمی واعظ ہے۔ سبزوار اور بیہق کا رہنے والا ہے جو اس وقت مرکز تشیع تھا۔ اس شخص نے جہاں تک ہوسکا بڑھا چڑھا کر لکھا، حتی کہ اصحاب اور مخالفین میں سے کچھ ایسے نام بھی اس کتاب میں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گھڑے ہوئے ہیں اور ظاہراً اس کے خودساختہ ہیں۔ یہ کتاب چونکہ فارسی میں تھی بعد میں مرثیہ پڑھنے والوں کے ہاتھ لگ گئی اور ان کے لئے سند اور مدرک بن گئی۔ چونکہ پڑھنے والے اس کتاب سے دیکھ کر پڑھتے تھے، اسی مناسبت سے انہیں روضہ خوان کہا جانے لگا۔ اس کتاب نے رفتہ رفتہ تمام درست کتابوں کی جگہ لے لی اور یوں یہ جھوٹے مصائب کا منبع اور ماخذ ہوگئی۔ یہ

کتاب نویں قرن کے اواخر میں یا دسویں قرن کی ابتداء میں لکھی گئی ہے اسلئے کہ حسین کاشفی نے ۹۱۰ھ ہجری میں وفات پائی ہے، اس کے بعد تیرہویں قرن کے آواخر یا چودھوں قرن کی ابتداء میں ایک اور کتاب لکھی گئی۔ یہ کتاب تو اس کتاب کے لئے بھی چیلنج تھی، یہ ''اسرار الشہادۃ'' کے نام سے چھپی اور اس نے کام وہاں تک پہنچا دیا جہاں تک پہنچانا تھا۔ البتہ بہت سی دوسری کتابیں جیسے ''محرق القلوب'' بھی بے تاثیر نہیں رہی ہیں۔

لفظی تحریفات کی مثالیں:

جنابِ لیلیٰ اور حضرتِ علی اکبرؑ کی داستان، جناب قاسمؑ کی شادی کی داستان حضرت ابوالفضل العباسؑ کا بچپن میں حضرت امام حسینؑ کے لئے پانی لانا، حضرت زینب= کا اباعبداللہؑ کے وقت احتضار ان کے بالین پر آنے کا قصہ، اسیران اہل بیت کا اربعین کے موقعہ پر کربلا سے گزرنا، مقتولین کی تعداد، ہاشم بن عتبہ کا ۱۸ ہاتھ لمبے نیزہ کے ساتھ آنا، عاشورا کا دن بہتر (۷۲) گھنٹے کا ہونا، امام حسین- کا بادشاہوں کی سی شان اور دبدبہ کے ساتھ مکہ سے خروج کرنا، امام سجاد -کا وقایع وحوادث سے بے خبر ہونا، حضرت زینبؑ کا اباعبداللہؑ کے لئے گھوڑا لانے اور آپؑ کے گلوئے پاک کو بوسہ دینے کی داستان، امام سجادؑ اور امام صادقؑ کا بے ہوش ہونا، یہ سب کے سب لفظی تحریفات ہیں۔

ان تحریفوں میں سے کچھ حادثہ کربلا کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے کے زمانے سے مربوط ہیں، جیسے ابوالفضلؑ کا کم سنی میں امامؑ کے لئے پانی لانا، کچھ کا تعلق دوران سفر سے ہے جیسے امامؑ کا مکہ سے شان وشوکت سے خروج کرنا اور کچھ روز عاشورا سے مربوط ہیں جیسے لیلیٰ کی داستان، حضرت قاسمؑ کی شادی کا قصہ، حضرت زینبؑ کا اباعبداللہؑ کے احتضار کے وقت انؑ کے بالین پر آنا، حضرت زینب= کا امام کے لئے گھوڑا حاضر کرنا، حضرت سکینہؑ کا گھوڑے کے سم سے لپٹ جانا، گلے کو بوسہ دینا، ہاشم مرقال کا آنا، زعفر جنی کا آنا، مقتولین کی تعداد، وغیرہ...... جبکہ کچھ کے زمانہ حادثہ کے بعد تحریفیں سے مربوط ہیں مثلاً اربعین کا واقعہ امام سجادؑ کا بے ہوش ہونا اور امام صادق -کا عزاداروں کے جوتے رکھنے کی جگہ پر گر پڑنا وغیرہ.....

۳۳۔تحریف معنوی

تحریف معنوی کسی جملہ یا حادثہ کی روح اور معنی کو منحرف کر کے اسے اس کے اپنے اصلی راستے سے ہٹانے کو کہتے ہیں۔ چونکہ ہماری بحث وگفتگو حادثہ کربلا کے بارے میں ہے اس حادثہ کی معنوی تحریف یہ ہے کہ اس حادثہ اور قیام جو اہداف ومقاصد ہیں اسی طرح اس کے جو علل اور اسباب ہیں ان کو چھوڑ کر کوئی اور بات بتانا۔اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مثلاً آپ کسی سے ملنے کے لئے کہیں جاتے ہیں، یا کسی کو اپنے گھر یا اپنی مجلس میں دعوت دیتے ہیں تو کوئی اور آ کر کہتا ہے: جانتے ہو اس آدمی کا تمہارے گھر آنے کا کیا مقصد ہے (یا اس نے تمہیں کیوں دعوت دی ہے؟) اس لئے کہ وہ چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی تمہارے بیٹے کو دیدے جبکہ درحقیقت آپ دونوں کے مابین کوئی ایسی بات سرے ہی سے نہیں ہے۔

جملوں میں تحریف کی تین مثالوں کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ دنیا کے بہت سے تاریخی حادثات ہیں، تفسیر وتوجیہہ کی غرض سے تحریفیں ہوئی ہیں۔اور وہ تحریفیں یا عمداً ہے یا جہلاً، ہم ابھی اس کے بارے میں بحث نہیں کر رہے ہیں۔

عاشورا کا یہ بزرگ اور باعظمت حادثہ دوسرے جریانات اور حوادث کی طرح جہاں لفظی اور شکلی تحریفوں سے دوچار ہوا ہے وہاں اس کی روح اور معنی اور تفسیر وتوجیہہ میں بھی ایک اہم تر تحریف کا سلسلہ واقع ہوا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ امام حسین - نے ایک ایسا قیام کیا تھا کہ جو عظمت کی تینوں شرائط اپنے اندر لئے ہوئے تھا:

الف: ہدف کا مقدس ہونا اور شخصی نہ ہونا۔ یہ قیام چونکہ انسانیت کے لئے تھا، اس لئے اس کا مرکزی خیال فداکاری تھا اور ذاتی منفعت نہ تھی۔اسی وجہ سے بشریت ایسے افراد کو جنہوں نے اپنے اور دوسروں کے درمیان حدود توڑ ڈالے ہوں جو اپنے آپ کو دوسروں کا جزء جانتے ہوں اور دوسروں کو اپنا جزء سمجھتے ہوں، امت کا فدائی اور مصلح گردانتی ہے۔

ب: آپؑ کا یہ قیام ایک قوی اور نافذ وبصیرت کے ساتھ تھا۔ جو چیزیں دوسروں کو ظاہر بین آنکھوں سے نظر نہیں آتی تھی، آپؑ کو وہ سب پردہ کے پیچھے سے بھی سجائی دے رہی تھیں۔ جو چیز دوسرے آئینہ میں نہیں دیکھ رہے تھے، آپؑ کچی اینٹ میں دیکھ رہے تھے۔ دوسرے الفاظ میں امامؑ اپنے جامعہ سے آگے تھے۔

ج: قیام مقدس امام حسین - ایک ایسا نور ہے جو مکمل تاریکی میں درخشاں ہے، اُسی تابانی شرح کے ساتھ جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

دوسری طرف اولیائے دین نے لوگوں کو اس حادثہ کی آگاہی حاصل کرنے کے لئے عزاداری قائم کرنے اور آپؑ کی تربت کی زیارت کرنے کی پُرزور تاکید کی ہے۔ یہاں پر میرا سوال یہ ہے کہ امامؑ نے کیوں قیام فرمایا اور بعد میں اسلام کے پیشواؤں نے کیوں اس حادثہ کو زندہ رکھنے کی تاکید کی؟ جس تحریف نے اصل حادثہ میں سب سے زیادہ جگہ لی ہے وہ یہ ہے کہ (پہلے بتا چکے ہیں) امام حسین - نے امت کے گناہوں کا کفارہ دے دیا، خود گنہگاروں کی پناہ گاہ بن گئے اور معصیت کرنے والوں کا بیمہ کر دیا۔

دوسری تحریف یہ قول ہے کہ یہ حادثہ ایک خصوصی اور فردی پہلو رکھتا ہے۔یعنی ہم نے اس واقعہ کو آسمان سے مربوط کر کے اسے ناقابل پیروی قرار دے دیا اور اس کے وجود کو مکتب، مدرسہ اور درس گاہ ہونے سے خارج کر دیا۔ہم نے ایک طرف وقت اور زمانے کے حالات اور اوضاع کو اور دوسری طرف اس سطح پر اسلام کے دساتیر کو سامنے نہیں رکھا کہ جس سے یہ حادثہ ہمارے لئے مکتب اور مدرسہ بن سکے اور تلقین بخش ہو سکے۔

پس ہم نے اس حادثہ کے خلاف دو کام کر ڈالے۔اول اس کو مکتب اور درس گاہ ہونے سے (خصوصی حکم بنا کر) خارج کر دیا۔دوم یہ کہ اسے ایک گنہگار بنانے کا مکتب ظاہر کیا اور یہ اعتقاد پیدا کیا کہ جو بھی گناہ کرے جم کر سینہ زنی کرنے سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

ایک اور تحریف فلسفۂ عزاداری سے متعلق ہوئی ہے۔اس سلسلے میں کبھی یہ بتا دیا جاتا ہے کہ حضرت زہراء= ہمیشہ بہشت بریں میں بیتاب رہتی ہیں، چودہ سو سال ہوگئے ہیں مگر انؑ کے لئے قرار وسکون نہیں ہے۔لہٰذا یہ

عزاداری اور ہماری گریہ وزاری ان کے دل کی تسلی خاطر ہے۔ ہمارا یہ رونا آپؑ کے دل میں سکون پیدا کرتا ہے۔ پس لوگ عزاداری کو حضرت زہراء= کی ایک خصوصی خدمت سمجھتے ہیں۔

فلسفۂ عزاداری کے دستور کے طور پر بعض لوگ اس واقعہ کو ایک انسان کے ضائع ہونے کے لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ اس کا حداکثر مقام یہ ہے کہ ایک ظالم کے ہاتھوں ہمارا امامؑ بے جرم وخطا مارا گیا۔ پس ہمیں چاہئے اس سے متأثر ہوکر امامؑ کی طرف نگاہ کریں۔ ہم نے یہ فکر نہ کی کہ وہ شخص فقط یہی نہیں کہ برباد نہیں ہوا ہے بلکہ اس نے اپنے ہر قطرۂ خون کو بے انتہا قدر وقیمت بخشی ہے۔ وہ ایسا شخص تھا کہ جس نے ایک ایسی لہر پیدا کی جو صدیوں تک ستمگروں کے محلوں کو لرزاتی رہی اور اب بھی لرزا رہی ہے۔ وہ ایک ایسا شخص تھا کہ جس کا نام اور آزادی، مساوات، عدالت، توحید، خداپرستی اور خودفراموشی ایک ہوگئے ہیں۔ بھلا وہ کس طور پر برباد ہو گیا ہے؟ ہم برباد ہوگئے ہیں کہ ہم نے تمام عمر سوائے پستی اور خواری کی زندگی گزارنے کے کچھ نہیں کیا۔

امامؑ کے قیام کے ہدف اور مقصد کو خود امامؑ نے سب سے بہتر طور پر بیان کیا ہے۔ آپؑ کا ہدف وہی پیغمبرؐ کا ہدف تھا۔ امامؑ کے خطبے آپؑ کے نہضت کے ہدف کو بیان کرتے ہیں۔ امامؑ نے اپنے قیام کا ہدف امت اسلامیہ کی اصلاح قرار دیا ہے۔ آپؑ چاہتے تھے کہ اسلام کا درس عملی طور پر لوگوں کو سکھلائیں اور دنیا پر واضح کردیں کہ پیغمبر اسلامؐ کے اہل خاندان جو حضورؐ سے سب سے زیادہ نزدیک ہیں، وہ تمام لوگوں سے زیادہ حضورؐ کی تعلیمات پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ اور یہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کی حقانیت کی دلیل ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ قیام عزائے حسین- کا فلسفہ کیا ہے؟ کیونکہ دنیا میں قیام عزائے حسینؑ سے بالاتر اور بہتر محل نمائش موجود نہیں ہے:

اولاً: یہ قیام مطلقاً درس توحید ہے، جہانِ غیب پر ایمانِ کامل اور نفسِ مطمئنہ کا مظہر ہے۔ اس قیام کی روح ہی توحید تھی۔

ثانیاً: درسِ عزاداری اس لئے ہے کہ بشر کی روح حوادث کے مقابلے میں شکست قبول نہ کرے اس کا تن تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے، تمام مال ومتاع بربادی کی نذر ہوجائے، بیٹے قتل کردیئے جائیں اہل خاندان

اسیر ہوں لیکن اس کی روح ثابت اور مستحکم رہے۔

ثالثاً: دعویٰ اور عمل میں کس قدر فرق ہے۔ آزادی کے دعویدار، آزادی خواہ، حقوقِ بشر کے علمبردار، عدالت کا نعرہ بلند کرنے والے تو بہت ہیں لیکن یہ سب بادشاہ، وزیر اور تربیت شدہ بلی کی داستان مانند ہیں۔ جبکہ مردانِ الٰہی نے عملی طور پر یہ بتایا ہے کہ اگر ایک طرف حق ہو لیکن محرومیت بھی ساتھ ہو؛ حق ہو مگر جسم کا ٹکڑے ٹکڑے کیا جانا بھی ساتھ ہو اور دوسری طرف مال ودولت اور تمام آسائشیں ہوں مگر یہ سب حق وحقیقت کی پامالی کے ساتھ ہو ایسے میں کس طرف جانا چاہئے؟

کربلا کی جنگ میں چند چیزیں دشمن کی شکست کی علامت ہیں

الف۔ تن بہ تن جنگ کرنے سے اجتناب کرنا۔

ب۔ تیراندازی اور پتھر مارنا۔

ج۔ عمر سعد کا اپنے لشکر کو حکم کہ جہانتک ممکن ہوسکے امام حسین- کی ذات سے جنگ کرنے سے اجتناب کرو: [هـذا ابـنُ قتـال العـرب، و الله نفس ابيه بين جنبيه] ''یہ عربوں کے قاتل کا بیٹا ہے، خدا کی قسم اس کے باپ کی جان اس کے دو پہلو کے درمیان ہے۔''

د۔ عمر سعد کا امام حسین- کے خطاب میں مانع ہونے کا حکم تا کہ لوگ آپؑ کی بات نہ سن سکیں۔ پس وہ نہ آپؑ کی شمشیر اور زور بازو کا مقابلہ کرسکتا تھا اور نہ ہی آپؑ کی منطق اور سخن کے مقابلے کی تاب لاسکتا تھا۔

معرکۂ کربلا میں وہ چیزیں جو امام حسین- سے ظہور پذیر ہوئیں

الف۔ بدنی شجاعت

ب۔ روح وقلب کی قوت

ج۔ حق وقیامت پر ایمان کہ جس کی بدولت ہر آن آپؑ کی بشاشت بڑھتی گئی۔

د۔ صبر وتحمل

ھ۔ رضا وتسلیم

و۔ اطمینانِ قلب اور روحی طور پر ہیجان انگیز نہ ہونا۔ امامؑ سے کوئی بات ایسی نہیں سنی گئی کہ جو ان کے غیض وغضب کی حکایت کرے۔

ز۔ حماسی روح کے ایسے پُر زور خطبات ارشاد فرمائے۔

دو چیزوں نے امامؑ کی آنکھیں روشن رکھیں:

(۱) آپؑ کے اہلِ خاندانؑ کی آپؑ کے ہدف سے مکمل ہم آہنگی۔

(۲) آپؑ کے یارانؓ کی جانفشانی: [ھٰھنا مناخ رکاب و مصارع عشاق] ''یہی سواروں کے اترنے اور عاشقوں کے قتل ہونے کی جگہ ہے''۔

آپؑ کے اہلِ خاندانؑ اور اصحابؓ نے یہ بتا دیا کہ وہ عاشقانہ طور پر عمل کرتے ہیں۔

پس واقعۂ کربلا کا بے نظیر ہونا اور حاملِ درس وعبرت ہونا ہی عزاداری کی اصلی علت اور اس کا حقیقی فلسفہ ہے۔

۳۴۔ ہماری ذمہ داری

یہ وظیفہ دو حصوں میں بیان ہونا چاہئے: علماء کا وظیفہ اور عوام کا وظیفہ، یا عصر حاضر کی اصطلاح کے مطابق رسالتِ خواص (علماء کی رسالت) اور رسالت تودہ (عوام کی رسالت)۔ عام طور پر علماء ان انحرافات کو عوام کی گردن پر ڈالتے ہیں اور اسے عوام کی تقصیر اور لوگوں کی جہالت گردانتے ہیں جبکہ ان کے مقابل عوام یہ کہتے ہیں کہ اس میں علماء کی تقصیر ہے کہ وہ نہیں بتاتے کیونکہ

[ماھی از سر گندہ گردد نی زدُم] ''مچھلی سر سے خراب ہونا شروع ہوتی ہے، نہ کہ دُم سے۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں خواص بھی مسئول ہیں اور عوام بھی' علماء بھی مسئول ہیں اور عام لوگ بھی' یہ مچھلی سر سے بھی خراب ہوئی ہے اور دُم سے بھی' سر اور دُم دونوں ہی اس خرابی کے مشترکہ طور پر مسئول ہیں۔

اس سلسلے میں خواص اور عوام کے وظیفہ کے بیان سے پہلے ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ تقصیر کس سے سرزد ہوئی ہے۔ یہاں پر وظیفہ کس کا ہے' یہ ایک موضوع ہے' اور تقصیر کس سے ہوئی ہے، یہ دوسرا موضوع ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ تقصیر میں دونوں شریک ہیں اور یہ مچھلی سر کی طرف سے بھی سڑی ہے اور دُم کی طرف سے

بھی' اسی طرح وظیفہ کے لحاظ سے بھی ہم آگے بیان کریں گے کہ دونوں طبقے مسئول ہیں۔ نہ گناہ کسی ایک طبقہ کا گناہ ہے اور نہ ہی وظیفہ بالخصوص کسی ایک طبقہ کا وظیفہ ہے۔ اس سے قبل کہ وظیفہ بیان ہو، اس وظیفہ کی اہمیت کو درک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تحریف کے خطرات بیان کئے جائیں۔

کلی طور پر دنیا کی تمام چیزیں کسی نہ کسی آفت سے دوچار ہیں۔ جماد، نبات اور حیوان سے لے کر انسان تک سبھی آفت میں مبتلا ہیں مثلاً کتاب کی آفت کیڑا ہے اور لکڑی کی آفت گھن' فصل اور سبزہ کیلئے سنڈی' ٹڈی آفت ہیں اور بعض جراثیم حیوانوں یا انسانوں کے لئے آفت ہیں۔ اسی طرح سے خود دین کے لئے بھی کچھ آفات ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:

[آفۃ الدین ثلاثۃ: فقیہٌ فاجرٌ و امام جائرٌ و مجتھد جاھلٌ] ''تین چیزیں آفتِ دین ہیں: فاجر فقیہ، ستمگار پیشوا اور جاہل مجتہد۔''

یہ بات آشکار ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص آفت ہوتی ہے جو خود اسی سے نسبت رکھتی ہے، کبھی بھی کانٹے دار کیڑے دین کے لئے آفت نہیں ہوتے' سونڈی اور ٹڈی بھی ہرگز دین کو نہیں کھاتے۔ جذام اور سرطان بھی دین کو نہیں مٹا سکتے۔

تحریف' قلب اور بدعت دین کے لئے عظیم آفتیں ہیں[1]۔ تحریف اس کے حقیقی چہرہ کو تبدیل کر دیتی ہے اس کی اصل خاصیت کو ختم کر دیتی ہے' ہدایت کی جگہ گمراہی لے کر آتی ہے۔ اچھے کاموں کی طرف تشویق دینے کے بجائے معصیت اور گناہ کا شوق دلاتی ہے۔ فلاح کی جگہ شقاوت لے آتی ہے۔ تحریف، پیٹھ میں چُھرا گھونپتی ہے۔ یہ وہ ٹیڑھی ضربت ہے کہ جو سیدھی ضربت سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہودی جو دنیا کی تاریخ میں تحریف کے چیرہ دست ہیں، ہمیشہ ٹیڑھی ضربت لگاتے ہیں۔

حضرت علیؑ کو دوستانہ تحریف کے ذریعہ بہت کاری ضرب لگائی گئی جبکہ دشمنی کے راستے سے ایسا نہیں

۱۔ [حدیث: اذا عرفت فاعمل ماشئت کی داستان ایک اچھی مثال ہے تحریف کے نتیجہ الٹ دینے سے متعلق یہ داستان استاد شہید کی کتاب ''حق و باطل'' میں باب ''احیای تفکر اسلامی'' میں موجود ہے]

کر سکے۔ قطعی طور پر حضرت علیؑ کے ناداں دوستوں کی طرف سے آپؑ پر جو ضربتیں لگیں' وہ دشمنوں کی مار سے کہیں زیادہ کاری اور تیز کاٹ والی تھیں۔

تحریف' عکس العمل کے بغیر کا مبارزہ ہے۔ تحریف' خود اپنی قوت کے ذریعہ مبارزہ کرتی ہے۔ تحریف ہی سبب ہوتا ہے اس بات کا کسی شخص کا چہرہ کلی طور پر تبدیل ہو جائے' مثلاً حضرت علیؑ کو ایک ہیبت ناک، بدشکل اور بڑی مونچھ والے پہلوان کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت کو کبھی بھی باور نہ کر سکیں کہ یہ وہی مرد محراب و منبر' صاحبِ حکمت وقضاوت' صاحب زہد وتقویٰ اور خدا سے ڈرنے والا شخص ہے۔

تحریف ہی کے ذریعہ سے امام سجادؑ کو ہمارے درمیان بیمار امام کے نام سے معروف کیا گیا ہے۔ تنہا فارسی بولنے والوں ہی نے یہ نام ان حضرتؑ کو دیا ہوا ہے۔ بات یہاں تک جا پہنچی ہے کہ ہم جب کبھی یہ بتانا چاہیں کہ فلاں شخص نے اپنے آپ کو ضعف اور زبونی میں ڈالا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس نے خود کو امام زین العابدینِ - بیمار کی طرح بنا دیا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ شہرت محض اس وجہ سے ہے کہ امامؑ فقط ایام عاشورا میں بیمار رہے، نہ یہ کہ تمام عمر بخار میں مبتلا رہے اور نہ ہی امامؑ کمر خمیدہ چلتے تھے۔

مرحوم آیتی نے ''راہ و رسم تبلیغ'' کے عنوان سے جو تقریر انجمن ماہانہ دینی میں فرمائی تھی وہ نشر ہو چکی ہے (جلد۲ ص ۱۶۰) اس میں اسی موضوع کو عنوان قرار دیکر آپ فرماتے ہیں: چند دن پہلے ایک شخص نے مجلۂ اطلاعات میں وضع حکومت اور حکومتی اہلکاروں پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ لوگ اکثر یا دوسرے کاموں میں مشغول رہتے ہیں یا نالائق، خائن اور ناپاک ہیں جبکہ ہم ایسے افراد کے نیاز مند ہیں کہ جو لائق بھی ہوں اور پاک بھی۔ اس مطلب کو یوں لکھا تھا:

> ''ہمارے اکثر اہلکار یا شمر ہیں یا امام زین العابدینِ - بیمار، آج ہمارے ملک کی صورتحال یہ ہے کہ ہمیں ہر زمانہ سے زیادہ حضرت عباس - جیسوں کی ضرورت ہے یعنی ایسے افراد جو پاک بھی ہوں اور کام کرنے والے بھی ہوں''

مطلب یہ ہے کہ شمر کام کرنے والا تھا لیکن ناپاک جبکہ امام زین العابدین پاک تھے مگر کام نہیں کر سکتے تھے۔

ان دونوں کے برخلاف حضرت عباس - اچھے تھے کیونکہ وہ پاک و پاکیزہ بھی تھے اور کام کرنے والے بھی!۱ یہ جو کہتے ہیں عارفاً بحقه یعنی ''امامؑ کی معرفت لازم ہے'' تو اس لئے ہے کہ امامت کا فلسفہ پیشوائی کرنا ہے' امامؑ کی ذات نمونہ اور سرمشق ہوتی ہے۔ امامؑ سب پر فوقیت رکھنے والا انسان ہوتا ہے نہ کہ مافوق انسان۔ اسی بناء پر وہ ہمارا سرمشق ہو سکتا ہے۔ اگر امامؑ مافوق انسان ہو تو وہ کسی طرح بھی نمونہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جب ہم شخصیتوں کو مافوق انسانی پہلو دے دیتے ہیں یا حادثات کو معجزہ گردانتے ہیں تو ہم ان سے درس لینے یا انہیں رہبر تسلیم کرنے سے خارج کر دیتے ہیں۔ سرمشق ہونے اور نمونہ بننے کیلئے صحیح اطلاع لازم ہے۔ غلط اور تحریف شدہ اطلاعات الٹا نتیجہ دیتے ہیں اور پھر کسی بھی صورت وہ اچھے کاموں کے لئے الہام دینے والے اور تاریخ کو صحیح سمت کی طرف حرکت دینے والے نہیں ہو سکتے بلکہ وہ بنیادی طور پر کوئی قوت ہی نہیں ہوتے۔ امام زین العابدین- کو بیمار کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج بھی جو شخص زیادہ آہ و فغاں کرتا ہے لوگ اُسکی تقدیس کرتے ہیں کہ یہ آقا بیمار امام کی شبیہ ہے۔

یہاں تک ہم تحریف کے خطرات سے واقف ہوئے، اب یہ دیکھتے ہیں کہ مقصّر (قصوروار) کون ہیں؟ خواص یعنی علماء بھی مقصّر ہیں اور عوام یعنی غیر علماء بھی۔ علماء اس لحاظ سے مقصر ہیں کہ شریعت ختمیہ کے اس دور میں ان کو چاہئے کہ تحریف کے مانع بھی ہوں اور تحریف کو رفع اور زائل کرنے کی بھی سعی کریں۔ حدیث میں ہے:

[**اذا ظهرتِ البدع فعلى العالم ان يظهر علمه والّا فعليه لعنة الله**] اور ''کافی'' کی یہ حدیث بھی: [**وانّ لنا فى كل خلف عدولاً ينفون عنّا تحريف الغالين وانتحال**

---

۱ [مرحوم شمس واعظ کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ قبل ہمیں مشہد میں کسی گھر میں دعوت دی گئی۔ ہم نہیں جانتے تھے اور ہمارا خیال یہ تھا کہ کوئی رسمی دعوت ہوگی۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ لوگ بھی زیادہ تھے۔ کھانے میں آش پیش کیا گیا۔ اس آش کے کیا کہنے' کیا آش تھا واہ۔ توانائی کے لحاظ سے اس قدر ثقیل تھا کہ ہاتھ ہی میں نہ آتا تھا، جہاں ہاتھ لگاؤ پھسل جاتا تھا۔ صاحبِ خانہ سے کہا کہ خدا آپ کے باپ کو بخشے' خلق خدا کے گلے میں ڈالنے کے لئے یہ کیا چیز پیش کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ آقا ایسی بات کیوں کرتے ہیں' یہ آش امام زین العابدینِ - بیمار کی نذر ہے۔ انہوں نے جواب دیا یقیناً آپ ٹھیک کہتے ہیں' اسی آش نے امامؑ کو بیمار کیا ہوگا]

المبطلین](دونوں احادیث کا ترجمہ پہلے ذکر ہو چکا ہے)۔

علماء کا اولین وظیفہ یہ ہے کہ لوگوں کے نقوص، عیوب اور سست روی سے مبارزہ کریں، نہ یہ کہ ان کی کمزوریوں سے استفادہ کریں، مثلاً آج کل مجالس عزاداری میں لوگوں میں دو کمزور نکات پائے جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ لوگ بڑی شدت سے چاہتے ہیں کہ مجالس میں بہت زیادہ اجتماع اور ازدحام ہو اور دوسرے وہ یہ چاہتے ہیں کہ گریہ کے لحاظ سے مجلس زور پکڑے اور رونے کا شور بپا ہو، گویا مجلس کربلا ہو جائے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر ایک خطیب دوراہے پر ہوتا ہے کہ لوگوں کا ازدحام پیدا کرے، خوب مجمع لگائے اور مجلس کو کربلا کردے یا حقائق کہے، اگر چہ نہ ازدحام ہو اور نہ ہی شور و واویلا بپا ہو۔

علماء کو چاہئے کہ تحریفات پیدا کرنے والے اسباب وعوامل سے مبارزہ کریں۔ دشمنوں کی تبلیغات کی لگام کو تھام لیں۔ دشمنوں کے ہاتھوں کو کوتاہ کریں، افسانہ سازی کرنے والوں سے مبارزہ کریں۔ مثلاً حاجی نوری کی کتاب ''لؤلؤ مرجان'' اپنے وظیفہ پر ایک شائستہ قسم کا قیام ہے کہ جو اس مرد بزرگ نے کیا ہے اور ہم آج اُن کے کام کے نتیجے سے استفادہ کر رہے ہیں۔ علماء کو چاہئے کہ وہ جھوٹ بولنے والوں کی رسوائی اور ذلت کو ظاہر کریں۔ (لہٰذا کہتے ہیں کہ غیبت کے جائز ہونے والے موارد میں سے ایک راوئی حدیث پر جرح کرنا ہے) علماء کا فرض ہے کہ وہ سچی اور معتبر احادیث کے متن کو بزرگ ہستیوں کے تحقیقی چہرے کو اور تاریخی واقعات کے حقیقی متن کو لوگوں کے حوالے کریں اور جھوٹ کے جھوٹے ہونے کی طرف اشارہ اور تصریح کریں۔

بزرگ شخصیتوں کے بارے میں جو تحریف ہوئی ہے اس کو سمجھنے کے لئے آج کل کی زبان حال پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے، کچھ زبانِ حال ہیں جو واقعاً شخصیت امامؑ کا آئینہ ہیں جیسے علامہ اقبالؒ کے اشعار اور حجۃ الاسلام تبریزی کے کچھ اچھے اشعار، لیکن کچھ زبان حال ایسے بھی ہیں کہ جو شخصیت کی تحریف کرتے ہیں جیسے:

افسوس که مادری ندارم ......ای خاك كربلا تو به من مادری نما......

یہ چیز امام حسین- کی عظیم اور بے نظیر شخصیت کی زبان حال نہیں ہو سکتی بلکہ یہ تو بنیادی طور پر کسی بھی ستاون (۵۷) سالہ شخص کی زبان حال نہیں ہو سکتی کیونکہ کوئی بھی اس عمر میں ماں کی آغوش نہیں ڈھونڈتا۔ اس کے بر

عکس یہ عمر تو وہ ہوتی ہے کہ جب ماں اپنے فرزند کی پناہ میں آتی ہے۔ امام حسین- نے اگر اپنی مادر گرامی کو یاد فرمایا ہے تو حماسہ اور افتخار کی صورت میں: [**انا ابن علی الطھر من آل ھاشم......و فاطم امی ......یابی اللہ ذلک لنا ورسلہ و حجور طابت وطھرت ونفوس ابیۃ وانوفٌ حمیّہ**] اسی طرح کی دوسری مثالیں بھی ہیں۔

عوام کی تقصیر اور ان کی ذمہ داری:

سب سے پہلے ہم ایک کلی اصول جس کا حاجی نوری نے ''لؤلؤ مرجان'' میں ذکر کیا ہے یہاں ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہے: وہ چیز جس کا بولنا حرام ہو (عام طور پر یا غالباً) سننا بھی حرام ہے مثلاً غیبت، تہمت، مومن یا اولیاء کیلئے گالی گلوچ اور ان کی سبّ کرنا، بے ہودہ آواز سے غنا یعنی گانا وغیرہ۔ پس اگر مجالس اور ذکر مصائب میں جھوٹ بولنا حرام ہے تو اس کا سننا بھی حرام ہے۔

ثانیاً خداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے:

﴿**واجتنبوا قول الزور**﴾ ''اور لغو اور مہمل باتوں سے اجتناب کرتے رہو'' (حج/۳۰)۔

﴿**والذین لا یشھدون الزور**﴾ ''اور وہ لوگ جھوٹ اور فریب کے پاس حاضر بھی نہیں ہوئے ہیں'' (فرقان/۷۲)۔ ﴿**سماعون للکذب سمّاعون لقوم آخرین**﴾ ''جھوٹی باتیں سنتے ہیں اور دوسری قوم کے لوگ جو آپ کے پاس حاضر نہیں ہوتے'' (مائدہ/۴۱)، ﴿**سمّاعون لکذب اکّالون للسّحت**﴾ ''یہ جھوٹ کے سننے والے اور حرام کے کھانے والے ہیں'' (مائدہ/۴۲) ﴿**وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا و یستھزءُ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا من حدیث غیرہ انکم اذاً مثلھم**﴾ ''اور اس نے کتاب میں یہ بات نازل کردی ہے کہ جب آیات الٰہی کے بارے میں یہ سنو کہ ان کا انکار اور استہزاء ہو رہا ہے تو خبردار ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا جب تک وہ دوسری باتوں میں مصروف نہ ہو جائیں'' (نساء/۱۴۰)

کلی طور پر عوام اس چیز (تحریفات) کا تصرف کرنے والے ہیں۔ عوام ان تحریفات کو' جن کے بارے میں غالباً خود بھی جانتے ہیں کہ ملاوٹی اور بدلی ہوئی چیزیں ہیں' اگر استعمال نہ کریں تو اس کی نمائش کرنے والے اور اسے پیش کرنے والے بھی ہمت نہ کریں گے۔ لیکن اس قضیہ کا عیب یہ ہے کہ اس کے دل بستہ یا شوق دلانے والے بھی عوام ہی میں سے ہیں۔

عام لوگ تحریفات سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کے بجائے ان کی حمایت کرتے ہیں' مثلاً کہتے ہیں کہ کیا اشکال ہے کہ قاسم کی شادی بھی درست ہو؟ ہم یہ جواب دیں گے کہ اولاً کوئی بھی عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ ثانیاً ایسی کوئی چیز کسی معتبر یا نیم معتبر مدرک قدیم میں اگر ہوتی کہ جو اصلی مدارک ہیں، تب تو یہ بحث ہو سکتی تھی کہ آیا ایسا ہونے میں کوئی بات مانع ہے یا نہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ کسی جگہ پر بھی یہ واقعہ نقل نہیں ہوا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ صبح عاشورا اصحاب اور اہل بیتؑ نے ایک گھنٹہ کوئی کھیل کھیلنے میں گزارا تو اس میں کیا مانع ہے؟ لیکن آیا ایسا کوئی کام کیا ہے یا نہیں؟

رشدِ اجتماعی

اس مقام پر رشدِ اجتماعی کے بارے میں بحث ہونا چاہئے بلکہ بہتر یہ ہے کہ رشدِ اجتماع پر بحث کریں نہ کہ رشدِ اجتماعی پر۔ اجتماع کا رشد فرد کی رشد کی طرح ہے۔ خود رشد کیا ہے؟ رشد یعنی انسان اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں فکری اور عقلی پختگی رکھتا ہو۔ مثلاً ایک پہلو ازدواج ہے۔ رشد ازدواج یہ ہے کہ انسان ازدواج کے معاملہ میں اس قدر فکر اور عقل رکھتا ہو کہ وہ شریک حیات کے انتخاب میں اپنی صلاح کو اور خانوادی زندگی سے متعلق مسائل کو درک کر سکتا ہو۔ بالفاظ دیگر یہ سمجھ سکتا ہو کہ ازدواجی زندگی کے بارے میں کیا چیزیں لازم ہیں اور کیا چیزیں لازم نہیں' کونسی چیزیں اہم ہیں اور کونسی چیزیں اہم نہیں' کونسی چیزیں ترجیحات میں پہلے درجہ کی اہمیت رکھتی ہے اور کونسی دوسرے اور تیسرے درجہ کی اہمیت۔ دوسرے الفاظ میں اتنا رشد رکھتا ہو کہ اپنے فائدہ اور نقصان اور ان کے عوامل کو تشخیص دے سکے۔ اسے ازدواج میں معتبر رشد ہونا کہیں گے۔ ازدواج (کہ جو ایک واحد اجتماع ہے) کے لئے محض جسمی اور جنسی رشد کافی نہیں ہے۔

رشدِ اقتصادی یہ ہے کہ انسان اس حد تک پہنچے کہ مال کی حفاظت اور نگہداری کر سکتا ہو، بلکہ اسے زیادہ کرنے اور نفع بخش بنانے کے لازمی عوامل اور اپنے مصالح کو سمجھ سکتا ہو۔ اگر یہ شرائط اس میں موجود نہ ہوں تو وہ رشید نہیں۔ اگر کوئی شخص رشد کی عمر سے گزر گیا ہو مگر رشید نہ ہوا ہو تو اسے ''سفیہ'' کہتے ہیں۔ لیکن اگر ابھی رشد کی حد تک ہی نہیں پہنچا ہے اور چونکہ کمسن ہے' اس لئے رشید نہیں ہے' تو ایسے کو سفیہ نہیں کہا جاتا:

﴿وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشداً فادفعوا الیهم اموالهم﴾ ''اور یتیموں کا امتحان لو اور جب وہ نکاح کے قابل ہو جائیں تو اگر ان میں رشید (بالغ) ہونے کا احساس کرو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو'' (نساء/۶)

پس رشید (بالغ) کسی بھی جہت میں وہ شخص ہے جو اس موضوع کے بارے میں فائدہ اور نقصان کو درک کر سکتا ہو اور اس سے مربوط موضوعات کی قدر و قیمت کو سمجھ سکتا ہو۔ جب تک وہ اس قدر و قیمت کو نہ سمجھے، اس کے لئے حفظ و نگہداری کا کام کرنا اور انجام وظیفہ پر قدرت رکھنا ممکن نہیں، ازدواج میں رشید (بالغ) وہ لڑکا یا لڑکی ہے جو خانوادہ تشکیل دینے کی ضروری چیزوں کو درک کر سکے۔ پس وہ لڑکا جو کسی لڑکی کی خوبصورتی یا اس کے سرخ ہونٹ یا اس کے چلنے کے انداز پر شیفتہ ہو جائے اور اس بنا پر اس سے شادی کرنا چاہے' وہ رشید نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ سعادتمندانہ زندگی گزارنے کے لئے سینکڑوں عوامل ضروری ہیں اور سرخ لب ان میں شامل نہیں۔ اس نے سعادتمندانہ زندگی کے عوامل کی قدر و قیمت کو درک نہیں کیا ہے۔ اسی طرح جو شخص سرمایہ سے مربوط لازم چیزوں کو نہیں سمجھتا' وہ معاملہ کی بات طے کرنا نہیں جانتا، خائن اور خادم کو نہیں پہچانتا۔ وہ نہیں جانتا کہ کن افراد سے نزدیکی اختیار کرے اور کن افراد سے دور رہے۔ ایسا شخص رشید نہیں ہے۔

رُشدِ اجتماع

بہتر یہ ہے کہ ''رُشدِ اجتماعی'' کی جگہ جو فرد کی صفت ہے ''رشد اجتماع'' کو کہ جو جامعہ (معاشرہ) کی صفت ہے' موضوع بحث و گفتگو قرار دیں۔ جامعہ بھی کبھی رشید (بالغ) ہوتا ہے اور کبھی سفیہ یا حد اکثر نابالغ۔ وہ جامعہ (معاشرہ) جو خود کو ایک واحد درک نہ کرے اپنے سرمایوں کی قدر نہ کرے' اپنی تاریخی شخصیتوں اور تاریخی

واقعات کو نہ سمجھے' ایسا جامعہ رشید نہیں۔

جامعہ کے سرمایوں میں سے ایک اسکی گزشتہ شخصیتیں ہے، اسی طرح ہنر، علم، صنعت' ادب کے گزشتہ آثار' سب جامعہ کا سرمایہ ہیں۔ ایک اور سرمایہ اس کی گزشتہ تاریخ ہے، وہ تاریخ جو پُر افتخار درس دینے والی اور سعادت بخش ہو۔ گزشتہ تاریخی واقعات آئندہ نسلوں کے لئے اخلاقی اور تربیتی سند ہوتے ہیں۔

کبھی کسی ایک ملت کے اندر ہنری یا صنعتی آثار پیدا ہوجاتے ہیں لیکن بعد میں آنے والے اس کی قدر و قیمت کو درک نہیں کرتے اور اس کو خراب کردیتے ہیں۔ ایسا بہت ہوا ہے کہ کسی نادر کتاب کا نفیس خطی نسخہ کسی دوکاندار کے ہاتھوں لگ جاتا ہے اور وہ اس کو پھاڑ کر چائے کی پڑیا بنانے کے کام میں لاتا ہے۔ کچھ ہنری اور صنعتی آثار جیسے بہت سے محراب' کاشی کاری اور بہت سی نقاش نگاری غیر صالح افراد کے ہاتھ لگ گئے اور بچوں کے کھلونوں کے طور پر استعمال ہوئے۔

اسی طرح سے تاریخ بھی ہے کبھی ملت کا کوئی فرد تاریخ میں بلند مقام حاصل کرتا ہے، وہ حماسہ، افتخار، زیبائی عظمت اور الہام بخشی سے پُر ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح سے جب ایک نفیس اور منقش طغرا بچوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو وہ قلم کے ذریعے اس کو خراب کردیتے ہیں اسی طرح سے یہ لوگ بھی اپنی طرف سے اس قدر افسانے، خرافات اور وہم اس شخصیت کے ساتھ ملحق کردیتے ہیں کہ کلی طور پر اس کی عظمت، بزرگی، خوبروئی، الہام بخشی، حماسہ، نجات بخشی اور افتخار آفرینی کو کھو دیتے اور نابود کردیتے ہیں۔ نتیجتاً اس کی الہام بخش پُر عظمت، حماسہ گر اور سلح شور روح سے متحرک ہونے کے بجائے بے چارگی اور بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حوادث کے مقابلہ میں ان کا سر تسلیم جھک جاتا ہے۔

کربلا کا تاریخی واقعہ اس نوع کے حوادث میں سے ہے کہ اجتماع کے عدم رشد یعنی کم عقلی کی وجہ سے مسخ اور اُلٹا ہوگیا ہے۔ اس کی تمام عظمتیں اور خوبصورتی فراموش ہوگئی ہیں' اس کا حماسہ' شور اور افتخار محو ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ بے چارگی' ضعف' جہالت اور نادانی نے لے لی ہے۔ یہ سب اس ملت کی عدم رشد (کم عقلی) کی علامت ہے کہ یہ اپنی پُر عظمت اور پُر افتخار تاریخ کی حفاظت اور نگہداری نہیں کرسکی۔

میں تمام ملت کے حوالہ سے لیکن بالخصوص عوام کے طبقہ کے لحاظ سے یہ بتانا چاہوں گا کہ گذشتہ پُر افتخار تاریخ کے تحفظ اور نگہداری کی مسئولیت فقط علماء سے مخصوص نہیں۔ ہر فرد کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو مسئول جانے جس طرح ان حوادث و واقعات پر جھوٹ باندھنا' جھوٹ بولنے کی طرح حرام ہے' اسی طرح جھوٹ کا سننا اور جھوٹ کو مصرف میں لانا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ پر حکم ہے:

﴿واجتنبوا اقول الزور﴾ ''جھوٹی بات سے اجتناب کرو'' (حج/۳۰)

ایک اور جگہ پر حکم ہے:

﴿والذین لایشھدون الزور واذا مرّوا باللغو مرّوا کراماً﴾ ''اور وہ لوگ جو باطل (جھوٹ اور فریب) کی مجالس میں شرکت نہیں کرتے ہیں اور جب لغو کاموں کے قریب سے گزر ہوجائے تو بزرگانہ انداز سے گزر جاتے ہیں''۔

تفسیر کشاف میں مندرجہ بالا پہلی آیت کے ذیل میں ''زور'' کے معنی باطل اور جھوٹا قول ذکر ہوئے ہیں کہتے ہیں:

[وجُمع الشرک وقول الزور فی قِران واحد وذلک ان الشرک من باب الزور لانّ المشرک زاعم انّ الوثن تحق له العبادُ 'فکانّه قال: فاجتنبوا عبادةُ الاوثن التّی ھی رأس الزور] ''شرک اور قول زور ایک ہی ردیف میں ذکر ہوئے ہیں، شرک خود زور سے ہے کیونکہ مشرک یہ سمجھتے ہیں کہ بُت پرستی لائق اور سزاوار ہے۔ گویا اس آیہ میں فرمایا ہے کہ بتوں کی پرستش کرنے سے پرہیز کرو کہ یہ تمام زور اور جھوٹ و باطل کی ابتداء ہے''۔

یہاں تک لکھا ہے:

[الزور من الزوَر والا زور ارو ھو الانحراف] ''زور' زوَر اور وِزار سے لیا گیا ہے جو انحراف کے معنی میں ہے''۔

دوسری آیہ کی تفسیر میں کہتے ہیں:

[یحتمل انھم ینفرون عن مجالس الکذّابین ومجالس الخطّائین فلایحضرونھا

ولا یقربونها تنزهاعن مخالطةالشرّ واهله 'وصیانةًلدینهم عمّایثلِمُهُ 'لانّ مشاهدالباطل شرکه فیه .ولذلک قیل فی النظارة الی کلّ مالم تسوّغهُ الشریعة: هم شرکاء فاعلیه فی الاثم 'لانّ حضورهم و نظرهم دلیل الرضابه و سبب وجوده 'لان الّذی سلّط علی فعله هواستحسانُ النظارة ورغبتهم فی النظرالیه'وفی مواعظ عیسٰیؑ :ایاکم ومجالسة الخطّائین] ''ممکن ہےاس آیت کے معنی یہ ہوں کہ وہ لوگ جھوٹے اورخطا کاروں کی مجالس سے دوری اختیارکرتے ہیں ان میں شریک نہیں ہوتے ہیں'ان کے نزدیک نہیں ہوتے ہیں تا کہ بُری باتوں اوربُرے لوگوں سے نہ ملیں اوران سے منزہ رہ جائیں اوراپنے دین کورخنہ سےمحفوظ رکھیں کیونکہ باطل کے پاس حاضری دیناان کے ساتھ شریک ہونے کے مترادف ہے ۔اسی وجہ سے ان لوگوں کے بارے میں کہ جو شریعت میں جائزنہ ہونے والی چیزوں کی طرف توجہ دیتے ہیں کہا جاتا ہے: یہ لوگ ان تمام بُرے کام کرنیوالوں کے سارے گناہ میں شریک ہیں کیونکہ وہاں پرحاضرہونااورنظارہ گررہنااس کام پر اپنی رضایت دینے اوراس کے وجودپرراضی ہونے کی دلیل ہے' کیونکہ فاعل کاعمل دیکھنے والوں کواس عمل کی تشویق دلاناہےاوراس کے دیکھنے سے دوسروں میں اسکے لئے رغبت پیدا کرتا ہےاورحضرت عیسیؑ کی نصیحتوں میں سے ایک میں آیاہے: خطا کاروں کی ہمنشینی سے پرہیز کرو'

پس پہلی آیت جھوٹی اورپُرفریب باتوں سے پرہیزکرنے کوکہتی ہے جس میں بولنااورسنناد ونوں شامل ہیں۔البتہ بولنااس کامصداق جلی ہے۔لیکن دوسری آیت رسمی طور پرباطل مجالس میں شرکت سے منع فرماتی ہے۔خواہ باطل کوسننے کیلئے شریک ہوں یاباطل کودیکھنے کیلئے،یہ آیت درحقیقت گناہ کی کسی بھی طورسے اعانت کرنے کومنع کرتی ہے۔

ایک اورآیت ہے:

﴿وقدنزّل علیکم فی الکتاب ان اذاسمعتم آیات اللہ یکفربهاویستهزءُ بها فلا

تقعدوا معهم حتی یخوضوافی حدیث غیره ﴾''اوراس نے کتاب میں یہ بات نازل کردی کہ جب آیات الٰہی کے بارے میں یہ سنوکہ ان کاانکاراوراستہزاء ہورہاہےتوخبرداران لوگوں کے ساتھ ہرگزنہ بیٹھنا جب تک وہ دوسری باتوں میں مصروف نہ ہوجائیں'' (نساء/۱۴۰)۔

تفسیرصافی میں ہےامام صادقؑ نے فرمایا:

[وفرض اللہ علی السمع ان یتنزّه عن الاستماع الی ماحرّم اللہ 'وان یعرض عمّالایحلُّ له ممانهی اللہ عنه ولاصغاء الی مااسخط اللہ 'فقال فی ذلک :وقدنزّل علیکم] ''خداوندعالم نے کان پر یہ واجب کیاہے کہ جو چیزیں حرام ہیں ان کے سننے سے پرہیزکرےاور جو چیزاس کے لئے حلال نہیں ہےجن سے خدانےمنع فرمایاہےاورجن کاسننا خدا کے غضب کودعوت دیتا ہےان سے دوری اختیارکرلے۔اوراس بارے میں اپنی کتاب میں فرمایاہے:اورتم پراپنی کتاب'

تفسیرصافی میں ہے:القمی :[آیات اللہ هم الائمة علیهم السلام] ''آئمہ ؑ خدا کی نشانیاں ہیں'
ظاہراًیہاں آیات سے مراد''اعمّ'' ہے۔یہاں آیات سے مرادآیاتِ تدوینی بھی ہےاورآیاتِ تکوینی الٰہی بھی اعمّ یعنی وہ شخصیتیں جیسےآئمہؑ یاوہ تاریخی حوادث جیسےحادثہ کربلا،کہ یہ آیات تکوینی الٰہی ہوتے ہیں ایسی تواریخ جوروح ایمان کامظہراورجلابخش ہوں،وہ آیات الٰہی کا جزء ہیں:

﴿واذارأیت الّذین یخوضون فی آیاتنافاعرض عنهم حتی یخوضوافی حدیث غیره ﴾''اورجب تم دیکھوکہ لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں بے ربط بحث کررہے ہیں توان سے کنارہ کش ہوجاؤ یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں مصروف ہوجائیں۔'' (انعام/۶۸)

تفسیرصافی میں اس آیت کے ذیل میں لکھاہے:

[العیاشی : عن الباقرؑفی هذه الایة قال :الکلام فی اللہ والجدال فی القرآن .قال :منه القُصّاص] امام باقر -نےاس آیت کے بارے میں فرمایا:اس آیت میں گفتگوخودخدا

کی ذات کے بارے میں ہے جبکہ اختلاف قرآن سے متعلق ہے، ان ہی باطل باتوں میں سے ایک افسانہ سازی ہے''۔

تفسیر صافی میں اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی ہے:

[فی العلل 'عن السجادؑ :لیس لک ان تقعدمع من شئت لان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول : واذارأیت الذین یخوضون] ''امام سجادؑ نے فرمایا: یہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے کہ جس کے ساتھ چاہو نشست و برخاست کرو کیونکہ خدائے تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات کے تمسخر اور تکذیب پر اتر آئے ہیں......''۔

عوام کی ذمہ داری سے متعلق گفتگو کا خلاصہ

الف۔ ایک اسلامی اور اخلاقی بحث تو یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا بولنا حرام ہے، اس کا سننا بھی حرام ہے۔ وظیفہ کے لحاظ سے کان اور زبان ایک قسم کا اشتراک رکھتے ہیں۔ چونکہ کان زبان کی چیزوں کا مصرف ہے، اس لئے اگر مصرف ہی نہ ہو یعنی سننے والے کان ہی نہ ہوں' تو زبان بنائے گی بھی نہیں۔ اگر کان والے اکاذیب، جھوٹی اور جعلی باتوں، غیبتوں، گالی گلوچ اور کفر آمیز باتوں کا مصرف نہ کرتے تو اہل زبان انہیں نہ تخلیق کرتے اسی طرح آنکھ اور زبان قلموں اور فلموں کے آثار کا مصرف ہیں اگر یہ دونوں مصرف نہ کریں گے تو وہ دونوں تولید ہی نہ ہوں گے۔

ب۔ اس بارے میں آیات قرآنی

ج۔ بحث اجتماعی: جس طرح کوئی شخص کبھی رشید ہوتا ہے اور کبھی غیر رشید اور جس طرح رشید، ازدواج کے صحیح ہونے کی شرط ہے اور جس طرح مال وثروت کسی کے ہاتھ میں دینا اسی وقت جائز ہے کہ جب وہ رشید ہو جامعہ، معاشرہ یا اجتماع بھی اسی طرح ہے۔ کبھی ایک اجتماع رشید ہوتا ہے اور کبھی سفیہ۔

رُشد کے معنی، قدر و قیمت کا احساس کرنا، سرمایوں کا درک کرنا، ان سے صحیح طور پر استفادہ کرنا اور نفع اٹھانا ہے، ازدواج کے لئے رشد یہ ہے کہ انسان یہ جان لے کہ خانوادی زندگی کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں؟

اور ان میں سے ہر ایک کی قدر و قیمت کیا ہے؟ مثلاً یہ کہ لڑکی ایک معروف گھرانے سے ہو، اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ازدواج کے لئے کتنا مفید ہے۔ اسی طرح سے کسی شخص کا مال وثروت اپنے اختیار میں لینے کے لئے رشید ہونا ہوتا ہے۔

رُشد اجتماع یہ ہے کہ سب سے پہلے اجتماع خود کو ایک اکائی کی صورت میں درک کرے۔ اس کے وہ سرمائے کہ جو عمومی اور ملی سرمایہ شمار ہوتے ہیں' ان کو پہچانے۔ اس کے بعد ان کی حفظ ونگہداری کے لئے کوشش کرے۔ یہ ملی سرمائے یا تو شخصیتیں ہیں یعنی تاریخی شخصیتیں، یا علمی، فلسفی، ہنری، صنعتی اور ادبی آثار ہیں یا ملت کی پُر افتخار تاریخ ہے۔ وہ جامعہ جو حسین بن علی + کی مانند تاریخ رکھتا ہے، وہ تاریخ کہ جو افتخار، حماسہ، عظمت، زیبائی اور الہام بخشی سے بھری ہوئی ہے، آج ہم نے اس کو ''روضۃ الشہداء'' اور ''اسرار الشہادۃ'' نامی کتب کے احمقانہ افسانوں سے پُر کر دیا ہے، ایسا کرنے والے درحقیقت کم عقل لوگوں کا ٹولہ ہے، نہ کہ جامعۂ رشید۔ آج ہم جس طرح اپنے تاریخی اور ملی آثار کی حفاظت کرتے ہیں' اسی طرح سے ہمیں خود اپنی دینی تاریخ کی حفاظت کے لئے بھی کوشش کرنا چاہئے۔

یادداشت

۱۔ قرآن میں تحریف کا بیان اور قرآن کی توجیہ و تفسیر: جیسے تفسیر صافی اور علی بن ابراہیم۔

۲۔ شخصیت علیؑ میں تحریف: جیسے کربلا میں شیر کی داستان، کہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت علی - تھے کہ جو دریا سے نمودار ہوئے تھے!۔

۳۔ تاریخ اسلام میں تحریف: جیسے یہ قول کہ اسلام حضرت خدیجہؓ کی ثروت اور علی - کی تلوار سے پھیلا ہے۔

۴۔ شقی شخصیتوں میں تحریف: یہ بھی ایک قسم کا انحراف ہے جو عبرت پکڑنے میں مانع ہوتا ہے۔ مثلاً غالباً: معاویہ کو سات افراد سے ہونیوالا ولدالزنا متعارف کرایا جاتا ہے اور نتیجتاً لوگ کبھی بھی چودہ سو سالہ پہلے کے معاویہ سے عبرت نہیں لیتے۔ اسی طرح مثلاً کہتے ہیں کہ کتیا کی طرح شمر کے سات پستان تھے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا نام شیخ عبداللہ تھا۔

چھٹا باب

کتاب

''حسین وارث آدم + ''

پر

تنقید

حسین وارث آدم +

یہ کتاب ڈاکٹر علی شریعتی کی تالیف ہے۔ سنہ ۵۱ ہجری شمسی کے ۲۶ سے ۳۰ آذر ماہ کو جب میں ایک سفر میں مشہد گیا تھا تو اس کتاب کا ایک نسخہ انتشارات طوس نے مجھے دیا جسے میں نے واپسی پر تہران آتے ہوئے دوران سفر پڑھا۔ اس کتابچہ کے ہدف کے بارے میں چند مطالب ہاتھ آئے، جو لفافے کے نیچے بیان ہوئے ہیں خود کتابچہ لکھنے والے نے اپنے تمام عقدوں اور عقیدوں کو اس کتابچہ میں بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے:

''یہ کتابچہ ایک طرح سے تاریخ کی توجیہ ہے مگر مادی اور مارکسیسی بنیاد پر۔ یہ امام حسین - کے واقعہ کو مارکسیسی نوعیت کا گلشن بتلاتا ہے جو تازگی رکھتا ہے۔''

اس کتابچہ کے مطابق تاریخ بشریت کا آغاز اشتراکیت اور مساوات سے ہوا۔ بعد میں جب طبقہ بندی (ضد مساوات) نے رواج پایا تو حق و باطل تخلیق ہوئے' یعنی مالکیت کا آغاز اور یہاں سے جامعۂ بشر کے دو حصے ہو گئے۔ جس طرح دجلہ اور فرات ایک ہی چشمہ سے نکل کر آتے ہیں مگر بعد میں دو حصوں میں بٹ جاتے کر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں' اسی طرح سے انسان کے بھی دو حصے یعنی دو طبقہ ہیں' ایک کامیاب اور فائدہ اٹھانے والا طبقہ، یعنی استحصال کرنے والا گروہ اور دوسرا محروم طبقہ یعنی استحصال شدہ گروہ۔ کامیاب اور فائدہ اٹھانے والے گروہ کے تین چہرے ہیں: اقتصاد، سیاست اور مذہب۔ یا یوں کہیں مال و دولت رکھنے والے، طاقت و قدرت رکھنے اور مکر و فریب کرنے والے۔ پہلے گروہ کا کام غلام بنانا ہے، دوسرے گروہ کا کام غارت گری اور تیسرے گروہ کا کام فریب دینا ہے۔ گویا محل، دکان اور معبد ایک ایجنسی کے تین شعبے ہیں، تیغ، طلا اور تسبیح ایک کام کرتے ہیں۔

تاریخ پر حاکم نظام ہمیشہ اسی طرح رہا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی تھا، وہ محکوم نہضتیں تھیں، ایسے قیام اور انقلاب تھے جو دلسوز اور مذبوحانہ تھے کیونکہ ان کی بنیاد خراب اور کمزور تھی۔ ایسی تمام نہضتوں کا نتیجہ اُلٹا ہوا جو ابراہیموں، یہودیوں، مسیحیوں، مسلمانوں، علویوں اور حسینیوں کے وسیلہ سے اٹھی تھیں۔ جو چیز انسان کے لئے

دال روٹی کی بناء بنکر آئی وہی اس کے لئے جان کی بلا اور اس کے ہاتھ پاؤں کی زنجیر بن گئی۔

امت موسیٰ کی آزادی بے دوام تھی (ص ۲۲) امام حسین - کی ندا بھی خاموش تھی' لیکن سامری کے گوسالہ کی بانگ ہمیشہ سے بلند ہے (۲۴) تمام وارثانِ آدمؑ کی حتمی سرنوشت اسیری اور گرفتاری ہے (ص ۲۸)۔ آزادی، عدالت اور بیداری تاریخ کی محکوم نہضتوں کی وراثت ہے، غلامی، بے انصافی اور خیالی مذہب تاریخ پر حاکم رہا ہے (ص ۳۹) امام حسین، آدم + کی شکست کا مظہر ہیں (ص ۴۷)۔

اس کتابچہ میں دو دریاؤں کے درمیان کی سرزمین کو تمام زمین کا نمونہ بتلایا گیا ہے اور اس زمین کی تاریخ کو تمام زمین کی تاریخ کا نمونہ گردانا گیا ہے۔ دجلہ اور فرات کے دو دریاؤں کو بشر کے دو متضاد گروہ کی علامت قرار دیا ہے کہ دونوں جدا ہوئے اور بغداد کے قریب میں پھر سے جھوٹ جھوٹ باہم پیوند ہو گئے' بالکل ویسے ہی جیسے دور خلافت اسلامی میں وقتی طور پر جھوٹی وحدت پیدا ہوئی تھی (ص ۹، ۲۹، ۳۹) اور پھر دوبارہ زیادہ دردناک شکل میں جنایت واقع ہو جاتی ہے۔ دنیا کے تمام جنایتکار خلافت اسلامی کے تین قسم کے چہروں (یعنی بنوامیہ، بنوعباس اور خلافت عثمانیہ) میں سے کسی ایک روپ میں ظہور اور حلول کرتے ہیں اور بدبختی شروع ہو جاتی ہے کہ دنیا میں اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں ہے (ص ۱۵، ۲۷، ۲۸، ۳۵) تمام برے لوگوں میں جو کچھ برائیاں ہیں وہ تنہا ان تین ادوار میں موجود رہی ہیں۔

دجلہ اور فرات کی تقدیر یہ ہے کہ انجام کار سمندر میں جا گرے اور آرام پائے۔ بشریت کی سرنوشت اور بشر کی تاریخ کا سرانجام بھی اشتراکیت اور سوشلزم ہے اور بشر فقط اس وقت ہی مالکیت اور طبقاتی نظام کی قید سے نجات پائے گا جب طبقاتی نظام کی بنیاد میں خرابی آئے گی اور واقعی بنیاد پر عدال و انصاف کا نظام درست ہو جائے گا۔

تاریخ کے انقلابیوں کی طبقاتی بنیاد پر کوششیں دل سوز رہی ہیں، گلا تو کٹوا دیا مگر انجام بے نتیجہ رہا ہے۔ فقط طبقات کو محو کر کے ہی جامعہ اپنی سعادت واقعی تک پہنچ سکتا ہے (ص ۹) الا بالاشتراکیۃ تطمئن القلوب۔

امام حسین - تنہا اور ناامید مرگ کی طرف دوڑتے ہیں (ص ۲۳)۔ آپؑ شکست آدم کا ایک مظہر ہیں اور

ایک بے سود تعصب خراج میں دیتے ہیں (ص ۴۷)۔

اس کتابچہ میں کلی طور پر لفظ آدم یا لفظ انسان کی علامت اشترا کی انسان کو قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اشترا کیت کو توحید جہان، توحید کی توضیح اور جامعہ کی وحدت قرار دیا گیا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے شرک اعتقادی شرک وثنویت حیات کا ایک سایہ ہے۔ اس بیان سے دوبارہ سے مارکسیسی جہت کی ایک قسم روشن ہوتی ہے کہ انسان کے وجدان (نفس اور قوائے باطنی) کو اس کے وضع اجتماعی کا مولود اور اس کا انعکاس سمجھا گیا ہے۔ اور یہ بیان ''دورکایم'' (۱۹۱۷۔۱۸۵۸ع) کے نظریہ کا عکاس ہے، نہ کہ کارل مارکس کا نظریہ۔

اس کتابچہ میں جو چیز نظر نہیں آتی وہ شخصیت امام حسین -اور آپؑ کی نہضت کے آثار ہیں۔ اس کتابچہ کا مرکزی خیال یہ ہے کہ طبقاتی جامعہ میں تمام کوششیں لا حاصل ہوتی ہیں۔ تاریخ کے انقلابی لوگ اور حضرت آدمؑ کے وارث، اشترا کی انسان تھے اور ان کا قیام حق کے لئے تھا۔ حق یعنی عدالت، برابری یعنی اشترا کیت۔

اس کتابچہ کے مطابق امام حسین -وہی ذاکرین کے مظلوم اور محکوم امام حسینؑ ہیں کہ جن کا تاریخ میں کوئی نقش نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ذاکرین نے کم از کم امام حسین- پر رونے کا دسترخوان بچھایا ہے تا کہ یہ آخرت کا توشہ بن جائے لیکن اس کتابچہ کے امام حسین- تو محکوم طبقہ کو دبانے کے لئے (رونے اور مصائب کے ذریعے) حاکم طبقہ کے ہاتھ کا آلۂ کار ہیں۔

اس کتابچہ میں معبد (عبادت گاہ) ہمیشہ قصر اور دکان کے پہلو میں اور روحانی ہمیشہ حاکم اور سرمایہ داروں کے پہلو میں قرار دیئے گئے ہیں۔ البتہ معبد کو ایک طرف ڈال رکھا ہے، نہ تنہا کلیسا یا دیر وصومعہ (راہب کی عبادت گاہ، یا آتشکدہ یا بتخانہ) کو، کیونکہ مسجد بھی معبد ہی میں شامل ہے، ایسی صورتحال میں طبیعی طور پر روحانیوں کی ذمہ داری بھی روشن اور واضح ہے۔

ساتواں باب

حماسۂ حسینی -

کی یادداشت

حماسۂ حسینیؑ

۱۔ حماسۂ حسینیؑ کا مفہوم واضح ہونے کے لئے لازم ہے کہ پہلے کلمۂ **حماسہ** کی تفسیر اور معنی بیان کئے جائیں ''نہایۃ'' (ج ۱) میں ابن اثیر لکھتے ہیں:

[**الحُمس جمع الاحمس وهم قريش ومن ولدت قريش ،وكنانة ، و جديلة قيس، سُمّوا حمساً لانّهم تحمّسوا فی دينهم ای تشدّدوا. والحماسة الشجاعة ' كانوا يقفون بمزدلفة ولا يقفون بعرفة، ويقولون: نحن اهل الله فلا نخرج من الحرم و كانوا لا يدخلون البيوت من ابوابها وهم محرمون**] ''حُمُس جمع ہے اَحمس کی، یہ قریش کا طائفہ اور ان کی اولاد اور کنانہ کا طائفہ اور جدیلۃ قیس ہیں۔ ان کا نام یوں حُمس پڑ گیا کہ وہ اپنے دین میں تحمّس یعنی شدت اور استواری اپناتے تھے۔ حماسہ کے معنی شجاعت کے ہیں۔ ان لوگوں کی عادت یہ تھی کہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور عرفات میں وقوف نہیں کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ: ہم اہل اللہ ہیں، اس لئے حرم سے باہر نہیں نکلتے۔ نیز حالت احرام میں یہ لوگ اپنے گھروں میں دروازہ سے داخل نہیں ہوتے تھے۔''

قاموس میں ہے :

''حَمِسَ . كفرحَ :اشتدّ و صَلب فی الدين و القتال فهو حَمِسَ واحمَس''. ''حَمِس بروزن فَرِحَ ہے۔ اس کے معنی دین اور میدان کارزار میں سخت اور محکم ہونا ہے، اسی فعل سے لفظ حَمِس اور احمس ہیں۔''

اصطلاحی طور پر بعض اشعار کے لئے کلمہ ''حماسہ'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ بہت سی کتابیں ''حماسہ'' کے نام سے تالیف ہوئی ہیں اس لئے کہ ان کتابوں میں ایسے اشعار کی تضمین ہیں۔

نظموں اور اشعار کو عام طور پر مندرجہ ذیل صورتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

حماسی، رثائی، مدحی، غنائی، وعظی اور نصیحتی نظمیں اور اشعار۔ البتہ اور بھی اقسام ہیں۔

حماسی شعر وہ شعر ہوتا ہے جو غیرت، شجاعت، شدت اور مردانگی کی روح کو ابھارتا ہے خواہ خود شعر کا مضمون حماسی ہو یا اس میں کسی پہلوان یا قہرمان کی سرگزشت پر مضمون باندھا گیا ہو۔ بشر قہرمان دوست اور قہرمان پرست ہے۔ حماسی شعر کی ایک مثال یہ شعر ہے:

تن مرده گريهٔ دوستان　　به از زنده و خندهٔ دشمنان

''زندہ رہ کر دشمنوں کو ہنسانے سے بہتر ہے مرجائے اور دوستوں کو رلائے۔''

حماسی داستانوں کی مثال ایران کے قدیم افسانے اور تاریخ اسلام کی اور ایران کی واقعی داستانیں ہیں۔

مثلاً: حضرت علی - اور عمرو ابن عبدود کے مبارزہ کی داستان یا جلال الدین خوارزمشاہ کا تاریخچہ۔

غنائی شعر کی مثال حافظ اور سعدی کی غزلیں ہیں مثلاً:

[فكر بلبل همه آن است ......'' اور ''صبا به لطف بگو......'' اور ''آنچه تو داری قیامت است نه قامت.''

رثائی شعر کی مثال سلطان محمود غزنوی کی رثاء میں کہے گئے اشعار ہیں۔

''شهر غزنين نه همان است'' یا وہ اشعار جو غزنوی کے فتنہ سے متعلق کہے گئے ہیں۔

''آن نيل مكرمت كه تو ديدی سراب شد''۔ یا وہ اشعار جو پیغمبر اسلام ﷺ کے اہل البیتؑ کے مصائب پر کہے گئے۔

چاپلوسی اور مدح کے اشعار تو الی ماشاء اللہ بہت ہیں۔ لیکن اشعار موعظہ مثلاً:

''ایها الناس جهان جائے تن آسانی نیست......'' کم ملتے ہیں۔

مصیبت پر بھی شعر ہیں مثلاً: ''بلبلی خون دلی خورد......'' (حافظ)

مدح اور چاپلوسی کے اشعار کی ایک مثال یہ ہے

نہ کرسی فلک نہد اندیشه زیر پای　　تابوسه بر رکاب قزل ارسلان زند

یہ حماسہ اشعار تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ ڈھنگ ہمیں نثر میں بھی نظر آتا ہے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

[قد استطعموکم القتال] ''یہ لوگ تم سے جنگ کے طالب ہیں۔'' ۱

اسی طرح طارق بن زیاد کا خطبہ بھی حماسی نثر کی عمدہ مثال ہے۔ نیز "**والعادیات ضبحاً** ......"حماسی نثر ہے۔ اسی طرح سے واقعات اور تاریخچہ بھی یا حماسی ہوتے ہیں یا غنائی یا رثائی......تاریخ اسلام ایک حماسہ سے بھرپور تاریخ ہے، مثلاً جناب ابوذرؓ کے مکہ میں شعار۔ موعظی داستان اور غنائی داستانیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ اسی طرح سے کبھی شخصیتیں بھی حماسی ہوتی ہیں۔ ۲

اب ہم اپنے اصل موضوع یعنی شخصیت حسینیؑ ،تاریخی حادثہ کربلا اور حسین- کے حماسی شعاروں کی تلاش کرتے ہیں۔

حسین- ایک حماسی شخصیت ہیں، واقعہ کربلا ایک حماسی داستان اور حسین- کا شعار حماسی شعار ہے۔

۲۔ شب تیرہویں سنہ ۸۸ ھ۔ش کو ''حسینیہ ارشاد'' میں کی جانے والی تقریر کا خلاصہ (جو حماسۂ حسینیؑ کے عنوان سے تھا) کچھ اس طرح سے ہے:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جس طرح نظمیں، حماسی، غنائی، رثائی یا نصیحتی وغیرہ ہوتی ہیں اسی طرح سے نثر بھی ہے بلکہ وقایع اور تاریخچہ بھی اسی طرح ہیں اور خود شخصیتیں اور روحیں اور شعار بھی اسی طرح ہوتے ہیں۔

اس کے بعد ہم نے بتایا تھا کہ ہمیں حادثۂ کربلا کا مطالعہ کرنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے آیا یہ ایک غنائی حادثہ ہے یا رثائی یا حماسی یا نصیحتی یا اس کے برخلاف۔

یہ بھی پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ حادثہ دو صفحوں پر مشتمل ہے، اس کا ایک صفحہ سیاہ اور تاریک ہے۔ اس صفحہ کے لحاظ سے کربلا کی داستان ایک جنایتی اور رثائی داستان ہے اور اس لحاظ سے یہ ایک بے نظیر ٹریجڈی (المیہ) ہے (حداقل مشرقی خطۂ زمین پر بلکہ مغرب کی سرزمین پر تو اس سے بھی بالاتر جرم و جنایت بہت

۱ [نہج البلاغہ خ/۵۱] ۲ [''سوکارنو'' کی یادداشت میں نے ''اطلاعات'' میں پڑھی ہے، کہتا تھا میں ایک عظیم عاشق ہوں اور اس نے اپنی عشق بازیوں کا ذکر کیا تھا۔ بنابراین وہ ایک غنائی شخصیت تھا نہ کہ سیاسی۔]

زیادہ تھے اور اب بھی ہیں جن کے نمونہ صلیبی جنگوں اور اندلس کی جنگوں میں دیکھے جاسکتے ہیں) جنایت سے بھرپور اس المیہ اور ٹریجک ڈرامہ کے ڈائرکٹر یزید، ابن زیاد اور ابن سعد وغیرہ جیسے جنایتکار ہیں۔

اس کا دوسرا صفحہ سفید اور نورانی ہے اور اس صفحہ کے لحاظ سے یہ ایک حماسی داستان ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اور اس صفحہ میں اس کے ڈائرکٹر بدل جاتے ہیں۔ اسکے ڈائرکٹر عبارت ہیں: حسین- سے لیکر زینبؑ، عباس بن علیؑ، علی ابن الحسینؑ، قاسم بن الحسنؑ، مسلم بن عقیلؑ، زہیر ابن قینؒ، بریر بن خضیرؒ، ہلال بن نافعؒ اور حبیب بن مظاہرؒ سے۔

سیاہ صفحہ کے لحاظ سے یہ واقعہ بشریت کے ظلم و جنایت کی ایک ایسی نمایشگاہ ہے کہ جو انسانیت کا سر شرم سے جھکا دیتا ہے اور اس آیت کا مصداق ہے:

﴿اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفک الدماء﴾ ''فرشتوں نے پوچھا اے پروردگار! کیا تو ایسے کو (خلیفہ) بنانے والا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے گا'' (بقرہ/۳۰)

جبکہ نظر دوم سے یعنی سفید صفحہ کے لحاظ سے ہم اس واقعہ کو اس آیت کا مصداق پاتے ہیں:

﴿انی جاعلٌ فی الارض خلیفه﴾ ''میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''

اور اس آیت کا بھی:

﴿انی اعلم مالاتعلمون﴾ ''ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے'' (بقرہ/۳۰)

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ہم نے اب تک سکہ کے ایک چہرہ اور ورق کے ایک صفحہ کا مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے اس لحاظ سے مطالعہ کیا ہے کہ حادثہ کربلا ایک جنایتی داستان ہے اب ہم یہاں پر دوسری طرف کا مطالعہ کرنا چاہیں گے، ہم نے بتایا تھا کہ بعض مثلاً ''محمود مسعود'' جیسے لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ مسیحیوں کی روش ہماری روش پر فوقیت رکھتی ہے کہ وہ لوگ حضرت مسیحؑ کی شہادت اور فداکاری پر جشن مناتے ہیں لیکن ہم (شہادت امام حسینؑ) پر عزاداری کرتے یعنی سوگ مناتے ہیں۔ وہ لوگ شہادت کو کامیابی اور ہم شکست جانتے ہیں۔ یہ لوگ اس مسئلہ میں اشتباہ کرتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ مسیحی جو جشن مناتے ہیں

تو اس لئے کہ وہ مسئلہ کو شخصی نظر سے دیکھتے ہیں جبکہ اسلام اس کو اجتماعی نظر سے دیکھتا ہے۔
شخصی اعتبار سے تو ہم بھی اسے کامیابی جانتے ہیں اس کے علاوہ وہ اس لئے بھی جشن مناتے ہیں کہ وہ شہادت کو گناہوں کا فدیہ سمجھتے ہیں۔ وہ جشن مناتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ - شہید ہوئے اور ان کی شہادت سے ان لوگوں کے سر سے سنگین گناہوں کا بوجھ ہٹ گیا جبکہ مسلمانِ واقعی ایسی فکر نہیں رکھتا۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ حسین - کی شخصیت کس طرح سے ایک حماسی شخصیت ہے، کس طرح سے ان کے کلمات حماسی کلمات ہیں اور کیسے کربلا کا حادثہ ایک حماسی حادثہ ہے؟

پہلے یہ عرض کرتے چلیں کہ اس حادثہ میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں تحمّل ہے، صلابت ہے، غیرت ہے مسلک اور فکر کا دفاع ہے، فداکاری ہے، شہادت ہے اور ان خصوصیات کے لحاظ سے یہ حماسہ باقی تمام حماسوں سے امتیاز رکھتا ہے۔

یہ ایک مقدس اور ایک مطلق حماسہ ہے مطلق اس لحاظ سے کہ یہ خاص طور پر کسی ایک قوم یا ملت کیلئے نہیں ہے بلکہ انسانیت کے لئے ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کی راہ میں ہے اس راہ میں ہے جو خلقت کے تمام اہداف سے ہم آہنگ ہے یعنی یہ کہ یہ رضائے خدا کی راہ میں ہے، وگرنہ خداوند شخصی طور پر اور اپنے لئے کوئی چیز نہیں چاہتا کہ رضایت اور عدم رضایت کے لحاظ سے کوئی مقصد رکھتا ہو، دوسری بات ہم نے یہ کہی کہ یہ ایک مقدس حماسہ ہے مطلب یہ ہے کہ ایک فرد کی نگاہ سے یہ کسی شخصی جاہ اور مقام کے حصول کیلئے نہیں بلکہ بشریت کے مقدسات کے لئے ہے، یہ درحقیقت توحید کی راہ میں انسان پرستی سے جنگ ہے، عدل، آزادی اور مظلوموں کی حمایت کیلئے مبارزہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک الٰہی حماسہ ہے، ایک جہانی حماسہ ہے، ایک انسانی حماسہ ہے۔

ایک ایسا قومی ہیرو جو محض اپنی قوم کیلئے کام کرتا ہے، ممکن ہے وہ دوسری قوم کے نقطۂ نظر سے عظیم جنایت کار ہو، اسکندر یونانیوں کی نظر میں عظیم ہیرو ہے لیکن مغلوب قوموں کے نقطۂ نظر سے ایک جنایتکار ہے اس کے برخلاف جس شخص کا ہدف حق، حقیقت، عدالت، حرّیت اور خدا ہو، وہ سب کے لئے ہیرو ہوتا ہے۔

جس شخص کا ہدف پائمال شدہ مادی حقوق کی بحالی ہو، اقتصادی برابری کا حصول ہو، جب قیام کا فلسفہ مادی ہو، اس کی فکری بنیاد کی اصل اقتصاد ہو اور اس کا اصل محرک خواہ مخواہ انفرادی منافع ہو، ایسے قیام مقدس معروف نہیں ہوتے۔

۳۔ تیسرے نمبر پر پروین اعتصامی کے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں۔

۴۔ ہم اس سے قبل مقدس قیام اور عظیم انسانوں کی تشریح کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ سارے مقدس قیام چار خصوصیات رکھتے ہیں خلاصہ کے طور پر یہاں پھر تکرار کیے دیتے ہیں:

اول۔ عمومیت: اس لحاظ سے کچھ مادی نوعیت کی اجتماعی نہضتیں بھی اس میں شریک ہیں۔

دوم۔ قادسیت: یعنی فردی منفعت اور خودخواہی سے منزّہ ہونا۔ اسکندر، نپولین، نادر شاہ، شاہ اسماعیل عظیم شخصیتیں تھیں لیکن......

سوئم۔ اس کی حیثیت گھٹاٹوپ اندھیرے میں شعلہ کی سی ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی حرکت ہوتی ہے جو سکون میں خلل پیدا کر دیتی ہے۔ یہ موت کے طاری سکوت میں ایک تحریک ہے اسی وجہ سے اس طرح کے قیام عقلائے قوم قبول نہیں کرتے......

چہارم۔ قوی بصیرت۔

۵۔ امام حسین - کے خطبے غیرت الٰہی کی حکایت کرتے ہیں اور خود ان کی شخصیت کے عکاس ہیں:

الف۔ امام سے کوئی کہتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی کوئی ایسی حدیث سنائیں جو خود آپ نے انؐ سے سنی ہو، آپؑ فرماتے ہیں:

”ان اللہ یحب معالی الامور و یبغض سفسافھا“، خداوند عالم اعلی اور گرامی کام کو پسند کرتا ہے اور پست اور چھوٹے کاموں سے نفرت کرتا ہے۔“

ب۔ ”الانوار البھیمۃ“ ص ۴۵...... [عن الحسین :ان جمیع ماطلعت علیہ الشمس فی مشارق الارض و مغاربھا، بحرھا و برّھا، سلھلھا و جبلھا عند ولی من اولیاء اللہ و اھل المعرفۃ بحق اللہ کفی

الضلال .ثم قال: الاحرّ یدع ھذہ اللماظۃ لاھلھا. لیس لانفسکم ثمن الاالجنۃ فلا تبیعوھابغیرھا. فان من رضی من اللہ بالدنیافقدرضی بالخسیس] ۱؎

ج۔ [الناس عبیدالدنیاوالدین لعق علی السنتھم ......] ''لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین اُن کی زبان پر ہے''۔

د۔ موت فی عزّ خیرمن حیاۃ فی ذلّ ''عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے''۔

ھ۔ ابوذرغفاری سے مخاطب ہو کر فرمایا:

[فاسأل اللہ الصبرو النّصرو استعذبہ من الجشع و الجزع فانّ الصبرمن الدین و الکرم] ''پس خداوند عالم سے صبر اور مدد طلب کرو اور لالچ اور بے تابی سے اس کی درگاہ میں پناہ مانگو کہ صبر دین اور کرم سے ہے۔''

و۔ [الصدق عزّ، والکذب عجز، والشحُّ فقر، والسخاء غنی] ''سچائی عزت ہے اور جھوٹ زبون حالی، کنجوسی فقر ہے اور سخاوت دولت......''

ز۔ [سبقت العالمین الی المعالی ......] ۲؎

یہ وہ جملے ہیں کہ جو آپ- سے نقل ہوئے ہیں مگر عاشورا سے مربوط نہیں۔ اس وقت پابندیوں کی وجہ سے آپؑ سے کم احادیث نقل ہوئی ہیں اور جو باقی رہ گئی ہیں، وہ اس طرح کی احادیث ہیں۔ مگر حادثۂ عاشورا کے خطبے صفحات تاریخ پر جلی طور پر موجود ہیں:

ح۔ ''سامضی ومافی الموت عارٌعلی الفتی ......''۔ ''بہت جلد چلا جاؤں گا اور موت جوانمرد کے لئے عار نہیں ہے۔''

ط۔ الاترون انّ الحق لایعمل بہ......انی لااری الموت الاسعادۃ ...... ''کیا دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے......میں موت میں بجز سعادت کچھ نہیں دیکھتا......''

۱؎ [ان دو روایت کا ترجمہ پہلے ذکر ہو چکا ہے]

اور عاشورا کے خطبات بھی:

(۱)[الموت اولی من رکوب العار......] (۲)[ان لم یکن لکم دین......]

(۳)[الاوان الدعی ابن الدعی......] (۴)[لااعطیکم بیدی اعطاء......]

۶۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ کربلا کی جنگ عقیدہ اور فکر کی جنگ تھی، نہ کہ اشخاص کی جنگ۔

۷۔ اس پر بھی توجہ رہے کہ ان کا حماسہ ان کی حق پرستی ہے:

[علامۃ الایمان ان تؤثر الصدق حیث یضرک] ''ایمان کی علامت یہ ہے کہ سچ بولیں اگرچہ کہ ضرر رساں بھی ہو''، مکروفریب اور حیلہ سازی سے پرہیز اور کرامت نفس پر تکیہ کرنا حسینیوں کا حماسہ ہے۔

۸۔ جو چیز وجود رکھتی ہے وہ حسین- کا واقعی جاذبہ ہے، پیسہ خرچ کرنے والے؟؟؟۔

[ان لقتل الحسین حرارۃفی قلوب المومنین لاتبرد ابدا] ''قتل حسین- مومنین کے دلوں میں ایسی حرارت ہے جو ہرگز سرد نہیں ہوتی۔'' ۱؎

۹۔ مکتب حسینیؑ سے مکتب حیات اسلام کی تجدید ہونا چاہیے، یامظلوم! اے غریب، اے بے پدر! ایسی چیزوں کو حذف ہونا چاہیے۔

۱۰۔ مسئلۂ شہید پر بات ہونا چاہیے، شہید کی قدر و قیمت، خون شہید کی ارزش اور یہ کہ ہر شہادت اجتماع میں نورانیت کو وجود میں لاتی ہے، ان موضوعات پر گفتگو ہونا چاہیے۔

۱۱۔ شخصیت کی کلید۔

۱۲۔ آپؑ نے کبھی بھی زمانہ کی شکایت نہیں کی۔

۱۳۔ تربیت کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کی روح میں حماسہ کو وجود میں لایا جائے، تاہم الٰہی حماسہ ہونا چاہیے، نہ کہ ملی اور نژادی حماسہ، یعنی ایسا حماسہ جسکی نسبت خیر اور نیکی سے ہو اور جس کی نسبت اجتماع کے سالم سنن سے ہو اور قطعی طور پر شہید حماسہ آفرین ہے [و ان کان الافلیکن تعصبکم فی

۱؎ [مستدرک الوسائل ج ۲، ص ۲۱۷]

محامدالخصال]۔

نہج البلاغہ خطبہ۱۹۰ (قاصعہ) میں یہ جملہ یوں ہے:

[فان کان لابدمن العصبیة فلیکن تعصبکم لمکارم الخصال و محا مدال افعال]

''اب اگر تمہیں فخر کرنا ہی ہے تو چاہیے کہ پاکیزہ اخلاق اور قابل تحسین اعمال پر کرو فخر وناز۔''

۱۴۔ اجتماع اس وقت اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہے جب افراد کی روح میں حماسہ اور احساس تشخیص موجود ہو، زندگی کے بارے میں ایک مستقل فلسفہ ہو اور وہ اس پر ایمان رکھتے اور تکیہ کرتے ہوں۔

۱۵۔ انسان اور حیوان میں اگر مکر وحیلہ ہو تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس میں ضعف وناتوانی اور کمزوری موجود ہے اور اگر اس میں کرامت نفس ہو تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس میں قوت اور نیرومندی کا وجود ہے۔

۱۶۔ انحطاط اور پستی کے شعار کو حسینیؑ اور روح حسینیؑ کے شعار سے حذف ہوجانا چاہیے جیسے اس طرح کے شعار: 'یا مظلوم!' یا غریب، اے بے مادر!، اے بے پدر!، اور اس طرح کے اشعار:

ای خاک کربلاتوبه من یاوری نما   چون نیست مادری توبه من مادری نما

افسوس که مادری ندارم   فرزند وبرادری ندارم

ازتشنگی فتاده به جانم شراره ای   ای قوم بی حقوق به حالم نظاره ای

۱۷۔ حماسی سخن، حماسی تاریخچہ اور حماسی شخصیت وہ ہے جو روح میں غیرت، شجاعت، حمیت پیدا کرے اور جنگ کے لئے متحرک کرے، جو بدن کی رگوں میں خون کو جوش دلائے، جو بدن کو قوت، حرارت، چستی اور چالاکی بخشے اور جو حقیقت میں بدن کو حیات تازہ دے۔ دوسرے الفاظ میں جو انقلاب اور شورش کی لہر پیدا کرے اور جو ظلم اور ظالم کے مقابلہ میں ڈٹ جانے اور پائیداری کی حس کو وجود میں لائے۔

۱۸۔ اسلام کے اخلاقی اصولوں اور اجتماعی تجدید حیات کے لحاظ سے امام حسینؑ اسلام کی ایک بے نظیر شخصیت ہیں، آپؑ انقلابی اور حماسی احساسات کو متحرک کرنے اور اسلامی شخصیت بنانے کے لحاظ سے بھی بے نظیر ہیں۔

۱۹۔ اجتماعی اور روحی حماسہ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرد یا اجتماع کو کسی دوسرے فرد یا اجتماع میں جذب ہونے نہیں دیتی کیونکہ اس کی شخصیت خود استقلال اور ہمت کا پیکر ہوتی ہے۔

۲۰۔ کسی قوم کی کوئی اور چیز اگر منہدم ہوجائے تو وہ قابل جبران ہوسکتی ہے اور اس کی اصلاح ممکن ہوتی ہے لیکن اگر قومی حماسہ اور روحِ ملی ہاتھ سے چلی جائے تو پھر وہ قابل جبران نہیں رہتی، امام حسین۔ نے حماسہ اسلامی کو زندہ کیا اور اس عنوان سے اسلام کو نئی حیات بخشی۔

کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اسلام کو زندہ کیا، اسلام کی تجدید حیات کی، اپنے خون سے اسے قوت بخشی اور اس کی آبیاری کی، یہ سب باتیں صحیح ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کس طرح سے اور کس ڈھنگ سے؟

آپؑ نے اسلام کے حماسہ کو زندہ کیا، مسلمانوں کی روح کو شخصیت، حریت، غیرت اور ہدف عنایت کیا ان کے خون کو جوش دلایا، بدن سے سستی اور بے حسی کو نکال باہر کیا اور روح کو حرکت میں لائے، کفر اور ظلم وستم سے مبارزہ کرنے کے حماسہ کو زندہ کیا۔

۲۱۔ اسلام کی طرف دعوت: ﴿قولو لا الہ الا اللہ تفلحوا﴾ سے شروع ہوئی۔ یہ دعوت ایک عجیب حسن رکھتی ہے خود یہ جملہ اختصار کے باوجود، چونکہ خالق کل کے علاوہ تمام معبودوں سے بشر کی آزادی کا اعلان ہے اور انسان کے مقابلہ میں ہر معبود کی تحقیر ہے، اس نے بشر میں ایک نوع کا حماسہ اور احساس شخصیت کو وجود دیا: ''کیا میں بت کے آگے، ایک بشر کے آگے، ایک آسمانی ستارے کے آگے اور دنیا ومافیہا کے آگے سر جھکاؤں؟ کبھی بھی ایسا نہیں ہوسکتا، میں فقط اپنے خالق اللہ کی درگاہ میں جھک سکتا ہوں''۔

یہ بات قطعی ہے کہ اسلام نے عربوں میں احساس شخصیت کو وجود بخشا، قومی شخصیت اور عربی شخصیت کو نہیں بلکہ بلندترین احساسات سے لبریز توحیدی اور انسانی شخصیت کو، اسلام نے ان کی نظر میں عبادت اور اطاعت کے مقابل ہر چیز حقیر بنادی اور خدا کی اطاعت کو آئیڈیل قرار دیکر استوار کیا۔

۲۲۔ عالم اور حماسی شخصیت میں فرق ہے (اس اصفہانی عالم کا قصہ کہ قم کے اساتذہ میں سے کسی سے ایک مفت کتاب کی درخواست کی تھی)

۲۳۔ مسئلہ مروت پر بھی بحث ہونا چاہیے کہ یہ عدالت کی شرائط میں سے ایک ہے۔

۲۴۔ برطانیہ میں ایک سفید فام عورت کا سیاہ فام مرد سے شادی کرنا ا (کہ جس نے شور بپا کر دیا تھا) یہ شخصیت کے ہار جانے کی ایک علامت ہے (اس بارے میں کتاب ''زن و آزادی'' ص ۹ پر رجوع کریں) یہ شعار کہ ایرانیوں کو جسمی اور روحی، ظاہری اور باطنی طور پر فرنگی ہو جانا چاہیے، نیز یہ آوازیں اور وضع قطع بھی اب تبدیل ہونا چاہیے کہ لباس بدل دیں، نام بدل دیں، بیگانوں کی طرح ''بائی بائی'' یا گڈ بائی'' بولنا، بیگانوں کی طرح کھانا کھانا، حتی کہ ان کے طرز پر ڈکار لینا، بیگانوں کی عید کو اپنی عید سے زیادہ اہم جاننا، یہ سب خود باختگی اور شکست خوردگی کی علامات ہیں۔

۲۵۔ استقلال فکری یعنی انسان کا اپنی زندگی کے بارے میں کچھ اپنے اصول رکھنا، ان پر کامل ایمان اور اعتماد رکھنا اور اس کی روح میں ان کی نسبت ایک قسم کا حماسہ موجود ہونا۔ اس کو ملی غرور اور اجتماعی غرور وغیرہ کہتے ہیں۔

حماسہ رکھنے کے علامات میں سے ایک علامت تمام سنتوں اور قوانین کا احترام ہے اپنی وضع قطع بدلنا، لباس میں تغیر، نام رکھنے میں دوسروں کی پیروی کرنا اور زولا، یا روزی جیسے نام رکھنا، فرنگی ماڈلوں کے لباس اپنانا، بے گانوں کے الفاظ استعمال کرنا، ٹیلیوکوان کے نام پر رکھنا، بے گانوں کی عید جنوری کو اپنی ملی اور مذہبی عیدوں پر مقدم رکھنا ''بائی بائی، گڈ بائی'' کہنا۔ بالآخر بیگانوں کے شعار اپنانا' روحی استقلال کے فقدان اور حماسہ کے ناپید ہونے کی دلیل ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ ''ہمارا مٹی کا کوزہ خود ہمارے اپنے ہاتھوں سے بننا چاہیے، نہ کہ دوسروں کے ہاتھوں سے'' اقبالؒ ہی کے بقول ''ہمیں خود فولاد ہونا چاہیے تاکہ روٹی ہمارے ہاتھ میں ہو'' نہ کہ بقول موسولینی: ''ہمارے پاس فولاد ہونا چاہیے تاکہ ہمارے پاس روٹی ہو'' دوسرے لفظوں میں اقبالؒ کہتے ہیں کہ ہمیں صلابت اور حماسہ رکھنا چاہیے، جبکہ موسولینی کہتا ہے کہ ہمیں طاقتور ہونا چاہیے۔

۲۶۔ جس نے بھی کہا ہے' سچ کہا ہے کہ:

کہن جامۂ خویش پیراستن   بہ از جامہ عاریت خواستن

''اپنا پھٹا پرانا لباس پہننا بہتر ہے، اس سے کہ دوسروں سے مانگ کر پہنیں۔''

۲۷۔ فکری استقلال اور حماسہ رکھنا ضروری ہے، تاہم دوسروں کے علمی، فنی اور ہنری خوبیوں اور اچھے نکات کو اپنانا منع نہیں ہے جو چیز اہم ہے وہ یہ کہ دوسروں کو ہضم کر لیں، نہ کہ خود دوسروں کے ہاضمہ کی نذر ہو جائیں۔

۲۸۔ ہم ایرانیوں میں یہ عیب ہے کہ تمام قوموں سے زیادہ ہم لوگ بیگانوں کے کھوکھلے شعار کے سامنے جھک جاتے ہیں، حقائق کی نسبت تعصب نہیں رکھتے، بیگانوں کے کھوکھلے شعاروں کو بھی بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔

ہندوستان کا درجہ اول کا دانشمند بھی اپنے قومی لباس کی حفاظت کرتا ہے (تاریخ علوم، پی، یروسو)۔ سیاستمدار ''نہرو'' بھی ہندی لباس کی حفاظت کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ میں ہندی ہوں۔ ہندوستانی کو ہندوستانی رہنا چاہیے، نہ کہ مغرب زدہ ہو کر یورپی شعار میں ہضم ہو جائے۔ لیکن اگر ہم میں سے کوئی دیکھے کہ کسی اہل مغرب نے ایک زنّار پہنا ہے تو ہم ایک کے بدلے دو زنّار پہن لیں گے۔ دوسرے لفظوں میں ہم استعماری فکر کیلئے کلّی طور پر آمادہ ہیں۔ استعمار فکری بہت زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ (اس قسم کے استعمار میں) انسان دشمن کی طرح فکر کرتا ہے اور خود یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہ استعمار زدہ ہے۔ ہمارے ہاں استعمار فکری سے بھی بڑھ کر ایک اور فکر موجود ہے اور وہ استسباع (درندہ) فکری ہے یعنی ہم ایک حیوان کی مثل اس کی طرف دوڑ کر جا رہے ہیں، جو ہمیں پھاڑ ڈالے گا۔

۲۹۔ فکری استقلال کی قدر، اپنی فلسفۂ زندگی پر اعتماد اور اپنی شریعت اور اپنے قوانین ونظام کا احترام، علم سے بھی بہت زیادہ اہم ہیں، ایک پڑھی لکھی قوم ممکن ہے کہ کسی دوسری قوم میں تحلیل ہو جائے لیکن وہ قوم وملت جو تشخص اور استقلال کا احساس رکھتی ہو، اس کے لئے کسی دوسرے میں تحلیل ہونا ممکن نہیں ہے۔ الجزائری، ویت کانگ نے کسی علمی دلیل کے تحت فرانسیسی اور امریکی استعمار سے جنگ نہیں لڑی تھی بلکہ اس حماسۂ روحی کی خاطر جنگیں لڑی تھیں جو انمیں موجود تھی۔

۳۰۔ کتاب ''اقبال شناسی'' صفحہ ۶۹ پر ہے کہ اقبال کے عقیدہ میں چند چیزیں قومی شخصیت کو تقویت دیتی ہیں اور چند چیزیں شخصیت کو کمزور کرتی ہے۔

تقویتِ شخصیت کے عوامل

الف۔ عشق اور آئیڈیل (نمونۂ کامل)۔البتہ انسانیت کے عالی اصول سے عشق، نہ فردی ونژادی عشق اور نہ ہی قوم وقبیلہ کا عشق۔

ب۔ فقر (استغناء)[استغن عمن شئت......]

ج۔ غیرت۔

د۔ تحمل اور بردباری

ھ۔ کسب حلال

و۔ اخلاقی تربیتی پروگراموں میں شرکت۔

تضعیفِ شخصیت کے عوامل

الف۔ ترس۔

ب۔ گدائی اور سوال (کسی بھی شکل وصورت میں دوسروں پر بوجھ بن کر رہنا) ہر وہ کامیابی جو بغیر کوشش کے حاصل ہو، گدائی ہے (اقبال شناسی ص ۷۰)۔

ج۔ کسی بھی شکل وصورت میں غلامی اور ذلت، خواہ وہ اجتماعی ہو یا سیاسی، اقتصادی ہو یا اخلاقی۔

د۔ غرور نژادی یا نسب پرستی، نسلی غرور اور اپنے خاندان پر فخر ومباہات کرنا انسانوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرتا ہے۔ یہ عمل ذاتی اقدار میں اختلاف کرنا ہے اس کو محو اور نابود ہونا چاہئے (اقبال شناسی ص ۷۴)۔

۳۱۔ اقبالؒ کہتے ہیں ''وہ جامعہ جو سعادت سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ ''خودی'' (یعنی مجتمع گروہ اور اس کی اجتماعی حالات) کی ہدایت کرے اور اس کو کامل مرحلہ تک پہنچائے۔اس ہدف کا حصول اپنی روایات کی حفاظت اور پاسبانی کے سایہ میں ہی ممکن ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی زندگیوں میں ایک

مہم کی صورت اپنی روایات یعنی سنن، نظام اور مراسم کا ایفا کریں تو قوم یہود کی تاریخ کی طرف رجوع کرنا ہوگا، یہ چھوٹا سا ٹولہ گزشتہ صدیوں میں تمام ممالک میں فشار کی زندگی گزارتا رہا اور کچھ ایسے مواقع بھی آئے کہ یہ نابود ہونے والے تھے لیکن قوم یہود ان طوفانوں سے جان بچا لے گئی اور اس نے اپنی بقا کی حفاظت کی، ان کے باقی رہ جانے کی علت یہ ہے کہ وہ تمام مصائب وآلام اور مشکلات کے باوجود اپنے قوانین وضوابط وسنن کے وفادار رہے، ہر فرقہ اور جمعیت اپنی سعادت اور کامیابی کے دور میں کچھ مسلم روایات ایجاد کرتے ہیں اور تیرہ وتاریک ایام میں جب مصیبت اور بدبختی سے دوچار ہوتے ہیں، اس وقت اُن کے لئے نجات حاصل کرنے کا تنہا راستہ یہ ہوتا ہے کہ ان روایات کے مطابق عمل کرے تاوقتیکہ آسائش اور فرج کا دن آجائے'' (اقبال شناسی ص ۸۰)۔

۳۲۔ شخصیت، درحقیقت طبیعت کا احساس ہے یہ دراصل کسی دینی، قومی یا کسی مسلک کی شخصیت سے وابستگی کا اعلان ہے۔

شخصیت کے تحفظ کی ایک شرط دینی اور قومی شعار کی تعظیم ہے۔ ''جسمی، روحی، ظاہری اور باطنی طور پر مغرب زدہ ہونا چاہئے'' ایسا شعار بیگانوں میں تحلیل اور فنا ہو جانے کا فتویٰ ہے۔

استعمار کا ہدف فقط شخصیت اور روحی وفکری استقلال کو ختم اور نابود کرنا ہے، نہ جاہل رہنا، نہ عالی شان مکانات نہ رکھنا، نہ ظاہری طور پر زرق وبرق نہ ہونا، یہ سب ان کے اہداف نہیں ہیں۔

کہاوت ہے: ''دوسرے کا مردہ گدھا اس کی نظر میں خچر ہے۔''

دو چیزیں کسی کے اندازے کو درہم برہم کرتی ہیں:

ا۔ عشق اور محبت

۲۔ مرعوبیت۔نقصانوں میں سب سے عظیم نقصان شخصیت کا تباہ ہونا ہے۔افسوس اس ملت کی حالت پر کہ جس کا افتخار بیگانوں کی زبان میں بولنا ہو اور ان کے آداب کو اپنانا ہو۔

۳۳۔ جرمنی کہتے ہیں ہم دوسری جنگ عظیم میں سب کچھ ہار گئے، سوائے اپنے تشخص کے۔

خلاصہ

الف۔ہم کہتے ہیں کہ امام حسین- نے اپنے اس قیام اور مبارزہ سے ظلم کے محل کی بنیاد ہلا دی' اسلام کو نئی زندگی بخشی اور دین کے شجر کی آبیاری کی۔ یہ کس طرح اور کیسے کیا؟

یہ اس طرح سے ہوا کہ آپؑ نے مسلمانوں کی معنوی شخصیت کو بیدار کیا، اور ان کے مردہ حماسہ کو زندہ کیا (ہم نے شخصیت سے متعلق اور مستقل زندگی گزارنے کیلئے فلسفۂ ملّی رکھنے اور دینی شعائر کے احترام سے متعلق احترام و تعظیم کے جو عظیم ترین سرمایہ ہے حتی کہ علم سے بھی بڑھ کر ہے ،اس بارے میں کچھ بحث و گفتگو کی)۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے عرب کو کیا دیا؟ شخصیت دی (شخصیت کی خاصیت یہ ہے کہ پھر وہ کسی دوسرے میں جذب ہونے میں مانع ہوتا ہے، جو بھی کم و کسر ہو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے، مگر شخصیت کو بدلنا ممکن نہیں ہوتا)۔ آپؐ نے شخصیت کس راستہ سے دی؟ اسلام کے اصولوں پر ایمان لانے کے راستے سے کہ یہ طبیعی طور پر شخصیت آفرین ہے۔

شخصیت کا نقصان عظیم ترین نقصانوں میں سے ہیں ڈرنا، عاجز ہونا، بیچارہ ہونا، خوار و ذلیل ہونا، غلام بننا، تملق کرنا اور باقی تمام پست صفات شخصیت کے کھو بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

امام حسین- نے ملت اسلام میں حماسہ اور غیرت ایجاد کی۔ ان میں حمیت، شجاعت اور سلحشوری کو وجود بخشا۔ خون کو جوش میں لائے (امام حسینؑ اب بھی بے نظیر سرمایہ ہیں اور ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے) امام حسینؑ کی شہادت ایسی نہ تھی کہ اس سے مرعوبیت کو وجود ملے، بلکہ اس کے برعکس ...... مرعوبیت کی خاصیت فکری استحصال اور استسباع (درندگی) ہے۔[۱] لندن میں سفید فام عورت کا سیاہ فام مرد سے شادی کرنا مرعوبیت کی ایک علامت ہے (یہ واقعہ حماسہ حسینی جلد ا، کے دوسرے باب میں نقل ہوا ہے)

شخصیت کی تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ عشق، استغناء، غیرت، تحمل اور بردباری کو وجود میں لائیں اور

۱ [یہ واقعہ اس کتاب کی پہلی جلد کے دوسرے باب میں نقل ہوا ہے۔]

خوف، غلام صفتی، گدا صفتی اور نسلی و ملّی غرور کو درمیان سے ختم کر دیں یہ سب چیزیں حماسۂ حسینیؑ میں وجود رکھتی تھیں۔

حماسۂ سیدالشہداء -

ا۔ ''اخلاق اسلامی کے محور میں کرامت نفس'' سے متعلق بیان میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ ہمارے زمانہ میں ایک اصطلاح ہے کہ بعض ارواح حماسہ سے خالی ہوتی ہیں اور بعض حماسہ کی مالک اور یہ بھی بتایا تھا کہ بعض حماسہ دوسروں کے مقابل ایک قسم کا احساس شخصیت رکھتے ہیں۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حماسہ سے خالی اور عاری ہیں وہ اپنے آپ میں تمام تر احساس حقارت، تبعیت اور شکست خوردگی پاتے ہیں انکی روح میں دفاع کے قابل کسی بھی فکر اور عقیدہ کا وجود نہیں ہوتا اگر وہ دفاع کرتے ہیں تو صرف اپنے مال اور جان کا دفاع کرتے ہیں، کسی دوسری چیز کو نہ تعلق کے قابل گردانتے ہیں اور نہ دفاع کے قابل سمجھتے ہیں ان میں وطنیت، قومیت، نسل و خاندان، زبان، دین، آئین، حریت اور کرامت ذاتی کچھ نہیں ہوتا ان کی باتوں سے کسی طرح کی شخصیت آشکار نہیں ہوتی یہ اس حیوان کی طرح ہوتے ہیں جو بولتا ہو، ان کے برخلاف بعض لوگ اپنے آپ میں احساس شخصیت رکھتے ہیں ان کی روح میں ایک قسم کا حماسہ ہوتا ہے، جرمن قوم میں حماسہ (جرمن سب سے برتر ہیں) موجود تھا، عرب میں بھی غیر عرب پر فوقیت کی خو موجود تھی اور اسلام نے اس سے مبارزہ و مقابلہ کیا کم و بیش ہر قوم میں ایک قسم کا حماسہ موجود ہوتا ہے اور اسلام کی نظر میں تمام قومی حماسے قابل مذمت ہے۔

لیکن ایک اور قسم کا حماسہ بھی ہے اور وہ حماسۂ انسانی ہے اگر اس کو تعصب کہا جائے تو یہ قابل مدح و ستائش تعصب ہے وہ حماسہ کرامت نفس' آزاد منش اور عزت نفس کے ہونے اور ذلت کی زندگی قابل تحمل نہ ہونے کا حماسہ ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں حماسی آیات موجود ہیں مثلاً آیۂ

﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ﴾ ''ساری عزت اللہ، رسول اور صاحبان ایمان کیلئے ہے''(منافقون/۸)

اور یہ آیت کریمہ:

﴿لن یجعل اللہ الکافرین علی المومنین سبیلا ﴾ ''اور خدا کفار کو صاحبان ایمان پر کوئی غلبہ (تسلط) ہرگز نہیں دے گا۔''(نساء/۱۴۱)

حماسہ درحقیقت معنوی زندگی کی کیفیت پر ایک قسم کی توجہ ہے لیکن کچھ کیفیتیں موہوم اور بے اساس ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ ''جرمنوں کو ختم ہو جانا چاہیے یا وہ دنیا پر حکمرانی کریں''۔

اسی طرح کے دوسرے حماسے بھی ہیں جو برتری کی طلب اور تقدم جوئی کے لئے ہیں لیکن حماسہ کی ایک اور قسم وہ کیفیت ہے جو واقعیت رکھتی ہے اور وہ ایک شخص یا ملت کی حیات کا حماسہ ہے جسکی بدولت انسان دوسروں کا محکوم نہیں ہوتا، انسان آزاد خلق کیا گیا ہے حضرت علی - نے امام حسنؑ سے فرمایا:

[ولا تکن عبد غیرک وقد جعلک اللہ حرّاً'' ''دوسروں کے غلام مت بنو کیونکہ خدا نے تمہیں آزاد خلق کیا ہے.''[1]

یا یہ کہ انسان اپنے آپ کو جھوٹ، دوسروں کی غیبت اور دوسروں سے خیانت میں آلودہ نہیں کرتا ہے۔

۳۔ نفس المہموم ص ۱۸۷ پر حضرت سید الشہداء - کے یہ اشعار نقل ہیں:

''وان تکن الدنیا تعد نفیسۃً فدار ثواب اللہ اعلی وانبل'' ''اگرچہ دنیا کو نفیس اور گراں بہا شمار کریں لیکن خانۂ جزائے الٰہی (آخرت) کہیں زیادہ نفیس اور برتر ہے''

[1] [نہج البلاغہ نامہ/۳۱]

آٹھواں باب

نہضت حسینیؑ میں تبلیغی عنصر کی یاداشت

نہضت حسینیؑ میں تبلیغی عنصر

۱۔ نہضت حسینیؑ ایک متشابہ نہضت ہے یعنی اس کے بیک وقت کئی رخ، کئی پہلو، کئی دور، کئی تہ ہیں اور اس میں بڑی گہرائیاں ہیں اس کا ایک پہلو تبلیغ ہے یہ تحریک بیعت سے انکار کے حوالے سے امتناع ہے اسکے علاوہ تمرد بھی ہے، عصیان بھی اور سرپیچی بھی، یہ تحریک جہاد بھی ہے اور امر بہ معروف اور نہی ازمنکر بھی، اتمام حجت بھی ہے (اہل کوفہ کی دعوت کے حوالے سے) اور تبلیغ بھی، نیز دنیا اور دنیا والوں کیلئے پیام اسلام اور ندائے اسلام کا ابلاغ بھی ہے۔

۲۔ عصر جدید میں پیغام اسلام کو پہنچانے میں بہت سی مشکلات درپیش ہیں کیونکہ ہزاروں مراکز سے (شہوانی، جنسی اور اقتصادی مراکز سے لے کر فکری اور سیاسی مراکز تک) ہزاروں پیغام لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

۳۔ عصر حاضر کی تبلیغاتی جنگ میں فوج کی ہم آہنگی، مہارت اور تکنیک کی مورچہ سنبھالنے کی ضرورت کی اشیاء فراہم کرنے کی، حاکم کی اور نظم وانضباط کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ تبلیغاتی جنگ چونکہ خود اصل جنگ کی شکل اختیار کرلیتی ہے اس لئے آیت: ﴿واعدوا لهم ما استطعتم﴾ بھی یہاں پر حکم فرما ہے، البتہ تبلیغ لوگوں کے حوالہ سے اور پیغام دینے والوں کے حوالہ سے فقط ایک دوستانہ ابلاغ ہے جبکہ کسی دوسرے کے کاموں کو زائل کرنے اور مخالف تبلیغ کرنے کے حوالہ سے یہ جنگ ہے۔

۵۔ ایک پیغام کی موفقیت اور کامیابی کی چار شرائط ہیں:

الف۔ پیام کو غنا (بے نیاز) اور پرمحتویٰ ہونا چاہئے (غنائے منطقی، غنائے احساسی، غنائے عملی) دوسرے الفاظ میں پیام ایسا ہونا چاہیے جو عقل ودل کیلئے جاذب ہو اور جو زندگی کی مشکلات حل کرنے کی قدرت رکھتا ہو یہاں سے ہمیں تبلیغ کے وسائل وآلات نہ رکھتے ہوئے بھی اسلام کی پیشرفت کا اصلی راز معلوم

ہوتا ہے جب کہ اسکے برخلاف دوسرے اکثریتی مذاہب، جیسے مسیحیت اور اقلیتی فرقے، جیسے یہود اور بہائی، اس قدر پیشرفت نہیں کرسکے۔

ب۔ تبلیغ کے آلات ووسائل کے لحاظ سے امکانات کا فراہم ہونا اسکے علاوہ اجتماعی احاطہ کی دوسرے شرائط کا موجود ہونا۔

ج۔ تبلیغ کا طرز اور کیفیت بہ مقابل تحقیق کا طرز، تعلیم کا طرز (علمی مسائل کی تعلیم۔ تبلیغ، اجتماعی اور معنوی اہداف سے مربوط ہو) یادگیری (حفظ کرنا) اور بہرہ گیری (استفادہ کرنا) کی طرز، کتابداری (کتاب شناسی) کی طرز، مدیریت کا طرز اور ڈھنگ۔

د۔ پیام پہنچانے والے کی اخلاقی اور فنی صلاحیت۔

۶۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نہضت حسینیؑ میں ہم عنصر تبلیغ کے وجود کو فقط اسی صورت میں بیان کرسکتے ہیں کہ جب ہم اس نہضت کا عامل فقط بیعت سے انکار کو نہ جانیں بلکہ درحقیقت تبلیغ کا عامل دوسرے دو عاملوں یعنی کوفہ کے لوگوں کی (زمام حکومت کو ہاتھ میں لینے کی) دعوت قبول کرنے اور امر بہ معروف اور نہی ازمنکر سے مختص ہے۔

امام کا مدینہ سے مکہ کی طرف خروج کرنا اور شعبان سے لے کر ذی الحجہ تک کہ جو عمرہ کے ایام تھے مکہ میں قیام پذیر رہنا، جسکے بعد حج کے ایام شروع ہوئے، ہم نہیں سمجھتے اس لئے تھا کہ دشمن اس وقت تک حرم الٰہی کی حرمت کی حفاظت کررہا تھا بلکہ ہمارے خیال میں آپؑ کے مکہ میں قیام کی دیگر تین علتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی یہ کہ خود ہجرت تبلیغاتی ارزش وقیمت رکھتی ہے اس ہجرت نے ارباب اقتدار کو تکان پہنچایا اسکے ذریعہ امامؑ اپنی ندا کو بہتر طریقہ سے آگے پہنچا سکے اور یہ ہجرت مخالفت وامتناع کا پہلا اقدام اور مہم کا آغاز تھا، دوسری وجہ یہ تھی کہ مکہ وہ سرزمین ہے جہاں دنیا کے گوشہ وکنار سے لوگ آتے ہیں اور امام کیلئے لوگوں سے ملاقات کرنے کا یہ بہترین موقعہ تھا، تیسری علت یہ ہے کہ مکہ کو اپنے قیام

کیلئے انتخاب کرنا اس بات کا اعلان تھا کہ آپؑ کے لئے امن نہیں ہے' اگر چہ کہ بعد میں مکہ بھی آپ کیلئے جائے امن نہ رہا۔

۷۔ امامؑ کا روز ترویہ، یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو کہ جو منٰی اور عرفات کی طرف حرکت کرنے کا دن ہے مکہ سے خروج کرنا مکہ میں اقامت سے کہیں زیادہ جھنجھوڑنے والا عمل تھا اس عمل کی مکہ میں قیام سے کہیں زیادہ تبلیغی ارزش تھی اور پیام اسلام پہنچانے میں یہ بہت زیادہ مؤثر تھا، امامؑ کا بنواُمیہ کے تسخیر شدہ کعبہ کی طرف پشت کرنا جبکہ امور حج یزید کی حکومت چلا رہی تھی اور اس حج کا ظاہر اسلام اور باطن جاہلیت تھا آپؑ کا یہ عمل اعلان کر رہا ہے کہ اسلام کی یہ خالی صورت نہیں ہے کہ لوگ آرام سے آسودہ خاطر بیٹھے رہیں بلکہ حج معنی وحقیقت رکھتا ہے اور آج اس کو بھی خطرہ لاحق ہے۔

۸۔ آپؑ کی تبلیغات کی تیسری تکنیک یا تدبیر یہ تھی کہ آپؑ اپنے اہل بیتؑ اور بچوں کو بھی ساتھ لے کر چلے اس طرح سے گویا آپؑ نے دشمن کو بغیر آگاہی کے اپنا نوکر بنا لیا، امام حسینؑ یزید اور یزیدی اسلام کے خلاف حسین۔ کے اسلام کو لے کر شہر شہر گئے اور یہ حکمت عملی نہضت حسینیؑ کے اہم ترین تبلیغی عناصر میں سے ایک ہے۔

۹۔ اباعبداللہؑ کی چوتھی تبلیغی تکنیک سفر کی مختلف منزلوں سے لیکر دسویں محرم تک تمام تر قیام کے دوران مروت اور انسانیت کے اصلوں کا احترام ہے جسکی مثال دشمن کو پانی پلانا اور جنگ کا آغاز نہ کرنا وغیرہ ہیں۔

۱۰۔ امامؑ کی پانچویں تبلیغی تکنیک اپنے پیام کو بہتر طریقہ سے پہنچانے کے لئے نمائشگاہ ایجاد کرنا اور اس میں رنگ آمیزی کرنا ہے، اس ضمن میں شیر خوار بچے کے خون کو آسمان کی طرف پھینکنا کہ "**عند الله احتسبه**" (اس کو میں خدا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں) اپنے سر اور چہرہ کو خون سے خضاب کرنا کہ میں خدا سے اسی حالت میں ملاقات کروں گا' قاسمؑ سے گلوگیر ہونے کا منظر اور حبیب بن مظاہر کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ یہ طبیعی نمائشگاہ' مصنوعی شکل رکھنے کے باوجود اپنے اندر آیات قرآنی کی طرح سے قبول کروانے کی استعداد رکھتی ہے۔

۱۱۔ جو چیز آجکل ہمیں الہام بخشتی ہے وہ ان لوگوں کے قلم نہیں جنہوں نے اسلام کو کاغذ پر بیان کیا ہے بلکہ ان لوگوں کے قلم ہیں جنہوں نے اسلام کے برجستہ خطوط کو اپنے خون سے اپنے جسموں پر، اپنی پیشانیوں پر اور اپنے شگافتہ سروں پر لکھا ہے: [**وقتل فی محرابه لشدة عدله**] ''اور وہ اپنی محراب عبادت میں شدت عدالت کی خاطر قتل کر دیئے گئے'' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مقدس محاسن اپنے شکستہ دندان پر اور اپنی گردنوں کی رگوں پر لکھ گئے ہیں۔

ہم آج کس قدر اشتباہ، غلطی کرتے ہیں: [**مدادالعلماء افضل من دماء الشهداء**] (علماء کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون سے افضل ہے) کے جملے سے شہید اور شہادت کی قدر و قیمت کو کم کرتے ہیں۔ ہاں! آج ہمارے لئے جو چیز الہام بخش ہے وہ قلم نہیں بلکہ تاریخی جانبازیاں ہیں، زمین پر بہے ہوئے خون ہیں اور نورانی سرگزشت ہیں اسلام کے پیام کو جہادوں، ہجرتوں، فداکاریوں اور جانبازیوں نے تمام دنیا تک پہنچا دیا ہے۔

۱۲۔ اباعبداللہؑ اپنی نہضت کو خون آلود بنانے اور سرخ رنگ دینے کا مصمم قصد رکھتے تھے (آقای مرحوم آیتی کے بقول) کیونکہ سرخ رنگ سب سے زیادہ قائم رہنے والا رنگ ہے اور حداقل سب سے زیادہ نمایاں رنگ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ عاشورا میں ایک نوع کی رنگ آمیزی کا عمل نظر آتا ہے۔

موافق حالات نہ پانے اور اپنے قیام میں مایوس ہونے کے بعد امامؑ کا آتش بیان خطبے ارشاد فرمانے کا ایک مقصد ہے، اپنے خاندان کے لوگوں کو ان مایوس کن حالات کے باوجود وہاں سے واپس جانے کا حکم نہ دینا بلکہ ان میں شوق شہادت ابھارنا اس عمل کا ایک مقصد ہے شہادت کیلئے امامؑ کے حضور اصحاب و اعوان کا نصرت طلب کرنا ایک مقصد کے تحت ہے اور اسی طرح حُر کو مرنے کی اجازت دینا اور شب عاشورا حبیب بن مظاہر کو بنی اسد کے پاس بھیجنا مقصد کے تحت ہے۔

۱۳۔ اباعبداللہؑ کے عجیب کام اور آپؑ کا اپنی نہضت کو خون کے رنگ میں رنگنا:

الف۔ کتاب ابصارالعین ص ۱۵ پر ہے: امامؑ کے استغاثہ کے بعد جب زنان اہل حرم کی آہ وفغان اور گریہ وزاری کی آواز بلند ہوئی تو امامؑ ان کو خاموش کرنے کیلئے آئے اسی اثناء میں:

[**واخذ طفلا لہ من یداختہ زینب فرماہ حرملة اوعقبة بسھم فوقع فی نحرہ (نحرالطفل) کماسیأتی فی ترجمتہ فتلقی الدم بکفّہ ورمیٰ بہ نحوالسماء وقال :ھوّن علیّ مانزل بی انہ بعین اللہ**] ''اپنے ایک بچے کو اپنی بہن زینب کی گود سے لیا اسی اثناء میں حرملہ یا عقبہ نے ایک تیر پھینکا جو بچے کے گلے میں جالگا حضرتؑ نے بچے کے خون کو اپنے چلو میں لیا آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: جو مصیبت بھی میرے سر پر آئے وہ میرے لئے آسان ہے چونکہ خدا دیکھ رہا ہے''۔

ب۔ ابصارالعین ص ۱۵ پر ہے:'

'**ثم جردسیفہ فجعل ینقف الھام ویوطئی الاجسام ،ورماہ رجل من بنی دارم بسھم فاثبتہ فی حنکہ الشریف فانتزعہ وبسط یدیہ تحت حنکہ فلما امتلاتا دماً رمی بہ نحوالسماء وقال: اللّٰھم انی اشکوالیک مایفعل بابن بنت نبیک**]

''اس کے بعد (حضرتؑ نے) تلوار کھینچ لی جسے آپؑ اہل کوفہ کے سروں پر مارتے اوران کے بدنوں کو زیر پا کرتے جاتے یہاں تک کہ بنودارم کے ایک شخص نے ایک تیر پھینکا جو حضرتؑ کے گلوئے پاک میں جالگا حضرتؑ نے تیر کو باہر نکالا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو گلوئے پاک کے نیچے رکھا جب چلّو خون سے بھر گیا تو اسے آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: پروردگارا! میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں کہ تیرے نبیؐ کے نواسے کے ساتھ یہ اس طرح پیش آرہے ہیں۔''

ج۔ ابصارالعین ص ۱۶:

[**وجعل ینوء برقبتہ (برکبتہ)ویکبوفطعنہ سنان فی ترقوتہ 'ثم انتزع السنان**

فطعنہ فی بوانی صدرہ،ورماہ سنان ایضاً بسھم فوقع فی نحرہ 'فجلس قاعداًونزع السھم وقرن کفیّہ جمیعاًحتی امتلاتامن دمائہ فخضب بھمارأسہ و لحیتہ وھویقول:ھکذاالقی اللہ مخضباًبدمی مغصوباًعلی حقی]

''اور (حضرت) بہت مشکل سے اٹھ پاتے تھے اور دوبارہ سینہ کے بل زمین پر گر جاتے تھے۔ سنان نے ایک نیزہ آپؑ کی ہنسلی اور گردن کے درمیان پیوست کیا پھر وہاں سے اور آپؑ کے پسلیوں میں گھونپ دیا اور اسی سنان نے ایک تیر پھینکا (نوٹ: بعید نہیں کہ یہاں سنان اشتباہ ہو اور وہ درامی ہی ہو) جو حضرتؑ کے گلوئے پاک میں لگا۔ آپؑ زمین پر بیٹھے' تیر کو حلق سے نکالا اور اسکے بعد دونوں ہاتھوں کو گردن کے نیچے رکھ کر خون سے چلو بھرا، اسی سے اپنے سر اور داڑھی کا خضاب کیا اور فرمایا: میں اسی طرح اللہ کا دیدار کروں گا کہ اپنے خون میں آلودہ ہوں اور میرا حق غصب کیا گیا ہے۔

۱۴۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں شاعری نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس میں آہنگ (نغمگی) ہے اور آہنگ بھی مختلف ہیں ہر آہنگ آیات سے اور ان کے معانی سے متناسب۔ طہٰ حسین نے کتاب مرآۃ الاسلام (آئینۂ اسلام ترجمہ فارسی، مرحوم آیتی) میں بیان کیا ہے کہ حادثہ کربلا بھی شبیہ پذیر یا نمائش پذیر ہے اس میں بہت سے موضوعات اور مباحث ہیں یہ درحقیقت ایک واقعی اور طبیعی حادثہ ہے لیکن اس نے ایسی صورت اختیار کی کہ آپ کہیں گے جیسے کوئی نمائش نامہ تیار کیا ہوا ہے ہم بتلاتے ہیں کہ اس حادثہ کا شبیہ پذیر ہونا اور اس کا مختلف موضوعات کا حامل ہونا کیوں اور کیسے ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ حادثہ کربلا کی یہ بناء رہی ہے کہ اسلام کے تمام ابعاد اور تمام زاویئے متجلی ہو جائیں دوسرے الفاظ میں اس حادثہ میں عملی اور واقعی طور پر (نہ فقط ظاہری طور پر اور دوسروں کو دکھانے کیلئے تماشے کے طور پر اسلام کے تمام زاوئیوں کو تجسم دیا گیا ہے تا کہ یہ عمل کے مرحلہ میں کامیاب ہو جائے۔

فکر کو تجسم دینا، جامۂ عمل پہنانا کبھی صرف نقش ہوتا ہے، ایک نمائش کی طرح سے اس کی فقط شکل وصورت

ہوتی ہے، اس میں روح نہیں ہوتی۔ یہ درحقیقت خیال کے ساتھ کھیلنا ہے جیسا کہ آقای راشد نے نقل کیا تھا کہ کسی باہر کے ملک کے میوزیم (عجائب خانہ) میں ایک بہت خوبصورت عورت کا مجسمہ ایک تختہ پر اس طرح بنا ہوا تھا کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی جوان مرد پہلے اس عورت سے ہم آغوش ہوا تھا تصویر میں وہ جوان مرد ایک پاؤں نیچے رکھ کر منہ پھیرے ہوئے تھا یعنی فرار کی حالت میں تھا اور وہ جوان بھی بہت خوبصورت تھا، آرٹسٹ نے بتلانا چاہا تھا کہ یہ افلاطون کی ایک فکر کا تجسم ہے کہ ہر عشق اپنے آخری مرحلہ پر بیزاری میں تبدیل ہوجاتا ہے اور معشوق وصال کی وجہ سے مورد نفرین ہوجاتا ہے لیکن یہ تجسم ایک بے روح تجسم ہے اس کے برخلاف اسلام میں زندہ، جاندار ذی روح اور واقعی تجسمے ہیں۔ حادثۂ کربلا ہر پہلو سے اسلام کا ایک تجسم ہے لیکن جاندار اور ذی روح۔

حادثۂ امام حسینؑ کو آپ خواہ ایک حماسی اور نصیحتی حادثہ کہیے، جنگی حادثہ اور ٹریجڈی (المیہ) کہیے یا عشق الٰہی، مساوات اسلامی اور عواطف انسانی کی نمائش کہیے، یہ سب کے سب کو کمال بلندی تک مختلف قہرمانوں، بوڑھے، جوان، مرد، عورت، آزاد، غلام، بالغ اور بچوں سے مل کر وجود میں آیا ہے اور اسلام کے تمام پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے۔ یہ توحید، عرفان، عشق الٰہی، تسلیم و رضا، حق کے ساتھ محبت اور خدا کے ساتھ پاکبازی کو بھی دکھاتا ہے، اس میں اعتراض کا پہلو بھی ہے اور محرومین سے ہمدردی کا پہلو بھی، اخلاقی اور انسانی حماسہ بھی ہے اور وعظ و نصیحت کا پہلو بھی۔ اس میں شجاعت تحرک اور تحمس کا درس بھی ہ ہے، اسلامی عدل و مساوات بھی عیاں ہے اور یہ اخلاقی عواطف کی اعلیٰ ترین تجلی بھی ہے مثلاً ایثار وفاداری (حضرت ابوالفضل العباسؑ کی داستان) اور اس میں سبقت لینا۔ یہ ہے امام حسینؑ کے قیام کے جامع ہونے کے معنی۔

یہ قیام ہدف، مقصد، فکر اور نظر کے لحاظ سے اسلام کے تمام اصلی تصورات (آئیڈیولوجی) کا حامل ہے، محض کسی ایک خاص پہلو کو لیے ہوئے نہیں اور اپنے وجود میں لانے والوں اور عہد کرنے والوں کی نگاہ سے بھی یہ تمام کا تمام اسلامی ہے۔ میں محتشم جیسے شعراء کی کلی طور پر نفی نہیں کرتا ہوں، جس طرح عمان

سامانی اور صفی علی شاہ کی نہیں کرتا ہوں۔ محتشم نے اس واقعہ کے المناک اور دل پگھلانے والے زاویئے پر زور دیا ہے جبکہ دوسرے دونوں نے اس تحریک سے عرفانی اور عشق الٰہی کے پہلو نکالے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس واقعہ کے اجتماعی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس قیام، تحریک اور نہضت (یہ تمام کلمات اس واقعہ کو بیان کرنے سے قاصر ہیں) میں یہ تمام پہلو موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک اس حادثہ کے زاویوں میں سے ایک زاویہ اور اس کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے۔ البتہ یہ ایک کامل توحیدی اور تمام مراتب کا جامع حادثہ ہے۔

توحیدی اور عرفانی پہلو

☆ ۔[رضی اللّٰہ رضانا اھل البیت] ''جو خدا کی رضا ہے وہ ہم اہل بیتؑ کی رضا ہے۔''

☆ ۔[رضاً بقضائک و تسلیماً لامرک لامعبود سواک یاغیاث المستغیثین] ''تیرے قضاء وقدر پر راضی ہوں اور تیرے حکم پر سر تسلیم کئے ہوئے ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے فریاد کرنے والوں کی فریاد رس!''

☆ ۔آخری لحظات میں آپ کے چہرہ پر رونق ہونا۔

☆ ۔کچھ اصحاب کے بارے میں امام سجادؑ کی احادیث۔

☆ ۔شب عاشورا کا زمزمہ یا معراج حسینؑ۔

☆ ۔روز عاشورا کی نماز۔

☆ ۔تمام شدائد و مصائب میں [عند اللہ احتسب]۔

درشتی اور غصہ کا پہلو

☆ ۔[الاوانّ الدّعی......]

حماسہ آفرینی، مردانگی اور شرافت کے پہلو

☆ ۔ [الموت اولی من رکوب العار] ''ذلیل وخوار ہونے سے مرنا بہتر ہے۔''

☆ ۔ [هيهات منالذلّة] ''ذلت ہم سے دور ہے۔''

☆ ۔ ابن ابی الحدید کہتا ہے: [سيداهل الاباء (اباة الضيم] ''یعنی ظلم وستم اور قوت کے آگے سر نہ جھکانے والوں کے سردار۔

☆ ۔ [لااعطيكم بيدى اعطاء الذليل ولاافرفرار العبيد] ''نہ میں ذلت کے ساتھ بیعت کیلئے تمہارے آگے ہاتھ بڑھاؤں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح فرار اختیار کرونگا''۔

☆ ۔ [ويلكم ياشيعة آل ابى سفيان ان لم يكن لكم دين فكونوااحراراًفى دنياكم] ''وائے ہوتم پرائے آل ابی سفیان کے گروہ !اگرتمہارے پاس دین نہیں تو کم ازکم تم اس دنیا میں آزادلوگوں کی سی زندگی گزارو''

☆ ۔ [لاارى الموت الاسعادة والحياة مع الظالمين الابرما] ''میں موت کوسعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کوذلت سمجھتا ہوں''۔

حادثہ کا اخلاقی پہلو

الف۔مروّت

درشجاعت شیربانیستی درمروت خود که داند کیستی

''شجاعت میں آپ-خدا کے شیر ہیں' مروت میں کوئی کیاجانے کہ آپ کیا ہیں''۔

☆ ۔ حر کی لشکر کو پانی دینا۔

☆ ۔ حر کے توبہ کو قبول کرنا۔

☆ ۔ تیراندازی میں پہل کرنے پر راضی نہ ہونا۔

☆ ۔ جنگ شروع ہونے سے قبل شمر کی طرف تیر پھینکنے پر راضی نہ ہونا کہ جس طرح خود آپؑ کے پدر بزرگوار

علیؑ نے ابن ملجم کے ساتھ کیا تھا۔

یہ سب مروت کے نمونے ہیں۔

ب۔ایثار

☆ ۔ جنگ موتہ میں تین یادس افراد کی داستان یا اس کے علاوہ دوسری داستانیں۔

☆ ۔ اہل بیتؑ کا ایثار۔

☆ ۔ سورۂ دہر۔

☆ ۔ ابوالفضلؑ کا ایثار۔

ج۔ صداقت اور سچائی۔

د۔ وفا: عمر بن قرظہ کا وقتِ شہادت امام حسین-کی خدمت میں عرض کرنا: [اوفيت؟] ''کیا میں نے اپنے عہد پر وفا کی ہے'' [1]

موعظی اور نصیحتی پہلو

الف۔ خوداباعبداللہ - کی نصیحتیں

☆ ۔ [الناس عبيدالدنياوالدين لعق على السنتهم] ''لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین فقط ان کی زبانوں پر ہے''۔

☆ ۔ آپ کے خطبوں میں نصیحتیں۔

☆ ۔ جناب زہیر کے مواعظ۔

☆ ۔ اباعبداللہ-کا جملہ کہ تم نے نصیحت کو کمال پر پہنچادیا۔

☆ ۔ حنظلۂ شامی کا مواعظ۔

---

[1] [نفس المہموم ص۱۴۰]

اصول اجتماعی اور مساوات اسلامی

☆۔ جناب ابوذر غفاریؓ کے غلام جون کی داستان:

فوقف علیہ الحسین وقال: اللّٰھم بیض وجھہ وطیب ریحہ واحشرہ مع الابرار وعرف بینہ وبین محمد وآلہ ''امام حسینؑ نے (جون کے پاس) توقف کیا اور فرمایا: خداوندا اس کا چہرہ منور فرما دے اور اس کے بُو کو مہکا دے اور اسے نیکوکاروں کے ساتھ محشور فرما اور اس کے اور آلِ محمدؐ کے درمیان شناسائی برقرار رکھ'' ۱؎

☆۔ ترکی کے غلام کی داستان ۲؎

۱۵۔ تبلیغ کا میدان طبیعی طور پر شہادت کے بعد، فاجعہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد، کینہ پروروں اور طمع کاروں کے احساسات فرو ہونے اور ان کی جگہ رقت انگیز احساسات کے پیدا ہونے کے بعد' مظلومیت کا پہلو رونما ہونے اور حق کے ثابت ہونے کے بعد ہی زیادہ وسیع طور پر فراہم ہوتا ہے۔ اباعبداللہ کی شہادت کے بعد آپ کے اہل بیتؑ مکرم کے ذمہ ایک طرف بہرہ داری کا مرحلہ تھا اور دوسری طرف حادثہ کی حقیقت سے شناسائی کرانا اور جھوٹی تبلیغات کے پیدا کردہ تاریک پردہ کو چاک کرنا تھا۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

[**ان الفتن اذا اقبلت شبھت و اذا ادبرت نبّھت**] ''یاد رکھو فتنے جب کھڑے ہوتے ہیں تو لوگوں کے ذہنوں میں حق کے بارے میں شبہات ڈال دیتے ہیں اور جب برطرف ہو جاتے ہیں تو ہوشیار کر جاتے اور حق کو روشن کر جاتے ہیں'' ۳؎

دراصل اہل بیتؑ اور امام حسینؑ کی حقیقی شناسائی نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ فتنے کے شور و غل کے وقت انسان اس میں غرق رہتا ہے اور جب ایسے موقعوں پر خود بھی واقعہ میں شامل رہتا ہے تب تو صحیح نقطۂ نظر سے بالکل بھی آگاہ نہیں ہو پاتا، جبکہ کنارے پر ایک طرف بیٹھ کر دیکھنے والا انسان بہتر طریقہ سے واقعہ کا

۱،۲؎ [نفس المھموم ص ۱۵۵،۱۵۶] ۳؎ [نہج البلاغہ خطبہ ۹۳]

مطالعہ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے اذہان کو طبیعی طور پر جریانات اور واقعات کے ختم ہونے کے بعد ہی روشن کیا جا سکتا ہے اسی لئے تبلیغات کو بہتر انداز میں پیش کرنا اسیرانِ اہل بیتؑ کی اہم ترین ذمہ داری تھی۔ یہاں پر دو مقدموں کا ذکر لازمی ہے:

الف۔ روایات کی منطق کے پیش نظر اور ہمارے اس خاص اعتقاد کے مطابق کہ امامؑ اور عالمِ مافوقِ بشری یعنی عالم غیب میں اتصال وارتباط ہے، امام حسینؑ کے تمام امور کسی پروگرام اور پیش بینی کے تحت تھے اور ان امور میں کوئی اشتباہ ہونا یا انکا تصادفی واتفاقی ہونا ممکن نہیں ہے۔ امامؑ کا خواتین اور بچوں کو ایسے پر خطر سفر میں ساتھ لے جانا اس وقت کے ان عقلاء کو کہ جن کا محور فکری اباعبداللہ اور اہل بیتؑ کی جان بچانا تھا، سمجھ میں نہ آتا تھا اور وہ اسے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ امامؑ کا حتی حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر ملنے اور اپنی سرنوشت کے مسلّم اور قطعی ہو جانے کے بعد بھی اہل بیتؑ کو مدینہ واپس نہ بھیجنا بتاتا ہے کہ یہ ایک پروگرام کے تحت ہونے والے امور تھے۔

روایات میں بھی ذکر ہوا ہے کہ عالم رویاء میں پیغمبر اسلام ﷺ نے امام حسینؑ سے فرمایا:

[**ان اللّٰہ شاء ان یراک قتیلاً و ان اللّٰہ شاء ان یراھن سبایا**] ''خداوند عالم آپ کو شہید اور آپ کے خاندان کو اسیر ہوتے دیکھنا چاہتا ہے''

البتہ اس حدیث سے جو مقصود ہے وہ ارادۂ تشریعی تھا، نہ کہ ارادۂ تکوینی۔ ارادۂ تکوینی سے مراد حتمی الٰہی قضاء وقدر ہے جبکہ ارادۂ تشریعی سے مراد مصلحت اور رضائے الٰہی ہے جیسے یہ آیت کریمہ ہے:

﴿**یرید اللّٰہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر**﴾ ''خدا تمہارے بارے میں آسانی چاہتا ہے زحمت نہیں چاہتا'' (بقرہ/۱۸۵)

خلاصہ یہ ہے کہ روایات کی منطق کے مطابق' امامؑ کا خواتین اور بچوں کو ساتھ لے کر جانا مصلحت کی بنیاد پر تھا جسے ابن عباس جیسے درک نہیں کر سکتے تھے۔

ب۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ عورت تاریخ سازی میں تین قسم کے کردار رکھتی ہے یا رکھ سکتی ہے پہلا یہ ہے کہ

عورت ایک بہت گراں بہا چیز ہے اور نتیجتاً محض ناقص اور کسی کردار کے لائق نہیں ہے۔ چونکہ گراں بہا شے ہے، اس لئے بے کردار ہے یہ وہی منطق ہے کہ جسکے سبب عورت کو بس گھر کے کونے میں بٹھانے مرد کی خدمت کرانے، بچے جننے اور دودھ پلانے ہی کے لائق سمجھا جاتا ہے، برخلاف اس کے کہ وہ بچہ کی روحی استعداد کو ترقی اور بالیدگی دے، اس کی تعلیم وتربیت پر واقعی توجہ دے اور اس کی شخصیت تیار کرے۔

اس منطق کے مطابق عورت کے جس قدر ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہوں وہ اتنی ہی بہتر اور گراں بہا ہے جتنی زیادہ بے زبان ہو، اتنی ہی بہتر اور زیادہ گراں بہا ہے، جتنی زیادہ بے خبر ہو، اتنی ہی زیادہ بہتر اور زیادہ گراں بہا ہے، جتنی زیادہ بے ارادہ ہو بہتر، جتنی زیادہ ناآگاہ ہو بہتر، جتنی زیادہ اسیر اور مسلوب الارادہ ہو بہتر اور جتنی زیادہ بے ہنر اور اثر پذیر ہو اتنی ہی بہتر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی انسانی شخصیت کو تین اصول تشکیل دیتے ہیں: آگاہی، آزادی اور اخلاق ان تینوں چیزوں کا عورت میں جس قدر فقدان ہو، وہ اسی قدر بہتر۔ اس صورت میں عورت ایک مرد کا کھلونا ہوتی ہے، البتہ تمام جامعہ کے مردوں کا کھلونا بہرحال نہیں بن جاتی۔

عورت کا تاریخ سازی میں دوسرا کردار یہ ہے کہ ہم کلی طور پر مرد اور عورت کے درمیان تفاوت اور فرق کو ختم کرلیں۔ ان تمام حدود کو کہ جن سے عورت محترم ہوتی ہے ختم کردیں اور عورت کو ایک کلی طور پر مورد استفادہ اور بہرہ برداری کے قابل چیز قرار دے دیں یعنی مرد اور عورت کے درمیان فاصلہ اور حریم کو کلی طور پر ختم کردیں۔ اس نظریہ کے تحت عورت ایک شخصیت تو ہے اور تاریخ ساز بھی ہے لیکن اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں اور اس کا کردار زیادہ تر تاریخ کو فاسد کرنے کی جہت میں ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں عورت پہلے نظریہ کے مطابق کچھ حدتک عزیز محبوب اور قدر وقیمت کی حامل تھی لیکن ضعف، کمزور اور گراں بہا چیز تھی لیکن اس دوسرے نظریہ کے مطابق وہ ایک شخصیت تو ہے لیکن بے ارزش اور بے قدر وقیمت شخصیت۔

تیسرا کردار وہ ہے کہ جس کی مکتبِ اسلام حمایت کرتا ہے یعنی یہ کہ عورت ایک گراں بہا شخصیت ہے اور اسکی قدر وقیمت دو چیزوں سے وابستہ ہے:

ایک تو خاص انسانی استعداد سے یعنی یہ کہ وہ علم، ارادہ، قدرت، ابتکار اور اخلاق سے بہرہ مند ہو اور دوسرے یہ کہ وہ ابتذال سے دور اور ہر مرد کی مورد مفاد بننے سے دور رہے۔ پس مکتبِ اسلام عورت کی حرمت کی نگہداری کے ساتھ ساتھ اس میں استعداد پیدا کرنے اور اس کے کمالات میں نمودار بالیدگی لانے کا حامی ہے۔ اسلام میں عورت کا حریم ہونا نہ تو محبوسیت ہے یعنی بالکل الگ تھلگ ہو کر گھر میں محبوس رہے اور نہ ہی اختلاط ہے یعنی مردوں کے ساتھ شیر وشکر ہو کر رہے۔

ان مطالب کی رُو سے تاریخ کبھی فقط مذکر محض اور کبھی مختلط ہوتی ہے مرد اور عورت کے اس خلط ملط اور اس بے راہ رُو میل جول ہی کی وجہ سے تاریخ پلید ہوتی ہے لیکن ایک اور تاریخ بھی ہے جو مذکر ومؤنث تو ہے مگر اس طرح سے کہ مرد اپنے دائرہ میں اور عورت اپنے دائرہ میں رہ کر کردار ادا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کبھی عورت تاریخ سازی میں مؤثر عامل نہیں ہوا کرتی ہے، کبھی عامل تو ہوتی ہے مگر مختلط اور درحقیقت مرد کا کھلونا بن کر اور کبھی تاریخ سازی میں عامل ہوتی ہے مگر اپنے دائرہ میں رہ کر۔

اسلامی تاریخ میں عورت قرآن کریم کے فرمان کے مطابق ایک مؤثر عامل ہے یعنی از روئے قرآن اسلامی تاریخ مذکر ومؤنث ہے (یعنی انسانی ہے) اس میں مرد وعورت ہر ایک اپنے خاص مدار کو محفوظ رکھتا ہے دوسرے لفظوں میں اسلامی تاریخ ''مذنث'' ہے ''زوج'' ہے۔

ہم نے ''زن در قرآن'' کے اوراق میں اس کے بارے میں بحث کی ہے۔

حادثہ کربلا بھی ایک ''انسانی'' تاریخ ہے یعنی تاریخ زوج ہے نہ تاریخ فرد، مذنّث ہے نہ فقط مذکر، مذکر اور مؤنث ہے، نہ مذکر محض۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق عورت جب تک محض عشق بازی کا اور مردوں کی ہوسِ نظر کا وسیلہ رہتی ہے اور اپنی آرائش وزیبائش کے ذریعہ مردوں (اور وہ بھی عمومی مردوں) کی محفل سجانے اور گرم رکھنے میں مصروف رہتی ہے، وہ کبھی بھی تاریخ میں مستقل اور مؤثر نقش نہیں رکھتی، تاہم، ہم تاریخ میں عورت کے غیر مستقیم بنیادی تاثیر کے منکر نہیں۔ کہتے ہیں کہ عورت مرد کی تربیت کرتی اور مرد کو بناتی ہے، اس بات کو سب جانتے ہیں کہ عورت نے بہت سے فرزندوں اور شوہروں

کے ذریعہ سے تاریخ تشکیل دی ہے۔ ہماراموضوع گفتگو یہاں عورت کے مستقیم کردار کے بارے میں ہے۔

قرآن کریم جہاں صدیق اور طاہر مردوں کی بات کرتا ہے وہاں صدیقہ اور طاہرہ عورتوں کو بھی یاد کرتا ہے کہ یہ مردان صدیق کی حدتک بلکہ ان سے بھی بالاتر ملکوتی مقام رکھتی ہیں، حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کی قدرومنزلت کودیکھ کردنگ رہ جاتے ہیں۔ حضرت آدمؑ کی ہمسر (حوا)، سارہ، ہاجرہ، آسیہ، مادرِ موسیٰؑ خواہر موسیٰ، حضرت مریم اور حضرت زہرا = (کوثر) قرآن کی طاہرہ عورتیں ہیں حضرت خدیجہ تاریخ اسلام کی طاہرہ ہیں۔

قرآن کریم نے مومن مرداور مومنہ عورتوں، مہاجر مرداور مہاجرعورتوں، اطاعت گزار مرداور اطاعت گزار عورتوں، صادق مرداور صادقہ عورتوں اور صالح مرداور صالحہ عورتوں کو یاد کیا ہے۔

دنیا کے کچھ قوانین میں عورت کو فقط فریب اور گناہ کا عنصر تصور کیا جاتا ہے اس تصور نے یہاں سے جنم لیا ہے کہ شیطان حوا کے ذریعہ آدم پر مسلط ہوا اور یہ فلسفہ آج تک چلا آرہا ہے کہ شیطان عورت کو فریب دیتا ہے اور عورت مرد کو۔ لیکن قرآن اس منطق کو قبول نہیں کرتا۔

۱۶۔ حضرت زینب = کے خطبے مجموعی طور پر چند حصوں میں منقسم ہیں:

الف۔ ملامت اور سرزنش

[یااهل الکوفة ،یااهل الختل والغدر والخذل الافلارقأت العبرة ولاهدأت الزفرة'انمامثلکم......هل فیکم الاالصّلف والعجب ؟] ''کوفہ والو! اے مکارو دغاباز لوگو! اے بے غیرت لوگو! خدا کرے کہ تمہارے آنسو خشک نہ ہوں اور تمہاری آہیں سرد نہ ہوں تم اس داستان میں کس کے ساتھ رہے ہو؟ ......آیا بجز چاپلوسی ،خود بینی و......تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟''

ب۔ اشتباہ، خطاسے آگاہی

[فابکوافانکم احریاء بالبکاء ،فقدابلیتم بعارهاومنیتم بشنارها'ولن ترحضوهاابداً' وانی ترحضون قتل سلیل خاتم النبوة ومعدن الرسالة وسیدشباب اهل الجنة وملاذحربکم ومعاذحزبکم ومقرسلمکم وآسی کلمکم ومفزع نازلتکم والمرجع الیه عندمقاتلتکم ومدرة حججکم ومنارمحجّتکم] ''پس روؤ کہ تم اسی لائق وسزاوار ہو......تمہارے دامن پر ذلت کی گرد بیٹھ چکی ہے یہ بدنامی کا داغ تمہارے دامن پر ہمیشہ رہے گا اور تم اسے ہرگز نہ چھڑا سکو گے اور اس دھبے کو تم کیسے چھڑا سکتے ہو کہ تم نے جنت کے جوانوں کے سردار اور فرزند رسول کو قتل کیا ہے جو جنگ میں تمہاری پناہ گاہ اور صلح کے زمانے میں تمہارے آرام وسکون کا باعث تھا جو تمہارے زخموں کا طبیب تھا، جو مشکلات کے وقت تمہاری پناہ گاہ تھا' جو تمہیں حج کے بارے میں بیان کرنے والا اور تمہاری راہ کا روشن مینار تھا، تم نے اسے ڈھادیا''۔

ج۔ ضمیر کو جھنجھوڑنا' عواطف کو حرکت میں لانا

[ویلکم اتدرون ایّ کبدلرسول اللهفریتم 'وایّ عهدنکثتم ،وایّ کریمة له ابرزتم 'وای حرمة له هتکتم 'وای دم له سفکتم] ''وائے ہو تم لوگوں پر! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے رسول اللہ ؐ کا کونسا جگر کاٹا ہے؟ کیسا پیمان توڑا ہے؟ ان کی بیٹیوں کو بے پردہ کر کے کس کی حرمت کی ہتک کی ہے؟ اور کس کس کا خون بہایا ہے؟''

[لقدجئتم شیئاًادًّا تکادالسّموات یتفطرن منه ......] ''سچ تو یہ ہے کہ تم نے بہت برا کام کیا ہے نزدیک ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑے۔''

۱؎ [تاریخ یعقوبی ج۲،ص۲۴۶]

د۔ انتقام الٰہی

[فلایستخفنکم المهل فانه عزّوجلّ لایحفزه البدار ولایخشی علیه فوت الثار' کلاان ربک لناولهم لبالمرصاد] ''اس مہلت سے تمہیں مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا کسی کام میں عجلت کرنے سے منزہ ہے بے گناہ خون کو پامال کرنے سے ڈرو کہ وہ انتقام لینے والا ہے اور ہم سب کو دیکھ رہا ہے۔''

۱۷۔ ہم نے تبلیغ کے موضوع پر گفتگو میں بتایا تھا کہ ایک پیغام کی موفقیت اور کامیابی کی چند شرائط ہیں:

(۱) پیام کا حق ہونا اور پیام کے مطالب سے آشنائی۔

(۲) جائز امکانات اور وسائل بروئے کار لانا اور غیر مشروع وسائل سے استفادہ کرنے سے پرہیز کرنا۔

(۳) صحیح طریقہ اور اسلوب اختیار کرنا۔

(۴) خود پیام پہنچانے والے کی شخصیت۔

یہاں ہمارا موضوع بحث دو مطالب ہیں: ایک بحث کلی ہے اور وہ پیام پہنچانے والے کی شرائط کے بارے میں ہے۔ دوسری بحث جو جزئی ہے، وہ اہل بیت ؑ کی شخصیت کی تاثیر اور ان کی تبلیغ کے اثر سے متعلق ہے۔ اہل بیت ؑ کی تبلیغ کے دو پہلو تھے: ایک پہلو اسلام کو پہچوانا اور دوسرا لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا تھا۔

دوسرے پہلو کے بارے میں ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ دشمنانِ اہل بیت نے زمینہ بنایا ہوا تھا، اوضاع واحوال پر کس طرح کا پردہ ڈالا ہوا تھا، وہ کیا چاہتے تھے اور اہل بیت ؑ نے کس طرح سے اس پردۂ نفاق کو چاک کیا۔ ابن زیاد اپنی مجلس میں حضرت زینب = سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

[الحمدللہ الذی قتلکم وفضحکم واکذب احدوثتکم] ''اس خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا، شرمندہ کیا اور تمہاری باتوں کو جھٹلایا''

جملہ الکذب احدثتکم سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے تم نے دیکھا حکومت درحقیقت

ہمارے ہی ہاتھوں میں ہونا چاہیے اور تمہاری باتیں ناحق تھیں، اسی لئے خدا نے تمہیں مغلوب کیا۔ یہ منطق ان لوگوں کی منطق ہے جو ہمیشہ موجود نظام ہی کو بہترین نظام سمجھتے ہیں اور حالات بہتر اور موافق ہونے کو خدا کے راضی ہونے کی دلیل بتلاتے ہیں کہ اگر یہ حکومت صحیح نہ ہوتی تو خدا خود اس کو درمیان سے ہٹا کر ختم کر دیتا۔ لیکن اب چونکہ یہ حکومت ہے اور درست بھی ہے، اس لئے اسے ہونا بھی چاہیے۔ یہاں ''ہے اور ہونا چاہیے'' کے درمیان ایک رابطہ ہے چونکہ یہ حکومت موجود ہے اس لئے اسے ہونا بھی چاہیے اور یہ صحیح بھی ہے (یہ منطق مذہبِ جبریہ کے معتقدین کی منطق ہے جو جبر کو عین عدل بتلاتے ہیں یہ منطق مرجیہ ہے) یہ ویسی ہی بات ہے جیسی دور جاہلیت میں کی جاتی تھی:

﴿انطعم من لویشاء اللہ اطعمه﴾ ''ہم انہیں کیوں کھلائیں خدا اگر چاہتا تو خود ہی کھلا دیتا''

(یٰس/۴۷)

یا جیسا کہ یہ آیت کریمہ ہے:

﴿تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعزمن تشاء وتذل من تشاء﴾ ''خدا جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے'' (آل عمران/۲۶)

آیت کی اس طرح سے تفسیر اور تعبیر ایک عظیم مغالطہ ہے۔

مگر حضرت زینب = جواب دیتی ہیں:

[الحمدللہ الذی اکرمنابنبیه محمدواطهرنامن الرجس تطهیراً انمایفتضح الفاسق ویکذب الفاجرو هوغیرنا والحمدللہ] ''حمد وستائش ہے اس خدا کے لئے جس نے ہمیں اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعہ عزت بخشی اور کثافتوں سے ہمیں پاک رکھا ذلیل تو فاسق ہوتا ہے اور نابکار جھوٹ بولتا ہے اور الحمدللہ ہم تو ایسے نہیں بلکہ ہمارا غیر ایسا ہے۔''

ابن زیاد نے کہا:

[کیف رایت صنع اللہ باخیک ،قالت: کتب اللہ علیھم القتل فبرزوا الی مضاجعھم ، وسیجمع اللہ بینک وبینھم ،فانظر لمن یکون الفلج ،ھبلتک اُمُّک یا ابن مرجانہ......فغضب ابن زیاد و استشاط ......] ''دیکھا خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا ؟ (حضرت زینب = نے) فرمایا: یہ ایک جماعت تھی جس کے لئے خدا نے شہادت لکھ دی تھی ، چنانچہ وہ ابدی قیام گاہ میں جا کر محوآرام ہوگئے ہیں قیامت کے دن خدا ان کے اور تیرے درمیان فیصلہ کرے گا اور تجھ سے خون کا قصاص لے گا ،اس روز تجھے معلوم ہو جائے گا کہ کامیاب کون ہے؟ ابن مرجانہ! تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے۔ یہ جملہ سن کر عبیداللہ ابن زیاد کو غصہ آ گیا......''

جب ابن زیاد علی ابن حسین- کے پاس پہنچا' اس نے کہا:

[من انت؟: فقال انا علی ابن الحسینؑ .فقال :الیس قد قتل اللہ علی بن الحسینؑ 'فقال لہ علیؑ : قد کان لی اخی یسمّٰی علیا' قتلہ الناس 'فقال لہ ابن زیاد: بل اللہ قتلہ .فقال علی ابن الحسینؑ: اللہ یتوفّی الانفس حین موتھا......فغضب ابن زیاد فقال: وبک جُرأۃُ لجوابی وفیک بقیۃ لرّدّ علیّ! اذھبو ابہ فاضربوا عنقہ......]

''تم کون ہو؟ فرمایا: میں علی ابن الحسینؑ ہوں۔

ابن زیاد نے کہا: کیا خدا نے علی ابن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟

علیؑ ابن الحسینؑ نے فرمایا: میرے ایک بھائی کا نام بھی علی ابن الحسینؑ تھا، جنہیں لوگوں نے قتل کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا: اسے خدا نے قتل کیا ہے۔

علیؑ ابن الحسینؑ نے فرمایا: خدا موت کے وقت روح قبض کرتا ہے......ابن زیاد غضبناک ہو کر بولا: مجھے جسارت کے ساتھ جواب دیتے ہو، اس کو لے جاؤ اور اس کی گردن مار دو!''

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ابن زیاد منطق جبریہ کو اپنے کام کے لئے تائید بنانا چاہتا تھا جو بھی واقعہ

اور حادثہ ہو، وہ بالآخر اپنی حمایت کے لئے کسی فلسفہ کا محتاج مند ہوتا ہے۔ تبلیغاتی جنگ وہیں ہوتی ہے کہ جہاں فلسفے آپس میں ٹکرائیں۔

اہل بیت پیغمبرؐ کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے دشمن کے اقناعی (خود کو قادر و توانا جاننا) فلسفہ کو مستحکم ہونے نہیں دیا۔

ان ذوات مقدسہ کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے خود دشمن ہی کے ذریعہ نزدیک سے عوام الناس سے رابطہ قائم کیا، جبکہ صورت یہ تھی کہ اس سے پہلے لوگ رابطہ کی جرأت نہیں رکھتے تھے خود حضرت زینب = نے دشمن کے اسٹیج سے استفادہ کیا، دشمن کے اسٹیج سے استفادہ کرنے کا مطلب جنگ کو دشمن کے گھر کھینچ کر لیجانا ہے۔

اہل بیتؑ کے اس طرح سے موقع سے فائدہ اٹھا کر حقیقت شناسائی کرانے کے عمل نے کوفہ کو انقلاب کی ایک چھاؤنی میں تبدیل کر دیا۔ اسی کوفہ کے لوگ کہتے تھے:

[کھولھم خیر الکھول وشبابھم ......] ''ان کے بوڑھے بہترین بوڑھے ہیں اور ان کے جوان......''

خلاصہ یہ کہ کوفہ وشام اور بین راہ کے حالات اہل بیتؑ حرم کے جانے سے پہلے اور جانے کے بعد مختلف تھے۔

کوفہ میں ایسا انقلاب آیا جو توّابین کو وجود میں لایا اور بعد میں اسی کوفہ نے شام اور ابن زیاد کے خلاف قیام کیا۔ ابن زیاد کوفہ والوں ہی سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا اور شام میں اس انقلاب کا اثر وہی ہے جو مسجد اموی میں ظہور پذیر ہوا۔

یزید کا آخری ایام میں اپنی روش کو تبدیل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مغلوب ہو گیا تھا اور اس کا یہ حکم دینا کہ اہل بیت امامؑ کو عزت واحترام کے ساتھ مدینہ واپس لے جایا جائے، اسی جہت سے تھا۔ اسی طرح اس کا قیام حرّہ میں یہ حکم دینا کہ خصوصاً علی ابن الحسین- سے نہ ٹکرانا، یہ بھی اس کے مغلوب ہونے ہی کی علامت تھی۔

---

۱ [تحف العقول ص ۲۴۵]

نواں باب

متفرق یاداشت

آیا امام حسینؑ کے لئے کوئی خصوصی حکم تھا؟

مرحوم آیتی کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''کتاب کافی میں ایک صحیح حدیث ہے جسے ضُریس کنانی کی بہت معتبر سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ: ''حُمران بن اعین شیبانی نے امام باقرؑ سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، امیر المومنینؑ اور حسنینؑ کی زندگی میں جو واقعات گزرے ہیں، ان کا ذکر فرمائیے۔ خروج اور قیام سے لے کر جہاد فی سبیل اللہ تک، ان تمام باتوں کے بارے میں کہ جن میں وہ حضراتؑ گرفتار ہوئے، ظالموں کے ہاتھوں شہید ہونے سے لے کر مغلوبیت تک، جو کچھ ان پر گزری ان سب کے متعلق کچھ بیان فرمائیے۔ آپؑ نے فرمایا: جو واقعہ پیش آیا اگرچہ کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اسے ان کے لئے مقدر کیا تھا یہ خود اس کے حکم سے تھا اور اس پر امضاء کیا تھا۔ خود خدا نے اس کو حتمی بنایا تھا اور اس کے بعد اس کا اجراء کیا تھا۔ علی، حسن اور حسینؑ کے قیام [فبتقدُّم علم ذلک الیھم من رسول اللہ] تھے۔ یہ حضرات پہلے سے اس کے بارے میں جانتے تھے انہیں پہلے سے اس کا حکم ہو چکا تھا اور یہ حکم رسول خدا ﷺ کے ذریعہ ان تک پہنچا تھا اور اسی طرح جس امام نے سکوت وخاموشی اختیار کی، وہ بھی علم کے مطابق اور حکم کے تحت ہی تھی''۔

متذکرہ بالا آخری سطر کے لئے خصوصاً اصل حدیث کی طرف مراجعہ کرنا چاہیے۔

واقعہ کربلا۔۔۔۔خون سے لکھا گیا پیام

۱۔ مرحوم آیتی اپنی کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' (ص۹۷انویں تقریر) میں واقعہ کربلا کی ناقابلِ تسخیر تاریخ اور اس کی امانت کی قوت وقدرت سے متعلق بحث کرتے ہیں اس کے بعد ابن زیاد کے اس سراپا جعل کو نقل کرتے ہیں جو اس نے اہل کوفہ کو دھوکہ دینے کیلئے کیا۔ وہ کوفہ کی مسجد اعظم کے منبر پر گیا اور بولا:

[الحمدللہ الذی اظھر الحق واھلہ ،ونصر امیر المومنین یزید وحزبہ ،وقتل الکذاب ابن الکذاب الحسینؑ وشیعتہ] ''شکر ہے اس خدا کا جس نے حق واہل حق

کو کامیاب کیا، امیر المومنین یزید اور ان کے پیروؤں کی مدد کی اور کذاب ابن کذاب حسینؑ اور ان کے شیعوں کو قتل کیا۔''

یہاں پر عبداللہ ابن عفیف ازدی غامدی جو نابینا تھے' کھڑے ہوگئے اور بولے: ''اے مرجانہ کے بیٹے! کذاب ابن کذاب تو ہے اور تیرا باپ ہے، اور وہ ہے جس نے تجھے عراق کا حاکم بنا کر بھیجا ہے'' آخرکار ابن عفیف شہید ہوئے۔

مرحوم آیتی کہتے ہیں: ''اس مرد بزرگوار نے جان پر کھیل کر یہ بات کہی۔ بالآخر ابن زیاد کے حکم سے شہید کردیئے گئے اور سولی پر لٹکا دیئے گئے لیکن یہ مجاہد بزرگ تاریخ کے ایک صفحہ کو روشن کر گیا اور اس نے تاریخ عاشورا کا ایک صفحہ اپنے خون سے رقم کیا''۔

درحقیقت یہ تمام جملے مثلاً:

[الاترون ان الحق لایعمل بہ وان الباطل لایتناھی عنہ......] ''کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے روکا نہیں جا رہا۔''

[ایھاالناس !من رای سلطاناجائراً......] ،[الاوانّ الدّعی ابن الدّعی......]

[ھیھات منّاالذّلۃ]، [ان لم یکن لکم دین......]،[الموت اولی من رکوب العار]

[رضاًبقضائک......لامعبودسواک]،[خطّ الموت علی ولدآدم......]

اور اس طرح کے دوسرے، بہت سے جملے، سب کے سب خون سے لکھے گئے ہیں اور خون کا رنگ قرمز اور سرخ رنگ پختہ ترین اور نمایاں ترین رنگ ہے۔

عاشورا کے حوادث ووقائع ایسے واقعات ہیں کہ جو خون سے رقم کئے گئے ہیں ہم کبھی سنتے ہیں کہ کچھ افراد جب کسی فاجعہ یا حادثہ میں مرنے کے قریب ہوتے ہیں تو مرتے وقت چونکہ قلم اور کاغذ مہیا نہیں ہوتا اس لئے اپنی انگلی سے اور اپنے خون سے وصیت لکھ جاتے ہیں یا کچھ افراد علامتِ انقلاب کے طور پر کسی صفحہ پر اپنے خون سے کوئی ایک جملہ لکھ دیتے ہیں۔ دور جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ عہد وپیمان کرتے وقت باہم

عہد و پیمان کرنے والے عرب اپنے ہاتھوں کو خون سے بھرے ایک برتن میں ڈبوتے تھے اور یہ طریقہ اس عہد و پیمان پر اپنے آپ کو قربان کرنے کی علامت ہوتا تھا۔

عبداللہ رضیع یعنی علی اصغرؑ کی شہادت کا واقعہ اور امام کا اس طفل شیرخوار کا خون آسمان کی طرف پھینکنا، خود ایک صفحہ ہے، جو خون سے لکھا گیا تھا۔

خود اباعبداللہ- نے ایک واقعہ کے بعد (ظاہراً آپؑ کی پیشانی مبارک پر پتھر لگا تھا) اپنے خون سے بھرے ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر ملا اور فرمایا:

[ھکذا حتی القی جدی] ''میں اسی طرح اپنے نانا کا دیدار کرنا چاہتا ہوں''۔

۲۔ امامؑ نے بالآخر کیوں بصرہ کے لوگوں کو خط لکھ کر دعوت دی؟ آیا یہ خونریزی اور انقلاب کو وسعت دینے کے لئے ایک نوع کا نقشہ نہیں تھا؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ شب عاشورا حبیب بن مظاہر کو کیوں بنو اسد کے پاس بھیجا؟ آیا امامؑ کو یہ احتمال تھا کہ بنو اسد مقاومت کر سکتے ہیں، اس لئے آپؑ نے ایسا کیا؟ کبھی بھی نہیں۔ بالآخر کیوں آپؑ نے اپنے اصحاب و یاران اور اپنے اعزاء کو جنگ سے نکل جانے پر مجبور نہیں کیا؟ اور کیوں ان کے شہید ہونے کی دادطلبی کو قبول کیا؟ کیا بات یہی نہیں ہے کہ امامؑ خصوصی طور پر اس کام کو کرنا چاہتے تھے۔ امام- چاہتے تھے کہ اپنے اعتراض وانتقاد کو، اعلان جرم اور فریاد کو، عدالت خواہی وحقیقت خواہی کو (بالآخر پیغام اسلام کو) اپنے اور کچھ دوسرے افراد کے خون سے لکھا جائے تاکہ پھر یہ کبھی بھی نہ مٹ سکے۔ اسی لئے تو امامؑ حُر کے مدمقابل ہونے اور لشکرِ حُر میں گھر جانے کے بعد آتش بیان خطبے ارشاد فرماتے ہیں تاریخ شاہد ہے کہ وہ باتیں جو خون سے لکھی جاتی ہیں، کبھی بھی نہیں مٹتیں، اسلئے کہ خون سے لکھا جانا صداقت، خلوص، تصمیم کی گہرائی اور ایک فکر کی حکایت کرتا ہے شہید کی منطق دوسری منطقوں سے مافوق ہے۔

بہت سے سلاطین یہ چاہتے تھے کہ ان کے نام، ان کی باتیں اور ان کے پیغام (اگرچہ کہ اس میں انسانوں کیلئے کوئی پیغام نہیں تھا اور وہ فقط ان کی خودخواہی کا اظہار تھا) باقی رہ جائیں۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے

دھات پر یا پتھر کی لوح پر اپنی بات کندہ کروائیں مثلاً ''میں ہوں شاہِ شاہان'' یا ''میں بادشاہ کی نسل سے ہوں''!!! لیکن یہ کندہ کی ہوئی باتیں اور یہ نوشتے کبھی بھی لوگوں کے دلوں اور سینوں پر ثبت نہ ہوئے اور نہ اس جگہ ہی نقش رہ سکے۔ اس کے برعکس وہ پیام جو امام حسین- کے پیام کی مانند تھے، اگرچہ کہ کسی دھات، تختی یا پتھر پر کندہ نہیں کئے گئے تھے، لیکن چونکہ خون سے لکھے گئے تھے اور ہوائی لہروں کے صفحات پر ثبت ہوئے تھے، اس لئے لوگوں کے سینوں اور دلوں پر ثبت ہوگئے اور انبیاء کے دلوں پر وحی کی نورانی خطوط کی طرح ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئے:

[انّ للحسین محبّة مکنونة فی قلوب المومنین] ''امام حسین- کے لئے مومنین کے دلوں میں ایک محبت پنہاں ہے۔''

امام حسینؑ کا پیام روح کے عالی ترین مقامات اور مراکز پر ثبت ہوا، یہاں تک کہ دل اس کے احساسات کی ایک جگہ بن گیا اور ان کا نام لیتے ہی آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ اس ایک ہزار تین سو سال میں کتنے آنسو بہے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے عرق گلاب کو گلاب کے پھول سے حاصل کیا جاتا ہے یہ سب کس لئے ہے؟ اس لئے ہے:

﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن وداً﴾ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، عنقریب خدائے رحمان لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کردے گا'' (مریم/۹۶)

اس لئے ہے کہ وہ پیام حقیقت رساں تھے، اس لئے ہے کہ ان کے پیام دل آشنا اور فطرت آشنا تھے اس لئے ہے کہ ان کی باتیں ہماری باتوں کی مانند نہیں تھیں اور اس لئے ہے کہ اس کام میں خدا کا فرمان اور اس کے بندے کارفرما تھے۔

سید الشہداء- اوران کی روح کی عظمت

۱۔ متنبیؔ کہتے ہیں:

واذا كانت النفوس كباراً　　　تعبت فی مرادها الاجسام

''جس کا نفس بلند مرتبہ ہو،اس کے بدن کو اپنی مراد کی راہ میں زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔''

کوتاہ فکر لوگ چونکہ خود درد نہیں رکھتے ، چونکہ ان کا کوئی ہدف نہیں ہوتا اوران کے تمام اہداف اور ہم وغم جسمانی خواہشات تک ہی محدود رہتے ہیں اور چونکہ وہ کوئی آئیڈیل نمونہ فکر نہیں رکھتے ،اس لئے اپنے بدن کو کبھی زحمت میں نہیں ڈالتے ہیں اور گدائی کر کے جو لقمہ بھی میسر آتا ہے،اسی پر قناعت کرتے ہیں اس کے برعکس عظیم روحیں ہمیشہ اپنے بدن کو حرکت کے لئے آمادہ رکھتی ہیں اور زحمت اور بلا سے سکون حاصل کرتی ہیں۔ان کے جسم شگافتہ اور سرتن سے جدا ہو جاتے ہیں۔شہادت کو وہ اپنے لئے افتخار سمجھتے ہیں کیونکہ اسے وہ اپنے نفس کی عظمت کی علامت جانتے ہیں اس طرح کے اشخاص کی روح جسم سے عظیم تر ہوتی ہے اوران کے بدن کا کام دشوار ہوتا ہے۔علی - کا بدن جب چاہتا ہے کہ روح کا ہم آہنگ بن جائے تو جو کی روٹی پر گزر بسر گوارا کر لیتے ہیں،شب زندہ داری کرتے ہیں اور کبھی اشارہ ہو تو خود اپنا سر تنور میں ڈال دیتے ہیں۔حسین - کا بدن جب چاہتا ہے کہ روح حسینؑ کے ساتھ رہے تو بہت زیادہ پیاس کیلئے آمادہ ہو جاتے ہیں' گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے پامال ہونے کیلئے تیار رہتے ہیں اور تیروں کے زخموں سے کالقنفذ بننے پر راضی بہ رضا نظر آتے ہیں (کہتے ہیں کہ حضرتؑ کے بدن مبارک پر بیشمار تیر پیوست تھے کہ مثل خار پشت' سیہی' نظر آرہے)

خوش قسمت ہے وہ بدن جس کے ساتھ ایک چھوٹی سی روح ہوتی ہے جو ہر قسم کے کھانے اس کے لئے مہیا کرتی ہے،گدائی اور چوری کر کے بھی اس کیلئے روٹی فراہم کرتی ہے جنایت اور آدم کشی کر کے اس کیلئے مقام بناتی ہے۔

بے چارہ ہے وہ بدن جو ایک شریف اور عظیم روح رکھتا ہے،جو کے چند لقموں سے زیادہ اس کے لئے

مہیا نہیں ہوتا،جو بڑی مشکل سے حلق سے نیچے اترتا ہے۔دوسری طرف وہ شب زندہ داری بھی کرتا ہے دن میں تازیانہ لئے اجتماع کے نظم ونسق کی نگہبانی کرتا ہے یا تلوار ہاتھ میں لئے مجرموں کی گردنیں مارتا ہے اور ایک دن خود اپنے سر کو تنور میں ڈال دیتا ہے۔

۲۔ حضرت علی - متقین کے بارے میں فرماتے ہیں:

[انفسهم منهم فی تعب والناس منهم فی راحة] ''وہ اپنے نفس کو زحمت میں ڈالتے ہیں اور لوگ ان کی وجہ سے آسودہ رہتے ہیں''۔

آپؑ کے اس فرمان میں نفس سے مراد نفس حیوانی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے نفوس کی آسائش دوسروں کی آسائش میں،اور لوگوں کی راحت سلب نہ کرنے میں پنہاں ہے۔

۳۔ امام حسین- کا یہ جملہ جو آپؑ نے پیغمبر اسلامؐ سے نقل کیا ہے

[ان الله یحب معالی الاموروییغض سفسافها] ''خداوند عالم کو بلند وبالا اور گرامی کام محبوب ہیں اور وہ پست اور حقیر کام پسند نہیں کرتا''۔[1]

آپؑ کا یہ جملہ بتاتا ہے کہ روح امامؑ جسم کے پست کاموں سے کوئی سروکار نہ رکھتی تھی اور اسے اعلیٰ اور بلند مرتبہ کاموں ہی سے سروکار تھا۔

۴۔ کچھ لوگوں کی رائے میں روح' جسم کی خدمت گزار ہوتی ہے یعنی فکر'عقل اور عاطفہ' سب جسمانی' بدنی اور حیوانی اہداف کے حصول کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ایسی روح اسیر روح ہے،ایسی روح کچھ حد تک رنج برداشت کرتی ہے ،اگرچہ کہ چھوٹی روح کبھی رنج کا احساس بھی نہیں کرتی۔روح کو عظیم ہی ہونا چاہئے تا کہ وہ درد ورنج کا احساس کرے۔اگر ایسا کرے تو وہ روح چھوٹی نہیں ہے اور وہ جسم کی خدمت گزار نہیں ہے۔

۵۔ لنقل الصخر من قلل الجبال　　　احبّ الی ّمن منن الرجال

[1] [تاریخ یعقوبی ج۲ص۲۴۲]

يقو ل الناس لی فی الکسب عار   فانّ العارفی ذلّ السؤال

''مجھے دوسروں کا احسان لینے سے زیادہ پہاڑوں سے پتھر اٹھانا زیادہ محبوب ہے۔لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ کام کرنا (کسب روزی) ننگ و عار ہے جبکہ درحقیقت دوسروں سے خواہش کر کے ذلت اٹھانے میں ننگ ہے۔''

یہ شعر روح کی عظمت کی خاطر بدن کو زحمت میں ڈالنے کی ایک مثال ہے۔

۶۔ امام کا فرمان ہے:

[الا وانّ الدّعی ابن الدّعی......هیهات منّاالذلة] بھی ایک نمونہ ہے کہ روح کی عظمت کی خاطر بدن کو زحمت میں ڈالنا بہتر ہے۔

۷۔ روح و بدن ایک ہونے کے باوجود دو الگ الگ چیزیں ہیں۔یہ دو دوست کی طرح سے ہیں کہ ایک طرف لازمی طور پر باہم ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے اور دوسری طرف دو ایسے دوست ہیں جن کا ہدف ایک نہیں ہے۔

میل جان اندر ترقی وشرف   میل تن در کسب اسباب وعلف

''روح ہمیشہ ترقی اور شرف حاصل کرنے کی کوشش میں لگی رہتی ہے جبکہ بدن اسباب و وسائل اور گھاس پھوس حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔''

اسی لئے دونوں میں سے جو چھوٹا ہوتا ہے،وہ دوسرے کے فائدہ کے لئے کام کرتا ہے اور کسی ایک کا رُشد کرنا دوسرے کیلئے ضرر رساں ہوتا ہے۔

۸۔ کہتے ہیں کہ نابغہ (عظیم) افراد ہمیشہ برے شوہر ہوتے ہیں۔اس کا سبب بھی واضح و روشن ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی روح کا افق عورت کی آرزوؤں،افکار اور خواہشات کے افق سے بالاتر ہوتا ہے۔ان کا جسم عورت کے ساتھ ضرور ہوتا ہے لیکن روح اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔اگر کوئی شخص عین نبوغ میں ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر اپنے آپ کو نیچے گرا سکے کہ ایک عام عورت کے افق عادی میں معاشرت کر سکے،تو وہ

واقعاً نبوغ سے بھی بالاتر ہے۔ایسا شخص جو اپنے آپ کو نیچے گرانے کی قدرت رکھتا ہو،یہ قدرت رکھنا بہت فوق العادۃ ہے۔

مجھے اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ ایک مرتبہ نچلی افق کے کچھ افراد کے ساتھ مجبوراً کچھ دیر بیٹھنا پڑا تھا۔ بڑے المناک عذاب میں مبتلا ہوا تھا۔ان سے بات کرنے کے لئے میرے پاس ایک حرف بھی نہ تھا گویا میں اپنی تمام معلومات فراموش کر چکا تھا۔

روح کی عظمت اور بزرگواری

۹۔ روح کی عظمت کے مقابل اس کی حقارت اور ذلت ہے،اس کی کمی کا پہلو ہے۔ایک عظیم روح ایک بزرگ آرزو ہے،ایک بزرگ اور وسیع فکر ہے،ایک بزرگ خواہش اور ارادہ ہے،ایک بزرگ ہمت ہے وہ شخص جو یہ آرزو کرتا ہے کہ مال و دولت میں سب سے اول شخص ہو جائے،البتہ نہ محض آرزو کرتا ہو بلکہ آرزو کے ساتھ ساتھ حرکت بھی کرے،وہ ایک عظیم روح کا مالک ہے۔بقول نظامی عروض کے ''احمد بن عبداللہ الخجستانی سے جب پوچھا گیا کہ تم گدھے والے تھے،خراسان کے حاکم کیوں کر بن گئے؟اس نے کہا: خجستان کے بادغیس میں ایک دن حنظلہ بادغیسی کے دیوان کو پڑھ رہا تھا جب ان دو بیت پر پہنچا:

مہتری گربہ کام شیر دراست   شوخطر کن زگام شیر بجوی

یابزرگی وعزونعمت وجاہ   یاچومردانت مرگ رویاروی

''تو میرے اندر ایک انقلاب سا آیا جس کی وجہ سے جس حالت میں زندگی گزار رہا تھا،پھر میں اس سے راضی نہ رہا۔گدھے بیچ کر میں نے گھوڑا خریدا اور وطن سے کوچ کر کے علی بن اللیث (صفاری) کی خدمت میں گیا......اس تمام حرکت کا سبب یہ دو بیت تھے۔''

عظیم روحیں خود کو تن کی حقارت،ذلت اور کمی کے حوالے نہیں کرتیں اور وہ اپنی قدر و قیمت سے کم پر راضی نہیں ہوتیں۔

به کم ازقدرخودمشوراضی   بین که گنجشک می نگیردباز

''اپنی قدر سے کم پر راضی نہ ہونا' دیکھو باز گوریا کا شکار نہ کرتا۔''

عظیم روح کے حامل لوگ اہل مہاجرت ہوتے ہیں، وہ اپنے گھر کے گوشہ میں بیٹھے نہیں رہتے اور اپنے آب و خاک پر قناعت نہیں کرتے بلکہ سفر کرتے رہتے ہیں، دریاؤں اور خطرات کا استقبال کرتے ہیں اور دن رات کوشش کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں وہ جلدی بوڑھے ہوجاتے ہیں، دل کی بیماری انہیں پکڑ لیتی ہے اور وہ جمال عبدالناصر کی طرح عمر کے آدھے راستے میں مرجاتے ہیں۔ موسولینی کہتا ہے: ''سوسال گوسفند بن کر زندہ رہنے کی بجائے میں ایک سال شیر بن کر زندہ رہنے کو ترجیح دیتا ہوں''۔

عظیم آدمی زندان سے نہیں ڈرتا' وہ دس سال اور بیس سال زندان میں گزارتا ہے تاکہ دو سال کام کی زندگی گزارے۔

۱۰۔ اسکندر خشایارشاہ، نادر اور نپولین عظیم روح تھے اور سکون و آرام سے نہ بیٹھنے والے تھے تاہم یہ لوگ بڑے جاہ طلب، بڑے رقیب، حسود، شہوت پرست اور حُسن پرست ہوا کرتے تھے۔ البتہ ایسے لوگ چھوٹی روح کے حامل انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ عظمت اور اہمیت رکھتے ہیں یہ لوگ اگر جہنم میں بھی جائیں تو ایک عظیم روح جہنم میں گئی۔ یہ لوگ بہت بڑے ہوا پرست تھے، جو چیز ان کے وجود اور ان کی روح میں نمو کرتی رہی وہ شہوت، جاہ طلبی، حسد اور کینہ تھی۔

لیکن بزرگواری: بزرگواری، بزرگی کے علاوہ کوئی اور چیز ہے روح کی بزرگواری روح کے چھوٹے ہونے کے مقابل میں نہیں بلکہ پستی اور دنایت روح کے مقابلہ میں ہے۔

یہ پستی اور ذلت کیسی پستی اور ذلت ہے؟ یہ درحقیقت ماورائے طبیعت اور منطق مادی کے خلاف ایک مسئلہ ہے، کہتے ہیں کہ اپنا تن پستی کی طرف نہ دھکیلو، خود کو خواری کی طرف نہ دھکیلو، آقا بنو نوکر نہیں، عزیز بنو، ذلیل نہیں ان میں سے کوئی چھونے کے قابل بھی نہیں۔ افتخار یعنی کیا؟ افتخار یعنی:

تن مرده و گريه دوستان — به از زنده وخنده دشمنان
مرا عار آيد ازاين زندگی — كه سالار باشم كنم بندگی

''مر کر دوستوں کا رونا، زندہ رہ کر دشمنوں کے ہنسنے سے بہتر ہے۔ میرے لئے ایسی زندگی عار ہے کہ سالار ہوکر بندگی کروں''

یا: [ان الحیاۃ فی موتکم قاھرین' والموت فی حیاتکم مقھورین] ''زندگی کامیابی کے ساتھ موت میں ہے اور موت شکست کے ساتھ زندگی میں ہے'' [نہج البلاغہ خطبہ ۵۱]

۱۱۔ [اشھدانک قداقمت الصلوٰۃ وآتیت الزکوٰۃ وامرت بالمعروف ......] ان جملوں سے امام کی عظمت اور بزرگواری کی توضیح ہوتی ہے۔

حسین بن علی + کے کلمات۔۔۔۔امامؑ کی زندگی کے شعار

۱۔ ''تاریخ یعقوبی'' میں ہے کہ لوگوں نے حسین بن علیؑ سے سوال کیا کہ رسول خداؐ کا کوئی ایسا کلمہ جو خود آپؑ نے سنا ہو، بیان فرمایئے تو فرمایا: ''میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا:

[ان اللہ یحب معالی الامور ویبغض سفسافھا] ''خداوند عالم کو بلند اور گرامی کام محبوب ہیں اور پست اور حقیر کام پسند نہیں کرتا''

(اگرچہ کہ یہ جملہ رسول اسلامؐ کا ہے لیکن چونکہ حسین بن علیؑ کے علاوہ کسی اور سے نقل نہیں ہوا ہے، اس لئے اسے آپؑ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے) یہ جملہ ''سفینۃ البحار'' میں رسول خدا ﷺ سے نقل کیا گیا ہے۔

المنجد میں لکھا ہے:

[السفساف: الرّدی من کلّ شی'] ''سفساف یعنی ناکارہ اور ردّی چیز' یقال: [فلان سفساف الکلام ای لیس لکلامۃ معنی] ''کہا جاتا ہے: فلاں فضول گو ہے، اس کی بات بے معنی ہے'' الامر الحقیر ''حقیر باتیں کرتا ہے''

۲۔ امام نے یہ بھی فرمایا:

[الناس عبید الدنیا والدین لعق علی السنتھم فاذامحصّوبالبلاء قلّ الدیانون] ''لوگ دنیا کے غلام اور بندے ہیں اور دین ان کا زبانی جمع خرچ ہے جب لوگ بلا میں گرفتار ہوجاتے ہیں' تب دیندار بہت کم نظر آتے ہیں۔'' [1]

''المنجد'' میں ہے:

[اللعقة :ماتأخذه فی المعلقة او باصبعک] ''لعقہ غذا کی اس مقدار کو کہتے ہیں جو چمچہ یا انگلیوں سے اٹھائی جاتی ہے''۔''القلیل ممایلعق یعنی چھوٹا لقمہ۔

امام کے اس جملہ میں خصوصاً کلمہ ''عبید'' سے امامؑ کے عزت نفس اور بندگان دنیا کی حقارت کی عکاسی ہوتی ہے۔

۳۔ اس جملہ کی طرح ایک معروف جملہ وہ بھی ہے جو''انوارالبہیہ ص ۴۵ پر نقل ہوا ہے:

[وفی وصیة موسی بن جعفر علیهما السلام لهشام قال :وقال الحسینؑ بن علیؑ :ان جمیع ماطلعت علیه الشمس فی مشارق الارض ومغاربها، بحرها وبرها، وسهلها وجبلها عندولی من اولیاء الله واهل معرفة بحق الله کفیء الظلال ،ثم قال :الاحرٌّ یدع هذه اللماظة لاهلها(یعنی الدنیا)لیس لانفسکم ثمن الا الجنة فلاتبیعوها بغیرها‘فانه من رضی من الله بالدنیا فقد رضی بالخسیس] حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے ہشام کے لئے جو وصیت تحریر کی تھی اس میں آیا ہے کہ امام حسین بن علیؑ نے فرمایا: وہ تمام اشیاء جن پر مشارق اور مغارب میں سورج چمکتا ہے، تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس کے سمندر، خشکی، پہاڑ، میدان غرض سب کچھ اس شخص کے نزدیک کہ جس نے اللہ کی عظمت کو سمجھ لیا اور خدا کی درگاہ میں خود کو سپرد کر دیا، ایک سائے کی طرح سے ہے۔ پھر فرمایا: کیا کوئی ایسا آزادمرد پیدا نہیں ہوا جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو؟ (لماظہ یعنی وہ ریشہ جو کھانا کھانے کے بعد دانتوں میں پھنس جاتا ہے) اے لوگو! جنت کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جس کی اتنی قیمت ہو کہ تم اس کے لئے اپنی جان اور ذات بھی بیچ دو۔ پس جو لوگ خدا سے فقط اس دنیا کے ملنے پر راضی ہوئے، وہ پست چیز پر راضی ہو گئے''۔[1]

۱؎ [تحف العقول ص ۲۴۵]

متذکرہ تینوں جملوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حسین ۔ کی روح ایک ایسی خاص روح ہے جو خود کو پست اور کمینہ تن کے حوالے نہیں کرتی بلکہ معالی الامور (اعلیٰ کام) کی طالب ہے (پہلا جملہ)، دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ وہ تمام مادّی اور دنیاوی اہداف کہ جن کی انتہا رضائے خدا نہ ہو یعنی ہدف کل خلقت پر منتہی نہ ہو اور کل خلقت کے ہدف سے جو جدا ہو، وہ آپؑ کی نظر میں پست اور حقیر ہے۔ نپولین کی طرح سے نہیں جو کہتا ہے کہ فرانس میرے لئے چھوٹا ہے، لہٰذا روس کو بھی اس کے ساتھ ضم کرنا چاہتا ہوں یا اسکندر کی طرح نہیں جو کہا کرتا تھا کہ یونان میرے لئے چھوٹا ہے، ایران کو بھی ساتھ ضم کرنا چاہتا ہوں (تیسرا جملہ) پھر یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تمام لوگ جو دنیاوی مقام، دنیاوی مال و دولت کے ساتھ خود کو باندھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس مقام اور مال و دولت کی خاطر اپنے آپ کو ذلیل کئے ہوئے ہوتے ہیں، ایسے لوگ حسینؑ کی نظر میں بہت زیادہ حقیر اور پست ہیں (دوسرا جملہ)۔ یہاں سے ہمارے لئے امام حسینؑ کی شخصیت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہمیں حماسۂ حسینیؑ کی عظمت کا پتا چلتا ہے (جس کی طرف ہم اس سے قبل یادداشت حماسۂ حسینیؑ میں اشارہ کر چکے ہیں)۔

۴۔ بلاغۃ الحسین ۔

☆ [درسة العلم لقاح المعرفة ‘وطول التجارب زیادة فی العقل] ''علمی مذاکرے اور مباحثے معرفت میں اضافہ کرتے ہیں اور زیادہ تجربے عقل کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے''۔

☆ [لوترکوالجهادلاتاهم العذاب] ''جہاد کو ترک کرنے سے عذاب نازل ہوتا ہے''۔

☆ [لایأمن الامن خاف الله] ''کوئی امان میں نہیں ہے سوائے اس کے جو خدا سے ڈرے''۔

☆ [القدرة تذهب الحفیظة] ''قدرت انسان کی غلامی کو ختم کر دیتی اور اسے بے باک بنا دیتی ہے''۔

☆ [من البلاء علی هذه لامة انااذادعوناهم لم یجیبونا‘واذا ترکناهم لم یهتدوا بغیرنا] ''اس امت کی بلاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ جب میں ان کو دعوت دیتا ہوں تو قبول نہیں کرتے اور جب چھوڑ دیتا ہوں تو میرے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سے ہدایت نہیں پاتے''۔

حادثۂ کربلا میں مسیحی افکار کی تاثیر

آقای صالحی ''ارشاد مفیدؒ'' کے صفحہ ۱۸۵ سے نقل کرتے ہیں کہ یزید نے سرجون رومی کے مشورے سے ابن زیاد کو ابا عبد اللہؑ سے مبارزہ کرنے کے لئے انتخاب کیا تھا۔

''کامل ابن اثیر'' جلد ۳، ص ۲۶۸ پر بھی آیا ہے:

[فلما اجتمعت الکتب (کتب اتباع یزید بالکوفه) عند یزید دعا سرجون مولی معاویة فأقره الکتب و استشاره فیمن یولیه الکوفة، و کان یزید عاتباً علی عبید اللہ بن زیاد، فقال له سرجون : ارأیت لو نشر لک معاویه کنت تأخذ برأیه ؟ قال :نعم فأخرج عهد عبید اللہ علی الکوفه فقال : هذا رأی معاویه و مات و قد امر بهذا الکتاب. فأخذ برأیه و جمع الکوفة و البصرة لعبید اللہ و کتب الیه و سیّره الیه مع مسلم بن عمرو الباهلی و الدقتیبة فامره بطلب مسلم بن عقیل و بقتله أو نفیه ......] ''پس جب خطوط (کوفہ سے یزید کے پیروؤں کے خطوط) یزید کے پاس پہنچے، تو اس نے معاویہ کے غلام سرجون کو بلایا اور تمام خطوط اس کے سامنے پیش کئے، پھر اس سے اس بارے میں مشاورت کی کہ کس کو کوفہ کا والی بنایا جائے، ان دنوں یزید، عبید اللہ بن زیاد سے ناراض تھا۔ سرجون نے اس سے کہا: بتاؤ اگر معاویہ نے تمہارے لئے کوئی حکم چھوڑا ہو تو کیا تم اس پر عمل کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں، سرجون نے معاویہ کا وہ فرمان جس میں عبید اللہ کو کوفہ کا والی بنانے کا ذکر تھا، یزید کو دے دیا۔ پھر کہا: یہ معاویہ کی رائے ہے، وہ مر گیا ہے اور تمہیں اس خط پر عمل کرنے کا حکم دے گیا ہے۔ پس یزید نے اس کی رائے پر عمل پیرا ہو کر عبید اللہ کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنایا۔ ایک خط لکھا اور اس کو مسلم بن عمرو باہلی (قتیبہ کا باپ) کے توسط سے عبید اللہ کی طرف بھیجا۔ اس خط میں حضرت مسلمؑ کے بارے میں جستجو کرنے اور ان کو قتل کرنے یا شہر بدر کرنے سے متعلق احکامات بھی تھے۔''

کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' کے مقدمہ میں آقای غفاری لکھتے ہیں: ''یزید عموماً اپنا وقت نصاریٰ کے دیروں (راہبوں کی رہنے کی جگہ) میں گزارتا تھا جو اس زمانہ میں پانچویں ستون کا درجہ رکھتی تھیں یزید لہو و لعب میں دن گزارتا تھا اور قہراً راہبوں سے تعلیم و احکام لیتا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عبادت اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کے یہ مراکز، جہاں اسلام میں فحاشی اور شراب رائج کرنے کا سبب بنے کیونکہ ان کے نزدیک شراب پینا اور عورت کے ساتھ خلوت ممنوع نہیں تھا اور حجاب بھی ان کا معمول نہیں تھا یوں عبادت کے مراکز خواہ مخواہ فساد کے مراکز میں تبدیل ہوئے۔

یزید کا مسیحی افکار کے زیر اثر ہونے کا ایک قرینہ اس کے معروف اشعار ہیں جن میں وہ کہتا ہے:

شمیسة کرم برجها قعر دنّها ومشرقها الساقی و مغربها فمی

اذا نزلت من دنّها فی زجاجة حکت نفراً بین الحطیم وزمزم

فان حرمت یوماً علی دین احمد فخذها علی دین المسیح بن مریم

''میرا سورج انگور ہے، اس کا برج شراب کے نشہ کی تہ میں ہے، یہ مشرق سے ساقی کے ہاتھ سے طلوع ہوتا ہوا مغرب میں میرے منہ میں غروب ہو جاتا ہے۔ جب اسے سبو سے جام میں انڈیلا جاتا ہے، اس وقت شراب کا غلغلہ اس کا نیچے اوپر ہوتا ہے اور حباب بننا ان حجاج کی مثل ہے کہ جو کعبہ کی دیوار اور چاہ زمزم کے درمیان ہرولہ کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ پس اگر دین احمد میں یہ شراب حرام ہے تو تم اس کو دین عیسٰیؑ کے مطابق ہاتھ میں لو اور چڑھا جاؤ۔''

کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' کے مقدمہ میں یعقوبی اور دوسروں سے یہ قصہ نقل ہے کہ جس سال معاویہ نے ایک فوجی لشکر کے ساتھ یزید کو بلاد روم فتح کرنے کیلئے بھیجا ''غذقذونه'' (ابوالشہداء نے فرقدونہ لکھا ہے) نامی مقام پر ''دیر مرّان'' کے نام سے ایک دیر تھا، جہاں پر سب رات کو رُکے تھے۔ اس دیر میں اُم کلثوم نامی عورت کے ساتھ یزید عیاشی اور شرابخواری میں مشغول ہو گیا۔ اس مقام پر وبائی ہوا کی وجہ سے لشکر چیچک اور بخار میں مبتلا ہو گیا۔ یہ مرض مسلمانوں کی فوج میں اس طرح پھیلا کہ لوگ خزاں کے پتوں کی طرح زمین پر گر

پڑتے اور مر جاتے تھے لوگوں نے یزید سے ہر چند اصرار کیا کہ اس سرزمین سے جتنی جلد ہو سکے، کوچ کرنا چاہیے لیکن اس نے بے اعتنائی کی (ابوالشہداء نے لکھا ہے کہ فوج کسی اور مقام پر اس بیماری میں مبتلا ہوئی تھی جبکہ یزید دیر میں ٹھہرا ہوا تھا اور لشکر سے ملحق نہیں ہو رہا تھا) جب لشکر کے بیمار ہونے کی خبر اس تک پہنچی تو اس نے یہ اشعار پڑھے:

ماان ابالی بمالاقت جموعهم	بالغذقذونة من حمی و من موم
اذااتكات علی الانماط فی غرف	بدیر مرّان عندی اُم كلثوم

''اگر تمام لشکر غذقذونہ میں چیچک اور بخار سے مر گیا تو مجھے کیا غم، میں تو راہبوں کے دیر مرّان میں گاؤ تکیہ لگائے راحت سے ہوں اور ام کلثوم میری آغوش میں ہے''۔

حسینیؑ مراثی۔۔۔۔ جنات کے مرثیے

کتاب ''تمقام'' میں صفحہ ۵۰۹ سے ۵۱۳ تک جنّوں کے بہت سے مراثی نقل ہیں۔ یہ اشعار انتقاد، گریہ وزاری اور تحریک احساسات پر مشتمل ہیں۔ عین ممکن ہے یہ شعر آپؑ کے محبوں اور شیعوں نے کہے ہوں لیکن چونکہ وہ حکومت وقت کے زیر عقاب ہوتے تھے، لہٰذا جو اشعار کہتے تھے وہ جنات کے نام سے مشہور کر دیتے تھے۔ اس کی دو علتیں تھیں، ایک تو یہ کہ شعر کہنے والے کا پتہ نہ چل سکے اور دوسرے اس نام سے لوگ بھی بہتر طریقہ سے اشعار حفظ کر لیتے تھے۔

دعبل خزاعی

زرخیرقبرفی العراق یزار	واعص الحمارفمن نهاک حمار
لم لازورک یاحسین لک الفداء	قومی و من عطفت علیه نزار
ولک المودة فی قلوب ذوی النهی	وعلی عدوک مقتة ودمار
یاابن الشهیدویاشهیداً عمُّه	خیرالعمومة جعفرالطیار

''سرزمین عراق میں بہترین قبر کی زیارت ہو سکتی ہے، زیارت کر لو۔ اپنی سواری کو وہاں لے چلو

جو کوئی تمہیں وہاں جانے سے روکے، وہ ایک حیوان سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اے حسین۔ میں کیوں آپؑ کی زیارت نہ کروں۔ میرے اپنے دور کے اور بعد کے تمام لوگ آپؑ پر فدا ہوں، عاقلوں کے دلوں میں آپؑ کے لئے ایک محبت ہے۔ آپؑ کے دشمنوں کیلئے تباہی و بربادی ہو۔ اے شہید کے فرزند! آپؑ کے چچا اور بہترین چچا' جعفر طیار بھی شہید ہیں''۔

یہ آخری شعر ان اشعار میں سے ایک ہے جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جنات نے کہے ہیں۔[1]

امام حسینؑ اصحاب امام اور افضل الشہداء۔۔۔ ابوالفضلؑ

حدیث میں آیا ہے کہ امیر المومنین۔ جب جنگ صفین کے موقع پر سرزمین کربلا سے گزرے تو آپؑ نے وہاں کی مٹی کو سونگھا اور فرمایا:

[واهاًلک ایتهاالتربة لیحشرن منک اقوام یدخلون الجنة بغیرحساب] ''کتنی خوش نصیب ہے اے خاک کہ تیرے اندر سے قیامت کے دن ایک قوم محشور ہوگی جو بغیر حساب کے جنت میں داخل کی جائے گی''۔[2]

ایک حدیث یہ بھی ہے کہ رسول اسلام ﷺ نے امام حسینؑ کے بارے میں فرمایا:

[کأنی به وقداستجاربحرمی وقبری فلایجار، ویرتحل الی ارض مقتله ومصرعه، ارض کرب وبلاء، وتنصره عصابة من المسلمین، اولئک سادة شهداء امتی یوم القیامة] ''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ میرے حرم اور قبر میں پناہ لئے ہوئے ہے لیکن لوگ اس کو پناہ نہیں لینے دیتے اور وہ اپنی قتلگاہ اور شہادت کی سرزمین کی طرف کوچ کرتا ہے، کرب اور بلاء کی سرزمین کی طرف۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کی یاری کریگا۔ قیامت کے دن یہ لوگ میری امت کے شہیدوں کے سردار ہونگے''۔[3]

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے:

۱ [تمقام ص ۵۱۲] ۲ [بحار الانوار ج ۴۴ ص ۲۵۵] ۳ [بحار الانوار ج ۴۴ ص ۲۹۸ نفس المہموم ص ۳۰]

[خرج علیؑ یسیر بالناس حتی اذا کان بکربلا علی میلین او میل تقدم بین ایدیھم حتی طاف بمکان یقال له المقذفان‘ فقال: قتل فیھا مائتا نبی،مائتا سبط نبی کلھم شھداء . ھٰھنا مناخ رکاب و مصارع عشاق‘ شھداء لایسبقھم من قبلھم و لایلحقھم من بعدھم] ’’حضرت علی -شہر سے باہر نکلے اور لوگوں کے ساتھ چلے، جب کربلا سے ایک دو میل کے فاصلے پر پہنچے اور اس سے تھوڑا آگے گئے‘ یہاں تک کہ مقذفان نامی مقام پر پہنچے تو وہاں پر ایک چکر لگایا‘ پھر فرمایا: یہاں پر دوسو (۲۰۰) پیغمبر اور دوسو (۲۰۰) پیغمبر زادے قتل کئے گئے ہیں کہ وہ سب شہداء ہیں۔ یہ وہ جگہ ہیں جہاں سوار اتریں گے، یہ عاشقوں کی قتلگاہ ہے، ایسے شہداء (کی شہادت گاہ ہے) کہ نہ ان سے پہلے کوئی ان پر سبقت حاصل کرسکا ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی ان کے مقام تک پہنچ سکے گا۔‘‘

(شہید کا جو مقام ہے وہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں)

آخری بات حضرت ابوالفضل -سے متعلق۔ یہ وہ ہستی ہیں:

[ان له عندالله درجة یغبطه بها جمیع الشھداء] ’’ان کے لئے خدا کے نزدیک ایک ایسا درجہ ہے کہ شہداء اس پر رشک کرتے ہیں۔‘‘

پس یہاں پر تین مطالب ہیں:

الف۔ تمام خدمت گزاران بشر اور برجستہ لوگوں کے درمیان شہید کا مقام کہ جسے ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

ب۔ تمام شہیدوں کے درمیان شہدائے کربلا کا مقام۔

ج۔ شہدائے کربلا کے درمیان ابوالفضل العباس- کا مقام۔

کربلا کے تاریخ ساز شعائر

کربلا میں بہت سے تاریخی جملے کہے گئے ہیں یہ جملے ایک طرف کامل انسانیت‘ خارق العادہ ایمان اور پر شور حماسہ کی حکایت کرتے ہیں اور دوسری طرف چونکہ یہ خون سے لکھے گئے اور خون سے ثبت ہوئے ہیں‘ اس

لئے الگ قدر و قیمت کے حامل ہیں اس کے علاوہ ان شعائر کے ذریعے ہم روح حسینیؑ اور نہضت و قیام حسینیؑ کی ماہیت کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں:

۱۔ خود اباعبداللہؑ کے جملے:

[الاوانّ الدّعی ابن الدّعی......]،[ھیھات منا الذلة]،[الموت اولی من رکوب العار] [الاترون ان الحق لایعمل به......لیرغب المومن فی لقاء الله محقاً]

[الناس عبید الدنیا والدّین لعق علی السنتھم][لااعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقرّ اقرار (افر افرار) العبید......]

۲۔ حضرت علی اکبر - کا جملہ:

[اذاً والله لانبالی الحرب قد بانت لھا الحقائق ......یاابتاه ھذا جدی رسول الله......]

۳۔ حضرت قاسم بن الحسن + کا اجملہ:

[الموت احلیٰ عندی من العسل]

۴۔ ابوالفضل العباسؑ کا جملہ:

[یانفسُ مِن بعد الحسینؑ ھونی ھذا حسینؑ شارب المنون]

۵۔ مسلم بن عوسجہؓ کا جملہ، سعید بن عبداللہ حنفی کا جملہ، بشر بن عمرو حضرمیؓ کا جملہ۔[1]

حسینیؑ پیام

ایسے اشخاص جو ایک سلسلہ اُصول و مبادی کے لئے قیام کرتے اور نہضت برپا کرتے ہیں، درحقیقت اپنے بعد کے کل عالم کے لئے کچھ پیغام چھوڑ جاتے ہیں یا باصطلاح معروف ایک وصیت کرجاتے ہیں۔ آنے والی نسلوں کو چاہیے کہ ان کے پیام سے آشنائی حاصل کریں اور ان کی آواز کو پہچانیں۔

حسین بن علی+ نے فرمایا: [انی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً، انّما خرجت لطلب

۱ [ان سب کیلئے کتاب ’بررسی تاریخ عاشورا‘، ص ۱۳۳ پر رجوع کریں کہ بحث نسبتاً بہت جالب ہے]

الاصلاح فی امّۃ جدّی صلی اللہ علیہ و آلہ 'ارید ان آمر بالمعروف و انھیٰ عن المنکر 'واسیر بسیرۃ جدّی و ابی] "(اس کا ترجمہ پہلے ذکر ہو چکا ہے)

واقعہ کربلا میں عورت کا کردار

یہ ایک مفید موضوع ہے۔ظاہراً وہ تمام خواتین جن کا اس واقعہ میں کردار تھا،مثبت اور اچھا کردار تھا' جیسے زہیر ابن القینؓ کی بیوی،عبداللہ بن عمیر کلبیؓ کی بیوی (اُم وہب) رباب بنت امرء القیس (امامؑ کی ہمسر) اور قبیلۂ بکر بن وائل سے ایک خاتون۔ان خواتین کے بارے میں تفصیل کیلئے کتاب ''بررسی تاریخ عاشورا'' آٹھویں تقریر ص ۱۶۴ پر رجوع کیجئے۔کتاب ''انصار الحسینؑ'' کے آخر میں بھی اس عنوان پر جالب گفتگو کی گئی ہے۔

مرحوم آیتی کی کتاب ''بررسی تاریخ عاشوار'' کی چھٹی تقریر'' ''ابصار العینؑ'' کا ص ۱۵۵ اور ص ۱۵۳ اور ''نہضت حسینی میں عنصر تبلیغ'' کے اوراق کا بھی مطالعہ فرمائیے۔

امام حسین -اور ناز پروردگی

''خطابہ ومنبر' کے اوراق میں ہم اس موضوع پر بہت اچھی گفتگو کر چکے ہیں۔ناز پروردگی کو اس کے تمام لوازمات ......کمزوری' بے تحملی' غرور، بد دماغی......کے ساتھ یزید سے نسبت دینا چاہئے ،نہ کہ امام حسین - سے۔انتہائے اہانت یہ ہے کہ ہم امامؑ کو ناز پروردہ کہیں۔

سید الشہداءؑ اور کرامت نفس

اسلام کا یہ بڑا اصول اباعبداللہؑ کے وجود میں تجسم پیدا کر چکا تھا۔آپؑ کی تمام حیات کرامت نفس کے شعائر سے پُر ہے۔

امام حسینؑ......خونین انقلاب

کتاب ''سرمایہ سخن'' ، جلد ۳ ص ۳۶۷ پر لکھا ہے: ''امام حسینؑ وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنے زندگانی کی تاریخ کو اپنے مقدس خون سے مزین فرمایا......اور تمام دنیا کو یہ بتا دیا کہ سرخ رنگ (اجتماع کے صفحہ پر) تمام

رنگوں میں سب سے زیادہ پختہ اور قائم رہنے والا رنگ ہے۔آپؑ کا خونی پروگرام آپؑ کے مقدس ترین پروگراموں میں سے ہے اور آپؑ کا خونین انقلاب مؤثر ین انقلابوں میں سے ہے......''۔

امام حسینؑ۔۔۔سخن مشترقین

اس بارے میں کتاب ''تاریخ ایڈورڈ براؤن'' ج اول ص ۳۳۳ پر خود ایڈورڈ براؤن کے کلمات اور ص ۳۳۴ پر ''مروبلیم موبر'' کی پر مغز باتوں کی طرف رجوع کریں تا کہ اندازہ کر سکیں کہ اسلامی ممالک کے مقدرات میں یہ حادثہ کتنا اثر انداز ہے۔

یادداشت

۱۔امام حسین -ایک کامل نمونہ اور بے نظیر سرمایہ ہیں۔

۲۔شعائر کی تعظیم۔جس طرح سے نظمیں،واقعات،تاریخی حوادث اور شخصیتیں حماسی اور غیر حماسی ہوتی ہیں، اسی طرح سے شعار بھی حماسی اور غیر حماسی ہیں۔

اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ [۱]

قارئین کرام!

آپ نے کتاب کا مطالعہ فرمایا۔ استاد ومحقق شہید مرتضیٰ مطہری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے جس خوبصورتی کے ساتھ عزاداریٔ امام حسینؑ میں شامل خرافات سے متعلق اپنا درد دِل بیان کیا ہے اور عزاداری کو امامؑ کے قیام کے ہدف کی پٹری پر ڈالنے کی اہمیت وضرورت کو جس عرق ریزی کے ساتھ بیان فرمایا ہے' اسکے بعد یقیناً قارئین یہ محسوس کرتے ہونگے کہ اب اس مسئلہ میں ہمارے اپنے ملک' معاشرہ اور ماحول کے لحاظ سے ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ آخر کیا کرنا چاہیئے کہ جس سے ہم عزاداری میں اہداف حضرت ابی عبداللہؑ کو بازیاب کراسکیں؟

اس سلسلے میں ملک میں ایک ادارہ بنام ''مجلس تحقیق وترویجِ حیات وقیام وعزائے امام حسینؑ'' وجود میں آیا ہے۔

اس ادارے کے اہداف ومقاصد خود اسکے نام سے عیاں ہیں۔ اس قسم کے اداروں کو ملک کے طول وعرض میں ہر جگہ قائم ہونا چاہیئے۔ درج ذیل سطور میں ہم ایسے اداروں کے قیام کی از حد ضرورت پر مزید روشنی ڈالیں گے اور اس میدان میں عزم وہمت سے کرنے والوں کیلئے کام کرنے کا مختصر لائحہ عمل تجویز کرینگے تاکہ ذہنوں میں ابھرنے والے سوال ''اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟'' کا ایک قابل عمل جواب اور کام کی ابتداء کیلئے ایک خاکہ فراہم ہوسکے۔

---

۱ ترتیب وتنظیم: سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

حیات وقیام امام حسین پر تحقیق کیوں؟

واقعۂ قیام وشہادت حضرت امام حسین - پر آج چودہ سو سال کا طویل عرصہ بیت چکا ہے۔ آج یہ واقعہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کے توسط سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ ان انسانوں میں سے بعض تو معلوم الحال ہیں اور بعض مجہول الحال یعنی بعض پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور بعض پر نہیں۔

زمانۂ سابق میں کسی واقعہ کو نقل کرتے وقت منقول منہ کا تصدیق نامہ دکھانا ضروری ہوتا تھا' جبکہ آزادی پریس کے موجودہ زمانے میں تو گویا ہر شخص کمی وبیشی کرنے میں آزاد ہوگیا ہے۔ واقعات میں کمی بیشی اور تحریف وتضعیف کرنے کے مختلف اور متعدد اسباب وعوامل ہوتے ہیں۔ بعض افراد عناد ودشمنی کی وجہ سے یا وابستہ مفادات کے تحت ایسا کرتے ہیں' جبکہ بعض نادانستہ طور پر' عقیدتمندی میں اور اپنے خیالِ خام میں احتراماً ایسا کرتے ہیں۔

ان اسباب وعوامل نے واقعہ کربلا کو مشکوک بنانے، اس پر خطِ بطلان کھینچنے اور اسے اپنی مذموم مہم کے سیلاب میں بہا کر ساحلِ پستی بلکہ عدم تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن امام حسینؑ کی دوربین نگاہیں شاید یہ دیکھ رہی تھیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے روزِ اول سے ہی اپنے قیام کو ان مذموم عزائم سے محفوظ رکھنے اور ایک ناقابل انکار حقیقت بنانے کا اہتمام کیا تھا۔ آپؑ نے اس واقعہ کو رات کی تاریکیوں سے نکال کر گلی کوچوں سے ہٹا کر' دن کی روشنی میں کھلے میدان میں اور ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں وقوع پذیر ہونے کا موقع فراہم کیا۔ اس پیش بینی کی بنا پر اس واقعہ پر خطِ ابطلان کھینچنے اور اسے مشکوک بنانے میں تو دشمن کو کامیابی نہ ہوسکی تاہم اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس کو غیر مؤثر بنانے کی مذموم کوششیں بہت حد تک کامیاب ہوئی ہیں' کیونکہ جو نتائج مجالسِ امام حسینؑ سے برآمد ہونے چاہیئے تھے وہ حاصل نہیں ہورہے ہیں بلکہ خود یہ مجالس انکے بانیان کیلئے ہر روز نئی مشکلات اور چیلنج پیدا کررہی ہیں۔

یہاں یہ نکتہ انتہائی مہم ہے کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو اس واقعہ کو مشکوک بنانے اور ساحلِ عدم ونیستی تک پہنچانے کی مہم چلا رہے ہیں۔ ہم یہاں ان افراد کے نام لینا نہیں چاہتے اور لے بھی نہیں سکتے کیونکہ یہ کوئی

چند گنے چنے افراد تو ہیں نہیں بلکہ ایک پوری مشنری ہے' جس میں ہزاروں افراد ملوث ہیں۔ انکا سرا کہاں سے شروع ہو کر کہاں پہنچتا ہے' نہیں معلوم۔ لہٰذا ہم یہاں ان عناصر کی علامات واضح کرنے اور نشانیاں بتانے پر اکتفا کرینگے' انہیں تلاش کرنا آپ کا کام ہے۔

دورِ حاضر تحقیق وریسرچ کا دور ہے۔ آج ہر چیز پر تحقیق اور ریسرچ کی مہم نے ایک جنونی کیفیت اختیار کرلی ہے۔ جن کو تحقیق کرنا چاہئے وہ تو مصروف تحقیق ہیں ہی جنکا یہ کام نہیں ہے وہ بھی اس میں مشغول نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس دور میں تحقیق وریسرچ کے منکر کو فرسودہ اور رجعت پسند تصور کیا جاتا ہے۔ اسکی واضح مثال بعض دینی مدارس اور دینی شخصیات ہیں جو اب مدارس میں بھی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ داخل کر چکے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ تاثر دے سکیں کہ انکے یہاں ہر معاملہ پر جدید سائنسی انداز میں تحقیق وریسرچ کی جاتی ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دینی مدارس اپنے بنیادی اہداف بھی حاصل نہیں کر سکے ہیں اور نہ ہی آئندہ انکے حصول کی کوئی امید نظر آتی ہے۔

غرض' تحقیق وریسرچ کا دائرہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ اب تو چشم نادیدہ جرثومے حشرات الارض بھی اس سے باہر نہیں رہے۔ ایسے ماحول میں کسی گروہ کا یہ اصرار کرنا کتنا تعجب خیز ہے کہ امام حسینؑ سے متعلق مسائل کو جوں کا توں رکھا جائے۔ انکے خیال خام میں اس روش میں عزاداری کے لئے چیلنج و خطرہ ہے اور یہ اسکے خاتمہ کا سبب بن سکتا ہے۔ گویا یہ واقعہ معاذ اللہ ایک من گھڑت اور جھوٹا واقعہ ہو یا پھر تاریکی شب میں یا زیر زمین گھڑا گیا کوئی قصہ ہو کہ اس پر تحقیق کرنے سے اس کی قلعی کھل جائیگی اور یہ ایک ایسا خود ساختہ اور بناوٹی افسانہ ثابت ہو جائیگا جسکا کوئی سرا ہی نہ ملے گا۔ (العیاذ باللہ)

امام حسینؑ کا ایک مشہور و معروف لقب ''امام مظلومؑ'' بھی ہے۔ جب بھی امام مظلوم کہا جاتا ہے ذہنوں میں امام حسینؑ ہی آتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا ہے' اگر مسئلہ کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپؑ کے اس لقب کا مطلب کیا ہے مظلوم اسے کہا جاتا ہے جسکا کوئی حق' خواہ خاص اسی کا ہو یا عمومی ہو (جس میں دوسرے لوگ بھی شریک ہوں) مارا جائے اور اسے اس سے

محروم رکھا جائے۔ امام حسینؑ دونوں زاویوں سے مظلوم ہیں۔ خلافت و رہبری جو آپکا خصوصی حق تھا' اس سے بھی آپؑ کو محروم رکھا گیا اور پانی جو ہر ذی روح کا حق ہے' وہ بھی نہ ملا' آخر تشنہ لب شہید کر دئے گئے۔ اسی وجہ سے آپؑ کا نام امام مظلومؑ پڑ گیا۔

ہمیں کہنے دیجئے کہ اگر اُس وقت کے لوگوں نے آپؑ کو خلافت سے جو آپکا خصوصی حق تھا اور پانی' جو حقِ عمومی تھا دونوں سے محروم رکھا تھا' تو آج کے لوگ بھی کچھ کم ستم نہیں ڈھا رہے ہیں۔ تحقیق وریسرچ جسے آجکل سب کا حق مانا جاتا ہے' آپ کے قیام مقدس کو اس سے بھی محروم رکھنے کی مہم چلائی جارہی ہے' بلکہ پہرہ دیا جارہا ہے کہ کہیں کوئی آپؑ کے حیات و قیام کا باب ریسرچ نہ کھولے۔ گویا یہ لوگ خود کو امامؑ کا دوست ظاہر کرکے' اسی دوستی کے دروازے سے قیام امامؑ کو مشکوک بنا کر آپؑ کو پستی کی طرف دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ لیکن امام حسینؑ کا قیام و نہضت تو سب کیلئے مشعل راہ ہے جیسا کہ بہت سی اسلامی و غیر اسلامی شخصیات نے کہا ہے: ''حسینؑ سب کے ہیں''، یعنی صرف انکے نہیں ہیں جو تحقیق کے دروازے پر بندوق تانے بیٹھے ہیں حالانکہ انکو یہ حق نہ خدا نے دیا ہے' نہ رسولؐ نے' نہ آئمہؑ نے اور نہ ہی کسی منصف مزاج انسان نے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ دوستی کا لبادہ اوڑھ کر خود یزیدیت یہ کام کر رہی ہو؟

ہم ایسے لوگوں کی اتہام بازی سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ خبردار کوئی بھی قیام امامؑ کے بارے میں تحقیق نہ کرنے پائے۔ چنانچہ خدا اور رسولؐ پر اعتماد کے بل بوتے پر ہم یہ عزم کر چکے ہیں کہ کتب اسلامی و غیر اسلامی سے استفادہ کرتے ہوئے' حسبِ توفیق الٰہی اس واقعہ کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق وریسرچ کا اہتمام کرینگے۔ شاید اس طرح بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ ہدایت تک پہنچنے میں آسانی ہو سکے۔ دیگر حق شناس افراد سے بھی ہماری درخواست ہے کہ اس معاملہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے' ان سے ہمارا سوال ہے کہ آخر اسکی کیا منطق و دلیل ہے؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ تحقیق کرنے والوں کے مذموم عزائم ہیں تو ان سے ہمارا دوسرا سوال یہ ہے: کیا ان کے پاس اس الزام کا کوئی ثبوت ہے؟ ہم پوچھتے ہیں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تحقیق سے روکنے والوں کے عزائم مذموم ہوں؟

موضوعاتِ تحقیق

(الف) اسنادِ تاریخ

حیات وقیام امام حسینؑ سے متعلق منقول کلمات، کتب اور روایات کو قبول یا رد کرنے کے بارے میں کچھ اصول وضوابط طے کرنا پڑینگے کیونکہ ہمارے اور اس واقعہ کے درمیان تقریباً چودہ سو سال کا طویل فاصلہ حائل ہے۔ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں امامؑ سے منسوب جو کلمات و کتب اور حوادث و واقعات موجود ہیں، وہ مندرجہ ذیل ذرائع اور وسائل سے ہم تک پہنچے ہیں:

(۱) فریقین کی معروف ومشہور کتب روایات کہ جن میں ان واقعات کا ذکر موجود ہے۔ البتہ دونوں طرف کے علماء میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ ان کتب میں جو کچھ لکھا ہے، سب مستند نہیں ہے، بلکہ مستند اور غیر مستند دونوں طرح کی باتیں ان میں موجود ہیں۔

(۲) قدیم ترین کتب تاریخ ہوں یا تازہ ترین، سب ہی میں بعض واقعات کے سلسلے میں مصادر بیان کئے گئے ہیں اور بعض باتوں کو مصادر و مآخذ بتائے بغیر ہی نقل کر دیا گیا ہے۔

(۳) بعض کتابوں میں مجہول الاسم اور مجہول الحال کتب وشخصیات سے منسوب نقول اور واقعات بیان کئے گئے ہیں جن پر ایک خاص حد تک ہی بھروسہ و اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

(۴) بعض کتب تاریخ ومقاتل اہل سنت کی تالیف کردہ ہیں۔ چونکہ دور حاضر میں بعض حلقوں کی جانب سے واقعہ کربلا کو ایک من گھڑت قصہ قرار دینے کی مہم شروع کی گئی ہے لہٰذا ان کتابوں کے مؤلفین پر شیعہ ہونے یا کم از کم شیعیت سے متاثر ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔

(۵) اسی طرح بعض کتبِ تاریخ ومقاتل ہیں تو شیعہ علماء کی تالیف وتحریر کردہ لیکن ان میں بعض اقوال اور واقعات علمائے اہل سنت کی مرتب کردہ کتب تاریخ اور مقاتل سے نقل کئے گئے ہیں۔ لہٰذا وہ شیعہ علماء جو اس فکر کے مخالف ہیں، انکا کہنا ہے کہ یہ باتیں اہل سنت کے علماء اور کتب سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔

(۶) اس صدی میں امام حسینؑ سے متعلق لکھی گئی بعض کتب میں کچھ ایسے قصے بھی بیان کئے گئے ہیں جن کی سند

کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتی۔ لیکن ان کتب کے مصنفین کا کہنا ہے کہ انہوں نے ان قصوں کو اس لئے نقل کرنا ضروری سمجھا کہ یہ گریہ آور اور حزن وملال کے لئے مؤثر تھے۔

(۷) آجکل بیان کئے جانے والے زیادہ تر مصائب خوابوں پر مشتمل ہوتے ہیں، جنکی سند ایسے افراد کی طرف منتہی ہوتی ہے جو اس دنیا سے گزر چکے ہیں۔ لہٰذا نہ ان افراد سے باز پرس ہو سکتی ہے اور نہ وہ سنتے ہیں۔

(۸) ان جعلی مصائب کو بیان کرنے والے اکثر ان پڑھ افراد ہیں، جنہیں خوب پذیرائی حاصل ہو رہی ہے، بالخصوص دیہاتوں اور گاؤں میں تو ان لوگوں کا بول بالا ہے۔ ان علاقوں میں بیان ہونے والے مصائب سینہ بہ سینہ، زبان بہ زبان چلے آرہے ہیں۔ یہ مصائب ایسے ہیں جن کی سند مسلّمہ تو کجا، غیر مستند کتابوں میں بھی نہیں ملتی۔

(۹) متذکرہ بالا تمام حقائق حیات وقیام امام حسینؑ پر ضرورت تحقیق کے بین دلائل ہیں لیکن اس کے باوجود واقعہ کربلا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

(۱۰) واقعہ کربلا کا ایک مصدر ومآخذ تاریخ طبری ہے۔ اس کتاب میں واقعہ کربلا کو دو راویوں سے نقل کیا گیا ہے جن میں سے ایک لوط ابن یحییٰ المعروف ابی مخنف ہیں۔ انکے بیان کردہ واقعات میں امامؑ کے مؤقف کی حمایت، امامؑ کی مظلومیت اور بنو امیہ کی جنایت کا ذکر حاوی ہے۔ دوسرے راوی عوانہ بن حکم ہیں۔ انکی بیان کردہ نقول میں قتل حسینؑ اور یزید کی پشیمانی کا ذکر ملتا ہے اور اس سلسلہ میں عبیداللہ بن زیاد کو ذمہ دار ٹھہرانے کی کوشش بہت نمایاں نظر آتی ہے۔

سانحہ کربلا ایک ایسا ناقابل انکار واقعہ ہے کہ بنو امیہ کا دفاع کرنیوالے متعصب ترین مؤرخین ومصنفین نے بھی اپنی کتب میں اس واقعہ پر ایک دو صفحے تحریر کئے بغیر گزر جانا خیانت سمجھا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کی حقانیت کے ثبوت میں لکھی جانے والی کتابوں کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سے بھی زیادہ ہے۔ یہ لکھنے والے دو طرح کے ہیں۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اس عظیم واقعہ سے متعلق اگرچہ چند صفحات ہی سہی لکھ کر گزر جاتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس واقعہ میں من گھڑت کہانیاں اور فرسودہ قصوں کو شامل

کر کے اصل واقعات کو ڈھانپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایک ایسا شخص جو امام حسینؑ کے بارے میں لکھے گئے صفحات کو سمیٹنا چاہتا ہو‘ ان حالات میں بھلا کیا کرے۔اسکا واحد حل اوران دونوں گروہوں کی مذموم کوششوں کو خاک میں ملانے کا واحد طریقہ اور علاج یہ ہے کہ بھرپور طریقہ سے ایک تحریک چلائی جائے کہ اس واقعہ کے بارے میں ہر طرح کی تحقیق وریسرچ ہونا چاہیئے۔

(ب) تفاسیر وتاویلات

حیات وقیام امام حسینؑ سے متعلق مختلف اور متضاد تفاسیر وتاویلات میں ترجیحات کی بنیاد کیا ہے؟

جہاں تک اس واقعہ کے اسباب وعلل اور ذمہ دار وقصوروار فریق کی تفسیر وتاویل کا تعلق ہے‘ اس بارے میں حسینی اور یزیدی گروہ میں پہلے دن سے ہی کشمکش اور اختلاف پایا جاتا رہا ہے۔مخالفین نے کچھ عرصہ بعد ہی ایک عجیب چال چلی اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنی تفاسیر کو حسینیوں کے زبان وقلم سے فروغ دینے کی مہم چلائی‘ تا کہ اگر اس عظیم واقعہ کو طاق نسیان میں نہ لیجاسکیں اور لوگوں کے ذہنوں سے فراموش نہ کرا سکیں تو کم از کم غیر مؤثر تو بنا ہی دیا جائے۔مندرجہ ذیل تفاسیر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں‘ جنہیں ہمارے اپنے منابر (حسینی) سے فروغ مل رہا ہے۔

(۱) نظریہ فدا: یہ وہ منطق ہے جو نصاریٰ حضرت مسیحؑ کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔انکا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ امت کے تمام گناہ اپنے ذمہ لیکر ان کے لئے فدا ہوئے ہیں۔اسی نظریہ کو یہاں منطبق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔بس فرق یہ ہے کہ نصاریٰ کی جگہ شیعہ‘ دوستدار اہل بیتؑ اور حضرت مسیحؑ کی جگہ امام حسینؑ کو رکھ کر شیعوں کو تمام قوانین شریعت سے بری اور غیر مکلّف قرار دینے کی مہم چلائی گئی ہے۔

(۲) عزاداران امام حسینؑ کے دو بڑے گروہوں کی تفسیر ایک گروہ کے مطابق امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیتؑ کی ذمہ داری تھی کہ ایسے تمام وسائل اور ذرائع جن سے امامؑ کی جان بچ سکتی ہو‘ ان سے چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہو جائیں۔گویا انکا مقصد صرف جان دینا تھا اور بس۔دوسرا گروہ ان شیعوں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام تر احکام خدا اور مذہب کی دوسری تمام چیزوں کو بالائے طاق رکھ کر بس

حسینؑ کے نام پر رونا اور سینہ زنی کرنا ہی ان کی ذمہ داری ہے‘ اسکے علاوہ کچھ نہیں۔

(۳) تمام کتب تاریخ ومقاتل‘ خواہ وہ امامؑ کے حامیوں کی لکھی ہوئی ہوں یا مخالفین کی‘ سب کے تراوش قلم سے یہی نکلا ہے کہ امام حسینؑ کے قیام کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ بنوامیہ‘ بالخصوص یزید کا خلافت اسلامی کی کرسی پر قابض ہو جانا صحیح نہیں سمجھتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے۔اس کے باوجود بعض شیعہ علماء ومفکرین قیام حسینیؑ کو غیر سیاسی قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔اسکے بالمقابل دیگر فرقوں کے بعض علماء ومفکرین امامؑ کے قیام مقدس کو غیر شرعی قرار دیتے ہیں‘ درآنحالیکہ خود اپنے وقت کے ظالم حکمرانوں کی نہ صرف یہ کہ مذمت کرتے ہیں بلکہ انکے خلاف قیام کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

(۴) طلب شہادت: تاریخ بتاتی ہے کہ تمام اقوام وملل اور تمام مذاہب وادیان کے پیروکار‘ مبارزہ اور جہاد ہی کے ذریعے اپنی طاقت وقدرت کو بروئے کار لاکر کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچے ہیں۔اسکے برعکس ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی فرد یا گروہ خودکشی کرکے اور خود سے وابستہ تمام افراد کو مروا کر منزل مقصود سے قریب ہوا ہو یا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہو۔

(۵) تفسیر سیاسی: امامؑ کا قیام ترتیبی‘ تدریجی اور مرحلہ وار تھا۔پہلے مرحلہ میں آپؑ مدینہ سے نکل کر مکہ تشریف لائے‘ جہاں پر آپؑ نے اپنے مشن کا آغاز فرمایا اور قیام کی مہم چلائی۔اہل کوفہ کی دعوت اور یقین دہانیوں پر لبیک کہتے ہوئے آپؑ مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔کربلا میں تیس ہزار لشکر کے محاصرے میں گھر جانے کے باوجود آپؑ مرحلہ وار حرکت فرماتے رہے جو بالآخر آپکی اور آپؑ کے ساتھیوں کی شہادت پر منتج ہوا۔وہی شہادت جو ہر حق طلب اور ہر جنگجو کا مقدر ہوتی ہے۔

ان تمام واضح اور روشن اقدامات کے باوجود آپؑ کے درجۂ شہادت پر فائز ہونے کو غیر سیاسی ٹھہرانا ایک لمحہ فکریہ ہے۔ان لوگوں کو سوچنا چاہیئے کہ آخر امامؑ نے کس مقصد کے حصول کے لئے قیام فرمایا تھا کہ جسکے نتیجہ میں آپؑ شہادت عظمیٰ کے بلندترین مرتبہ پر فائز ہوئے؟

(۶) قیام امام حسینؑ کے مقاصد کیا تھے‘ اسکی وضاحت خود آپؑ کے کلمات وبیانات میں موجود ہے۔دنیا کی ملل

واقوام نے ان کلمات اور پیغامات کو دیکھ کر ہی امامؑ کو اپنا پیشوا قرار دیا ہے ۔ان واضح کلمات وبیانات کے باوجود' بعض مخالفین اور دوست نما دشمنوں نے 'اس قیام مقدس کو قبیلوں کی جنگ قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

دنیا کا دستور ہے کہ جب بھی کسی عدالت میں کوئی معاملہ زیر بحث آتا ہے تو اس واقعہ کی مخالفت وموافقت اورضد ونقیض ،دونوں پہلوؤں کے متعلق تفاسیر وتاویلات پیش کی جاتی ہیں۔لیکن یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے سلسلہ میں صورت حال بالکل مختلف ہے ۔کیا بوالعجبی ہے کہ قیام امامؑ سے متعلق دشمن کی پیش کردہ تفسیر وتاویل کو خود امام حسینؑ کے منبر سے انتہائی شدومدّ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے ۔اس وقت واقعہ کربلا کی مثال کم وبیش ایسی ہے' جیسے ایک وکیل فریق مخالف سے ساز باز کرلے اور اپنے ہی موکل کی خراب پیروی کرکے اس کو ہروانے کی کوشش کرے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آیا کتاب خدا یعنی قرآن مجید میں' روایاتِ مسلمہ اور کتب تاریخ میں یا خود ائمہ اطہارؑ کے کلمات میں کوئی معیار یا کسوٹی موجود ہے یا نہیں کہ جس پر ان متضاد ومتناقض تفاسیر کو پرکھ کر دیکھا جا سکے کہ کونسی تفسیر صحیح ہے اور کونسی غلط' کس کو ترجیح دی جائے اور کسے نہیں۔

آیا ان متضاد تفاسیر میں سے سب کو اپنایا جائے یا تحقیق وجستجو کرنے کے بعد صرف اسی کو اپنانا چاہئے جو درست ثابت ہو؟

بنیادی طور پر یہ تفاسیر دو قسم کی ہیں:

(۱) برہانی :اسکے ذیل میں وہ تفاسیر آتی ہیں جن میں حیات وقیام امام حسینؑ سے متعلق جستجو کرنے والوں نے اپنی تفسیر وتاویل کو عقل ونقل اور اسناد تاریخ سے باقاعدہ دلائل دے کر پیش کیا ہے۔

(۲) دعوائی :بعض لوگوں نے حیات وقیام امام حسینؑ کی تفسیر وتاویل کرتے وقت یا تو کسی قسم کی سند اور دلیل دینے کی زحمت نہیں کی ہے یا پھر خود ساختہ تاویلات اور اپنی خواہشات پر مبنی آراء پیش کی ہیں ۔اسی لئے ایسی تفاسیر کو تفسیر دعوائی کہتے ہیں۔

(ج) مراثی ونوحہ جات

شعراء اور اسناد تاریخ: شعروشاعری قدیم جاہلیت عرب کی پسندیدہ ثقافت تھی ۔اس صنف کی حُسن وخوبی اور معیار کو خود انہوں نے یوں پیش کیا ہے:

''بہترین شعر وہ ہے جو زیادہ جھوٹ پر مبنی ہو''۔

قرآن کریم نے زیادہ تر شعراء کو گم کردۂ راہ قرار دیا ہے ۔مگر چونکہ شعروشاعری میں ایک قسم کی پسندیدگی اور اثر پذیری پائی جاتی ہے' اسلئے معاشرہ میں اسکی محبوبیت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ باقی ہے۔

نثر کے مقابلہ میں شعر کئی گناہ زیادہ موثر ہوتا ہے اور دلوں کو گرویدہ کرتا ہے ۔اسی لئے آئمہ طاہرینؑ نے دین کی بات شعر میں کہنے والوں' بالخصوص امام حسینؑ کی مظلومیت کو بزبان شعر پیش کرنے والوں کو مادی جائزے عطا کرنے کے علاوہ آخرت میں اجروثواب کا مژدہ بھی سنایا ہے ۔شاید اسی وجہ سے تاریخ بشریت میں کوئی اور حادثہ' واقعہ یا شخصیت ایسی نہ ہوگی جسکے بارے میں' تمام اصناف سخن میں اظہار خیال کیا گیا ہو اور اتنے اشعار انشاء کئے گئے ہوں جتنے امامِ مظلومؑ اور واقعہ کربلا کے بارے میں کہے گئے ہیں۔

کبھی علمی وادبی ماحول اور بزم شعر سے مانوسیت کی بنا پر اور کبھی ذوق طبیعی کے باعث انسان کے اندر قریحہ شعر گوئی پیدا ہوجاتا ہے ۔چنانچہ بعض ان پڑھ لوگوں نے بھی اچھے' اچھے مرثیے اور نوحے انشاء کئے ہیں ۔اسلئے' ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ امامؑ کے حیات اور قیام ومصیبت کے بارے میں اشعار انشاء کرنے والی شخصیت' آیا مقام امامت سے بھی واقف ہے یا انکے اشعار فقط ذوق شعری کا اظہار ہیں اور کچھ نہیں؟ لہٰذا وہ شعراء کہ جو واقعہ کربلا کو دقت سے مطالعہ کرکے شعر انشاء کرتے ہیں' انہیں ائمہ کے فرمان کے مطابق آخرت میں تو اجروثواب ملے گا ہی' دنیا میں بھی انکی حوصلہ افزائی کرنا چاہئے اور ان کے لئے جائزہ رکھنا چاہئے تا کہ بہترین ادائیگی کرنے والے میدان میں رہ سکیں جبکہ فرسودہ اور جھوٹے اشعار کہنے والے اور محض اشک آور بیان انشاء کرنیوالے میدان سے ناپید ہوجائیں۔

صحیح مراثی و نوحہ جات کی حوصلہ افزائی اور تشویق کے ساتھ ساتھ متذکرہ بالا حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات کو بھی دائرہ تحقیق میں شامل کرنا چاہئے:

(۱) شعراء یا دانشمند و علماء حضرات کو چاہئے کہ واقعہ کربلا پر انشاء کردہ دقیق اور عمیق اشعار کو چھانٹ کر فرسودہ اشعار سے الگ کردیں۔

۲۔(نوحے‘ مرثیے‘ سوز و سلام‘ سب کو مستند اور مسلم روایات اور تاریخی حقائق پر مبنی ہو چاہئے۔

(۳) کوئی بھی شعر ہو‘ خواہ کسی کی بھی شان میں کہا گیا ہو‘ کتنے ہی نامور شاعر نے کیوں نہ کہا ہو‘ شاعر ملک الشعراء کا لقب حاصل کرنیوالا ہی کیوں نہ ہو‘ اگر شعر حقائق اور وقائع تاریخ کے خلاف ہے تو اسے اہل بیت اطہارؑ سے مس نہیں ہونا چاہئے۔ جھوٹ چونکہ نجس ہے لہٰذا اسے اہل بیت اطہارؑ سے مس نہیں ہونا چاہئے بہت سے مروجہ مرثیوں اور نوحوں میں ایسے ایسے من گھڑت اور جھوٹے قصے بیان کئے گئے ہیں جنکا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے ۔ مثلاً جناب فاطمہ صغریٰ کا امام حسینؑ کے نام خط‘ افسانہ ُطفلان مسلم‘ بعض علاقوں میں جناب شہربانو کہ جو حقیقتاً مادرِ حضرت سجادؑ ہیں، انہیں مادرِ قاسمؑ بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان جھوٹے قصوں پر مبنی نوحے‘ مرثیئے اور سوز و سلام پیش کئے جاتے ہیں۔ کسی بھی تاریخ میں ان قصوں کی سند نہیں ملتی۔ ان فرضی داستانوں کو بیان کرنے کا مقصد عزاداران امام حسینؑ کو رلانے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

(۴) بہت سے اشعار ایسے ہیں جنکی کوئی سند نہیں‘ اصلاً واقعہ کربلا سے انکا کوئی تعلق نہیں اور وہ صرف شعراء حضرات کی ذہنی اختراع ہیں۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہی فرضی داستانیں واقعہ کربلا کا جزو نظر آنے لگی ہیں۔ اس قسم کے جتنے بھی اشعار ہیں‘ ان سب کو حذف ہونا چاہئے۔

(۵) سانحہ کربلا میں بہت سے ایسے واقعات گزرے ہیں جو کم و بیش تمام کتب تاریخ میں نقل ہیں‘ خصوصاً امامؑ کے کلمات و خطب۔ لیکن ابھی تک کسی شاعر نے انہیں اپنے کلام کا عنوان نہیں بنایا ہے۔ اگر کسی نے عنوان بنایا بھی ہے تو انہیں فروغ نہیں ملا۔

(۶) شعری ذوق و قریحہ رکھنے والوں کو چاہئے کہ خطبات امامؑ اور خطبات جنابِ زینب (س) و امام سجادؑ کو

مؤثر اشعار کے سانچے میں ڈھالکر پیش کریں۔

(۷) ایک ایسا گروہ وجود میں آنا چاہئے جو تمام مراثی‘ نوحہ جات‘ سلام وغیرہ کے اشعار پر تحقیق کرے۔ جن اشعار کی سند ہو‘ انہیں فروغ دیا جائے اور جن کی سند باطل ہو یا جو نامسلّم ہوں‘ ان کی روک تھام کی جائے۔

(۸) تاریخ بشریت پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ ہر میدان کے علماء و مفکرین نے صرف ان عنوانات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے جن سے انکا تعلق تھا اور جو انکا میدان تھا۔ مثلاً اگر کوئی فلسفی ہے تو اس نے فلسفہ پر‘ فقیہ نے فقہ پر‘ مفسر نے تفسیر پر‘ ماہر طبیعات نے طبیعات پر اور مؤرخ نے تاریخ پر قلم اٹھایا ہے۔ لیکن امام حسینؑ کی شخصیت اور واقعہ کربلا ایک ایسی کائناتی حقیقت ہے جس پر سب نے قلم اٹھایا ہے‘ خواہ اسکا تعلق فقہ و علم دین اور تاریخ سے ہو یا نہ ہو۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اگر فقیہ نے اس سلسلہ میں قلم اٹھایا ہے تو فقہی حوالے سے اس کا نظریہ مقدم ہوگا اور اگر مؤرخ نے کچھ لکھا ہے تو تاریخی اعتبار سے اس کے بیان کی اہمیت ہوگی۔

البتہ علماء و مفکرین کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے امام حسینؑ پر قلم اٹھایا ہے ان میں وہ نام نہاد دانشمند شامل ہیں جو اپنے وقت کے حکمرانوں کی حاشیہ برداری میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ بعض افراد وہ ہیں جو اپنی آنکھوں پر فرقہ وارانہ تعصب کی پٹی باندھ کر لکھتے ہیں۔ کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو محض معلومات جمع کرنے اور واقعات جاننے کے شوقین ہوتے ہیں اور چونکہ انکا قلم اچھا ہوتا ہے‘ اسلئے لکھنے کیلئے بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے تمام حضرات نے اس معاملہ میں اپنی ذاتی آراء و نظریات کو شامل کردیا ہے‘ لہٰذا انہیں من و عن قبول نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہاں انکی شخصیت کو سامنے رکھ کر ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔

مجالس مذاکرہ کا اہتمام

حیات و قیام امام حسین - پر تحقیق کا ایک راستہ ملک کے گوشہ و کنار میں اس عنوان سے مجالس مذاکرہ کا اہتمام ہے۔ ان مجالس مذاکرہ کے نظام کو مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہونا چاہئے:

۱۔ مجالس مذاکرہ کا مقام اور دورانیہ: اس قسم کی مجالس مذاکرہ کا انعقاد مقامی‘ علاقائی‘ صوبائی اور ملکی سطح پر وقت‘

استطاعت اور مالی گنجائش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک روزہ‘ دو روزہ یا سہ روزہ بنیادوں پر کیا جا سکتا ہے۔

۲۔شرکائے مجالس مذاکرہ: شرکائے مجالس مذاکرہ کا انتخاب اجتماعی اور سیاسی بنیادوں سے ہٹ کر صرف دین و مذہب کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔اس میں خاص طور سے ان لوگوں کو دعوت دینا چاہیے جو عزاداری امام حسینؑ کی موجودہ صورتحال سے دلسوزی کے جذبات و احساسات رکھتے ہوں اور اس میں اصلاح عزاداری کی ضرورت پر عقیدہ رکھنے والوں کو ہی مدعو کرنا چاہیے۔

۳۔مدرّس یا مقررّ: ان مجالسِ مذاکرہ میں گفتگو کرنے کے لئے لائق اور دانشمند علماء کو مخصوص موضوعات پر غور و خوض اور مطالعہ کے لئے دعوت دی جائے۔اس کیلئے انہیں مناسب وقت دیا جائے اور ضروری کتب کا بندوبست بھی کیا جائے۔

۴۔نقد و انتقاد: شرکائے مجلسِ مذاکرہ کو یہ حق حاصل ہو کہ معتمدِ مذاکرہ کی اجازت سے وہ مدرسین‘ مقررین اور مقالہ نگاروں کے معروضات پر اپنا نقد و انتقاد یا ان کے انتقاد پر وارد اپنے اشکالات کو بیان کر سکیں اور انکی تجاویز کے متبادل اپنی تجاویز خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کر سکیں۔

۵۔اجتماعی مباحثہ: مجالسِ مذاکرہ کے شرکاء کو چند گروہوں میں تقسیم کر کے ورکنگ گروپس تشکیل دیے جائیں اور انہیں بعض موضوعات و مسائل سپرد کئے جائیں تاکہ وہ تفصیلی بحث و مباحثہ کے بعد انکا حل تلاش کریں اور اصلاح کے لئے سفارشات اور لائحہ عمل مرتب کریں۔

۶۔نمائش و فراہمی کتب: وہ تشنگانِ فلسفۂ قیامِ امام حسینؑ جو اس سلسلے میں حصولِ کتب کی خواہش اور شغف مطالعہ رکھتے ہیں لیکن انہیں موادِ مطالعہ کی کمی یا مالی مشکلات کا سامنا ہے‘ ان کے مسائل کی تشخیص کر کے انکے لئے بلا معاوضہ یا رعایتی قیمت پر کتب کی فراہمی کا بندوبست کیا جائے۔علاوہ ازیں متعلقہ کتب کی عمومی نمائش کا اہتمام بھی کیا جائے۔پاکستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر اور گاؤں میں اس پروگرام پر عمل درآمد ہونا چاہیے تاکہ کسی علاقے کے لوگ اس سہولت سے محروم نہ رہیں۔

۷۔مالی اخراجات: مجالس مذاکرہ کی مالی ضروریات کو‘ ان امور سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے عطیات‘

حقوقِ شرعیہ‘ یا کتب کے اسٹال وغیرہ لگا کر پورا کیا جا سکتا ہے۔

۸۔تعلقات و روابط: ان مجالسِ مذاکرہ کے انعقاد کے ذریعہ ملک کے گوشہ و کنار میں وقوع پذیر ہونے والے حالات سے آگاہی اور آپس کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر روابط قائم کئے جائیں۔

۹۔مجالس مذاکرہ کا اہتمام کرنے والوں کے لئے ضروری ہدایت: امام حسینؑ کے بارے میں تحقیقی مجالسِ مذاکرہ کا انعقاد کرنے والے لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے کہ ان مجالس کے امور‘ پیشہ ور قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں۔

کیونکہ ہر علاقے میں کچھ ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو دینی‘ مذہبی اور سیاسی‘ تمام مقدرّات کو اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں۔یہ لوگ سیاست پر مذہب کو قربان کرتے ہیں۔کچھ سارے اجتماع کو سیاست کیلئے فروخت کرتے ہیں‘ تو کبھی مذہبی امور میں دلسوی کا مظاہرہ کرتے ہیں ایسے افراد مکتب و مذہب کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے انہیں جوں کا توں‘ حالتِ اول میں رکھنے یا انہیں مزید پسماندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان افراد کی تمام تر کوششوں کا مقصد زیادہ سے زیادہ دولت کمانا ہوتا ہے چنانچہ ہر ممکن کوشش کی جائے کہ ایسے افراد کے ہاتھوں میں اختیارات نہ جانے پائیں۔

ملک میں موجود دینی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مجالس مذاکرہ کو اسکے موضوع تک ہی محدود رکھنا چاہیے کیونکہ کچھ افراد ان اجتماعات کو اپنے یا اپنے آقاؤں کے مخصوص مفادات کو حاصل کرنے کی غرض سے استعمال کرینگے ایسے لوگ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے حکمرانوں سے ٹکرانے‘ انکے خلاف جلوس نکالنے‘ لوگوں کو حکمرانوں سے بدگمان کرنے اور کبھی سیاسی پارٹیوں کے مقاصد کے حصول کیلئے انہیں فروخت اور استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے ہیں لہٰذا ان سب سے بچ بچا کر فقط اصل مقصد یعنی مذہبی آگاہی اور بیداری کیلئے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

ترتیب و تنظیم

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

عزاداری مظلوم کی حمایت کرنے کی دعوت ہے [۱]

عزاداری مظلوم کی حمایت کرنے کی دعوت ہے۔ مظلوم جب ظالم سے تنگ آجاتا ہے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو کسی ایسی جگہ جاکر اپنے ساتھ ہونے والے مظالم کے خلاف مظاہرہ کرتا ہے اور لوگوں سے اپنی حمایت و مدد کا طالب ہوتا ہے۔ دنیا کے اقوام و ملل ایسی فریاد سننے اور دیکھنے کے بعد بغیر کسی رنگ و نسل دین و مذہب پوچھے بغیر اس مظلوم کی حمایت کرتے ہیں۔ ہر وہ انسان جو ظالم سے وابستہ نہ ہو اس مظلوم کے گرد جمع ہوتا ہے۔ انسان کی مظلوم سے غیر مشروط حمایت دیکھ کر بعض ظالم پیشہ جب کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو وہ پہلے خود کو مظلوم ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ حالیہ بین الاقوامی واقعات میں دنیا کا مانا ہوا پیشہ ور ظالم جس نے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے کیلئے پہلے خود کو مظلوم بنایا اور پھر مسلمانوں پر ظلم کی بارش کی۔ لہٰذا تاریخ بشریت میں یہ ایک نمایاں سنت رہی ہے۔

مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والے اپنے آئمہ طاہرینؑ کی ہدایت پر عرصہ قدیم سے امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت پر ہر سال ایک عشرہ آپؑ کی یاد میں مناتے ہیں۔ تاکہ مظلوم کے حامیوں میں اضافہ ہو اور ظالمین سے نفرت اور بیزاری کا اظہار ہو۔ لیکن حالات یہ بتاتے ہیں کہ مظلوم کی حمایت میں اضافہ ہونے کی بجائے حامیوں میں محسوس طریقہ سے کمی آرہی ہے۔ بلکہ فریاد کرنے والوں کی مخالفت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والے عزاداری امام حسینؑ کے مراسم ادا کرنے والے ارباب حل وعقد کو اس غیر فطری حالات کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ کہ آخر مظلوم ہونے کے باوجود کیوں ہماری حمایت میں کمی اور مخالفت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر مسئلہ کچھ اور ہوتا تو یہ سوچ سکتے تھے کہ ہمارے مخالف زیادہ طیش میں آگئے ہیں لیکن ہم تو مظلوم ہیں اور مظلوم پر کوئی طیش میں نہیں کرتا۔

---

[۱] [اقتباس از کتاب افقِ گفتگو: تالیف سید علی شرف الدین (طبع دوم (شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ) صفحہ ۵۷۱ تا ۶۰۲)]

مظلوم اگر ظالم کے دربار میں ہی کیوں نہ جائے ظالم بے بس اور شرمسار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہمارے ارباب حل وعقد کو اس مسئلے پر ہر قسم کے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اس پر سوچنا چاہیے۔ میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر سوچنا بذات خود مظلوم کی حمایت ہے اگر آپ مظلوم کی حمایت کرنے والے ہیں تو اس مسئلہ پر سوچئے۔

ہماری عزاداری سے اس ملک میں بسنے والے مسلمان بھی پریشان و نالاں ہیں ایام عزا میں وہ بھی یہ کہتے ہیں خدایا اس عشرہ محرم کو خیریت سے گذار دے کیونکہ ان کے بقول ان ایام میں شیعہ طیش میں ہوتے ہیں کسی کی بات نہیں سنتے۔ حکومت کے ذمہ دار افراد اپنی جگہ پریشان ہوتے ہیں کہ کہیں کوئی ایسا واقعہ نہ پیش آجائے کہ جس کی وجہ سے انکا سٹار اترنے کی نوبت آئے۔ اسکے علاوہ ہم خود اپنی جگہ پریشان ہوتے ہیں کہ ہم حمایت حاصل کرنے کی بجائے خود ظلم کا نشانہ نہ بن جائیں۔

دنیا کے بہت سے مظلوم اب ظالم بن چکے ہیں یعنی اپنی مظلومیت بتانے اور دکھانے میں ظالم بن چکے ہیں۔ نعوذ باللہ اگر عزادار خود ظالم ہوں تو چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی امام حسینؑ کی مظلومیت میں اضافہ ہوگا اس لحاظ سے ہمیں پہلے مرحلہ میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ظالم کسے کہتے ہیں اور مظلوم کی کیا تعریف ہے۔ عقل و شرع اور لغت تینوں ظالم و مظلوم کی ایک ہی تعریف کرتے ہیں۔ ظالم اسے کہتے ہیں جو اپنے لئے مقرر شدہ حدود سے نکل جائے اور مظلوم اسے کہتے ہیں جسکی حدود میں کوئی داخل ہو جائے اور اگر مظلوم عدل وانصاف طلب کرتے ہوئے اپنی حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ وہیں سے ظالمین کی صف میں شامل ہو جائے گا اور اپنی حمایت کھو بیٹھے گا اور جو نفرت ظالم کو حاصل ہے وہ اسے بھی ملے گی۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ کہیں ہم اپنی حدودِ مظلومیت سے زیادہ آواز بلند کرنے اور حمایت حاصل کرنے کے طور طریقے سے تجاوز تو نہیں کر رہے ہیں یعنی کہیں خود مظلومیت سے نکل کر ظالم تو نہیں بن رہے ہیں۔ قرآن کریم اور سیرت طیبہ خاتم الانبیاءؐ جو کہ ہر مسلمان کیلئے حدود معین کرنے کا مصدر و مآخذ ہے ان دونوں کی روشنی میں ہمیں اپنی عزاداری کے تمام رسم و رواج اور طور طریقوں کو اپنانا چاہیے اور ان

سے طلب بیان کریں کہ کیا ہم آپ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں یا نہیں۔ خداوند عالم قرآن میں فرماتے ہیں کہ جو میری حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔اس تناظر میں ہم عناصر ترکیب عزاداری کو دیکھتے ہیں کہ ہماری عزاداری کن چیزوں سے مرکب ہے:

ا۔خود امام حسینؑ کی ذات مبارک ہے کہ کہیں ہمارے فضائل اور مصائب گوئی میں خود امام حسینؑ کی ذات ظلم کا نشانہ تو نہیں بن رہی ہے؟ ہم ظالم بن رہے ہوں۔جبکہ حسینؑ مظلوم ہیں تو ایسی صورت میں ہمارا شمار حسینؑ کی صف میں شامل ہونے کی بجائے یزید، شمر اور ابن زیاد کی صف میں ہوگا جنہوں نے دشمن کی حیثیت سے آپ کا مقام گرانے کی کوشش کی اور جبکہ ہم دوستی کی زبان سے ایسا کر رہے ہوں۔

۲۔جہاں ہم عزاداری کرتے ہیں یا جن جگہوں سے عزاداری کرتے ہوئے گزرتے ہیں ہمارے اس عمل سے ہمارے اہل وطن خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہو رہی ہے اگر ہو رہی ہے تو ہم خود ظالم بنیں گے اگرچہ آپ اسے اپنا حق ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں۔اگر چور کسی کے گھر میں داخل ہو کر یہ کہے کہ یہ میرا حق ہے تو اسکی یہ منطق قبول نہیں ہوگی۔

۳۔امام حسینؑ کے قیام کا ایک مقصد وہدف تھا جو آپؑ کے خطبات وکلمات اور سیرت سے واضح ہیں کہ اسلام کی سربلندی، مسلمانوں کی وحدت ویکجہتی تھے کہیں ہماری عزاداری اسلام سے بے اعتنائی اور مسلمانوں میں افتراق اور انتشار کا سبب تو نہیں بن رہی ہے اگر ایسا ہے تو ہم امام حسینؑ کے اہداف ومقاصد پر ظلم کر رہے ہیں جو امامؑ پر ہونے والے مظالم سے بھی بدتر ہے۔

۴۔چوتھا عنصر خود عزادار ہیں یعنی جو اپنے آئمہؑ کے فرمودات کے تحت امام حسینؑ کے قیام کے اہداف ومقاصد کو دنیا کے دیگر گوشہ وکنار اور اقوام وملل اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا کردار ادا کر رہے ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم واسطہ بننے کی بجائے خود ہدف بن رہے ہوں اور حسینؑ ہمارے اس ہدف کے وسیلہ کے طور پر استعمال ہو رہے ہوں۔

آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ چار عناصر اپنی حدود میں قائم ہیں یا اپنی حدود سے نکل چکے ہیں۔

ہماری عزاداری جو اس وقت رائج ہے یہ کہاں اپنی حدود سے نکل رہی ہے اور کہاں ظلم ہو رہا ہے۔

ا۔خدا پر ظلم ہو رہا ہے کیونکہ خطیب اور مقرر خدا کو بے بس دکھاتے ہیں تدبیر اور تخلیق کے نظام کو علی ابن طالبؑ سے وابستہ ومربوط کرتے ہیں جو ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

۲۔دین وشریعت اور عقائد وفروعات ایک مکمل نظام حیات ہے جو دنیا کی سعادت اور آخرت کیلئے باعث نجات ہے۔ان سب کو چھوڑ کر صرف عزاداری ہی کو مذہب بنا رہے ہیں اور اس میں بھی شریعت کی معین کردہ حدود کو چاک کر کے مرد وعورت بے حجابی کے عالم میں یورپ اور غیر مسلموں کے اجتماع جیسا مظاہرہ کر رہے ہیں اور انکی اسلام سے وابستہ ہونے کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی ہیں۔

۳۔امام حسینؑ ہی ان مصائب کا مرکز ومحور ہیں۔لہٰذا آئمہ طاہرینؑ نے صرف امام حسینؑ کی مصیبت کو اٹھایا، اگر اہلبیتؑ پر کوئی مصیبت آئی تو حسینؑ کی مصیبت کو یاد کیا۔لیکن ہماری عزاداری میں ان کے رکاب میں موجود ان بھائیوں، بیٹوں، برادرزادوں، آپ کی خواہر و بیٹیوں اور زوجہ کی بجائے فرضی زوجات ام حبیبہ، شیریں پر رویا جاتا ہے تعجب ہے کہ ظلم کس پر ہوا اور رویا کس پر جا رہا ہے۔ظلم اس کائنات کے اشرف المخلوقات اور منتخب شدہ گھرانے پر ہوا اور مصیبت اونٹ، ہرن اور گھوڑے پر پڑھی جائے۔

۴۔قیام حسینی جو اس وقت تک دنیا میں زندہ ہے جس سے قدیم کتب تاریخ پُر ہیں اسے چھوڑ کر قصے کہانیوں، خوابوں اور سنی سنائی باتوں کو پڑھا جاتا ہے جو بذات خود تاریخ حسینؑ پر ظلم ہے کیونکہ اصل تاریخ کو چھوڑ کر جعلیات بیان کی جاتی ہیں۔

۵۔عزاداری جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مظلوم کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے یہاں اضافہ تو درکنار عزاداری قوموں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے اور ہر قوم کی علیحدہ نوحہ خواں پارٹیاں ہیں۔

۶۔امام حسینؑ اپنے اس قیام کیلئے جو اسلحہ لے کر گئے تھے وہ قرآن کریم اور سنت رسولؐ سے استدلال تھا

عقل و منطق ضمیر و وجدان سے گفتگو یہ تمام حسین ابن علیؑ کی طاقت اور نہ ختم ہونے والا اسلحہ تھا۔ جب کہ عزاداروں کی کوشش ہے کہ قیام امام حسینؑ اور انکی عزاداری کو عقل سے خارج کیا جائے اور اسے ایک صوفیانہ مسلک بنا دیا جائے جہاں عقلاء کیلئے دروازہ بند ہے۔

۷۔ سب سے بڑا ظلم جھوٹ ہے جو عزاداری میں شامل ہو رہا ہے۔ ذاکرین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس جھوٹ کو کسی نہ کسی کتاب کی طرف نسبت دے کر پڑھا جائے کیونکہ یہ اشک آور ہیں۔ جب کہ قرآن نے جھوٹ کو ظلم قرار دیا ہے جسکا ذکر ان آیات میں ہیں:

﴿ومن اظلم ممّن افترٰی علی الله کذبًا او کذب باٰیتہٖ﴾ ''اس سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو خدا پر بہتان باندھے اور اس کی آیات کی تکذیب کرے''۔ (انعام ۲۱) ﴿فمن اظلم ممن کذب علی الله و کذب بالصّدق اذجآءہ﴾ ''تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر بہتان باندھے اور صداقت کے آجانے کے بعد اس کی تکذیب کرے۔'' (زمر ۳۲) ﴿فمن اظلم ممن افترٰی علی الله کذبًا او کذب باٰیتہٖ﴾ ''اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا الزام لگائے یا اس کی آیتوں کی تکذیب کرے۔'' (یونس ۱۷) ﴿ومن اظلم ممن افترٰی علی الله کذبًا او کذب باٰیتہٖ انه لایفلح الظّٰلمون﴾ ''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جُھوٹا بہتان لگائے یا اللہ کی نشانیوں کو جُھٹلائے؟ یقیناً ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔'' (انعام ۲۱) ﴿فمن ممن کذّب باٰیٰت الله وصدف عنها﴾ ''اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے۔'' (انعام ۱۵۷) ﴿فمن اظلم ممن افترٰی علی الله کذبًا او کذّب باٰیتہٖ﴾ ''آخر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو بلکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے۔'' (اعراف ۳۷) ﴿فمن اظلم ممن افترٰی علی الله کذبًا او کذّب باٰیتہٖ﴾ ''پھر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو ایک جُھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب

کرے یا اللہ کی واقعی آیات کو جُھوٹا قرار دے'' (یونس ۱۷)

۸۔ ہمارے قرب و جوار اور گذرگاہوں کے قریب رہنے والوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ ملک میں رہنے والی اکثریت کے پیشواؤں کو بلند آواز میں سب وشتم کیا جاتا ہے۔ شریعت اور دنیا کے رائج قانون نے ایک دوسرے کیلئے ایک حدود معین کی ہیں اگر آپ اپنی حدود سے نکل کر دوسرے کی حدود میں داخل ہونگے تو یہ ظلم ہوگا۔ لہٰذا قرآن فرماتا ہے جو دوسرے کی حدود میں داخل ہوگا اس کا شمار ظالمین میں ہوگا۔ آپ ان کی گلیوں میں داخل ہو کر انہیں چیلنج کرتے ہیں انکی عبادت گاہوں اور عبادت کے مواقع پر جا کر انھیں موجودہ وقت کا یزید کہتے ہیں کیا ایسے کردار و عمل سے بھی ہم مظلوم ہی رہیں گئے۔ یا ظالمین کی صف میں شامل ہونگے۔

عزاداری امام حسینؑ اور دینی ادارے

ہمارے ملک میں عزاداری سید الشہداء علیہ السلام اور مجالس امام حسینؑ میں ہونے والی ذاکری سوزخوانی، نوحہ خوانی اور سلام و مرثیے میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے، اس کا بیشتر حصہ من گھڑت قصوں اور افسانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ قیام مقدس امام حسینؑ سے متعلق مستند کتب کی عدم دستیابی، حیات و قیام مقدس ابا عبداللہ سے متعلق تحقیقی روش اپنانے میں کوتاہی اور اس موضوع پر ملک میں دروس، سیمینار اور مذاکرات کے انعقاد کی کمی ہے۔ صد افسوس کہ ہمارا دین تو حسینؑ کے دم سے قائم ہے مگر ہمارے دینی ادارے ان حقائق سے چشم پوشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورتحال میں وہ قوم جو امام حسینؑ سے بے پناہ عقیدت رکھتی ہے اور عزاداری پر ہمہ وقت اپنا تن من دھن غرض سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار نظر آتی ہے اسے اسکی غلط روش کے خطرات سے آگاہ کون کرے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ان نقصانات کی طرف متوجہ کرانے کیلئے خطرہ کی اس گھنٹی کو کم از کم اب تو بج ہی جانا چاہیے۔

ہمارے یہاں ہر شخص محکم یقین، عقیدت واحترام اور انتہائی جذبہ کے ساتھ یہ کہتا نظر آتا ہے کہ

عزاداری ہماری شہ رگِ حیات ہے۔ یہ جملہ گویا ایک ایسی قانونی دفعہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جسے انسان آخری مرحلہ پر استعمال کرتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں اپنے دینی و مذہبی حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے اگر اس طرح حقوق نہ مل پائیں تو بین الاقوامی حقوق انسانی کی دفعات کا سہارا لیتا ہے۔ جب اس سے بھی کام نہیں بنتا تو آخر میں حقوق حیات کے قانون کو اٹھاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ زندہ رہنے کا حق ہر ذی حیات کو حاصل ہے لہذا ہمیں بھی یہ حق ملنا چاہئیے۔

جس طرح درختوں اور دیگر سبزہ جات کے زندہ رہنے کیلئے پانی اور آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسانی حیات کیلئے بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس پانی کا نام عزاداری ہے۔ یہ پانی ہمیشہ ملنا چاہے ہمیں اس کے طلب کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ اس حق کو نظر انداز کرنا یا اس سے دستبردار ہونا ہمارے لئے گویا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ وہ عزاداری امام حسینؑ جو دین اسلام کیلئے موت وحیات کا درجہ رکھتی ہے، اس کی بقا کیلئے جو ادارے قائم ہیں وہ اس سلسلے میں کس حد تک سرگرم عمل ہیں اور کہاں تک اس طرف متوجہ ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم اصل مسئلے کی طرف آئیں ہم تمام قارئین کرام پر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارا مورد خطاب کوئی خاص ادارہ نہیں ہے۔ ہمارا کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی ہم کسی سے کسی چیز کے طالب ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ کسی کی کوئی چیز ہمارے پاس ہو اور ہم بہانہ تراش کر اسے دبانا چاہتے ہوں۔ ہمارا اگر کسی سے اتفاق ہے تو وہ فکر کی بنیاد پر ہے اور اگر کسی سے اختلاف ہے تو وہ بھی فکر کی وجہ سے ہے، لہذا ہمیں کسی کی ذات سے اختلاف ہرگز نہیں ہے۔

موقوفات عزاداری

مذہب تشیع میں امام حسینؑ سے ایک خاص وابستگی پائی جاتی ہے۔ اس وابستگی کے نتیجہ میں نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ دنیا کے ہر گوشہ میں جتنی دولت واملاک آپ کے نام سے موجود ہیں اتنی کسی اورا مام کے نام سے نہیں ہیں۔ یہاں پر ان موقوفات کے اعداد وشمار بیان کرنے کی ضرورت تو نہیں اور نہ

ہی اسکی گنجائش ہے۔

جب امام حسینؑ کے نام سے منسوب، مختلف شکل وصورتوں میں اتنی کثیر موقوفات موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ ان پر وہ شرعی احکام بھی نافذ العمل ہونگے جو فقہائے کرام نے اس سلسلہ میں بیان فرمائے ہیں۔ اسی لئے ان احکام کو بیان کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ علماء وفقہاء فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں پانچ نکات بہت اہم ہیں:

الف۔ وقف: جو چیز وقف کی گئی وہ چیز خود اپنی اصل حالت میں باقی رہنی چاہیے، صرف اس سے حاصل ہونے والا فائدہ موقوف علیہ کے استعمال میں آسکتا ہے۔

ب۔ واقف: جو شخص کوئی چیز وقف کرتا ہے اسے واقف کہتے ہیں۔ جیسے ہی یہ وقف وقوع پذیر ہوتا ہے، خواہ وہ وقف عام ہو یا وقفِ خاص، وہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے۔

ج۔ موقوف لاجلہ: جس مقصد کیلئے وقف کیا گیا ہے۔

د۔ موقوف علیہ: موقوف علیہ جس کے نام پر وقف کیا جائے۔ اگر موقوف علیہ وقف شدہ چیز کو اپنے قبضہ میں لینے کی اہلیت نہ رکھتا ہو جیسے نابالغ، دیوانہ، مجور تصرف ہو یا خود موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے ولی یا متولی کو حق تصرف حاصل ہو جائیگا۔

ر۔ بعض موقوف علیہ ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں ولی کی ضرورت ہوتی تو ہے لیکن ولی نہیں ہوتا یا دوسرے لفظوں میں املاک کا کوئی سر پرست نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں حاکم شرعی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اسکے انتظام وانصرام کا بندوبست کرے کیونکہ اس طرح کی موقوفات یا جائیداد کو متروک حالت میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چنانچہ قدیم زمانہ سے لیکر آج تک فقہاء کا طریقہ رہا ہے کہ اطراف واکناف میں اپنے نمائندوں کو ایک اجازت نامہ جسے ''امور حسبیہ'' کہا جاتا ہے دیکر بھیجتے رہے ہیں تا کہ وہ ایسے معاملات کو سنبھال سکیں۔ تمام علماء دین اس طریقہ کار سے اچھی طرح واقف ہیں۔

آج اگر آپ ملک کے گوشہ وکنار میں نظر ڈالیں تو آپ مشاہدہ کریں گے کہ کتنی ہی املاک ایسی ہیں جو

امام حسینؑ کے گھوڑے کے نام سے وقف ہیں۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا ان املاک کا مالک گھوڑا یا کوئی اور جو اس کی طرف سے جائیداد پر قابض ہے؟ اگر یہ چیزیں کسی کے قبضے میں نہیں ہیں تو پھر ان کا مصرف کیا ہے؟ کیا ان حالات میں ہزاروں کروڑوں کی املاک غیر شرعی مصارف میں ضائع نہیں ہو رہی ہیں؟ تمام اہل دین سے بالخصوص علمائے دین سے درخواست ہے کہ وہ خود بھی اس مسئلے پر غور کریں اور فقہاء و مجتہدین سے بھی دریافت کریں۔

آج سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مکتب امام حسینؑ بے بس ہے۔صد افسوس کہ اس قیام کی تفسیر و توضیح کرنے اور اس سے متعلق سوالات کے جوابات دینے میں عقل و منطق کے بجائے گالی گلوچ اور ڈنڈے سے کام لیا جاتا ہے۔کیا یہ ایک المیہ اور لمحہ فکریہ نہیں ہے؟۔

تحفظ عزاداری کے نام سے مذموم عزائم کی مُہم جوئی

قارئین کرام اور سامعین ان باتوں سے اچھی طرح واقف ہیں کہ فی زمانہ ہمارے مجالس عزا کی اکثر محافل میں ذاکرین و مقررین حضرات پڑھتے ہیں تاہم ان نکات کی ایک مختصر سی فہرست پیش کرتے ہیں جن پر یہ حضرات بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔

۱۔عزاداری برائے عزاداری یعنی اہداف و مقاصد سے خالی اقامہ عزاداری کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔تمام اہل سنت والجماعت کو دشمن اہل بیتؑ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت حضرات اہل بیت اطہارؑ کے نام پر صلواۃ و سلام بھیجتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔

۳۔عزاداری امامؑ کو اس کے اہداف و مقاصد پر استوار کرنے اور اس کے اندر ٹھونسی گئیں خرافات کو نکالنے والوں کو عزاداری بند کرنے والوں سے متہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔درحقیقت اس سے انکا مقصد عزاداری میں نت نئے خرافات داخل کرنے کیلئے دروازہ کُھلا رکھنا ہے۔

۴۔فضائل اہل بیتؑ کے نام سے تشیع میں غلو اور نصیریت پھیلانے کی مہم۔

۵۔آئے دن نئے شعائر حسینی کے نام، نئی شبیہ، نئے تعزیئے کے ماڈل ایجاد کرنیکی مہم۔ دراصل ان

اقدامات کی آڑ میں یہ لوگ عزاداری امامؑ کو نصیریت پھیلانے کیلئے بطور پلیٹ فارم استعمال کرتے ہیں۔

۶۔برملا حکمران اور اکثریتی طبقہ کی مذمت کر کے ملت تشیع کو خوفزدہ اور ہنگامی حالات اور غیر یقینی زندگی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔جبکہ تحفظ عزاداری کے صحیح مصداق و مفہوم یہ ہیں:

۱۔حیات و قیام حسینی کے تاریخی صفحات کو ہر قسم کے تغیر و تحریف (کمی پیشی) سے محفوظ رکھنا۔

۲۔عزاداری امام حسینؑ جن مقاصد کیلئے آئمہؑ نے قائم رکھنے کی سفارش کی ہے انہی مقاصد کی راہ پر اقامہ کرنا۔

۳۔ان مجالس عزاء میں ہر فرد مسلمان بلکہ ہر ظالم سے نفرت اور مظلوم کی حمایت کے خواہاں افراد کو شرکت کی دعوت دینا اور ان کی شرکت کی گنجائش رکھنا۔

۴۔ہر قسم کے تقسیم اور گروہ بندی کے عوامل کو اس سے دور رکھنا۔

۵۔ہر دن اس کے اجتماع اور مراسم کو بارونق اور بامعنی اور ناظرین و سامعین کے لئے محفوظ بنانا تحفظ عزاداری کا صحیح مفہوم ہے۔

قصۂ گریہ

مجالس امام حسینؑ جنہیں بعض بزرگان دین و مذہب نے مدارس امام حسینؑ کہا ہے۔اسی لئے اس میں شریک طالبان علم و معرفت کیلئے خاص امتیاز و سند کی بنیاد پر کلاس بندی قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ اس میں شریک آزاد قلب سلیم، وجدانِ پاک، عقل خالص رکھنے والے چھوٹے بڑے، سیاہ و سفید، افسر و ملازم (جس طرح نماز و طواف میں کسی قسم کی طبقہ بندی اور امتیازات نہیں ہیں) یہاں بھی کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔مجالس امام حسینؑ ایک مدرسہ ہے۔لیکن بدقسمتی سے یہ مدرسہ ایک طویل عرصہ سے اپنی حقیقی جائے گاہ (مقام و منزلت) سے ہٹا دیا گیا ہے۔اسی وجہ سے اس کے متوقع نتائج و ثمرات سے امت اسلامی بالعموم اہل تشیع (عزاداران امام حسینؑ) تنہا محروم نہیں ہو رہے بلکہ عزاداری کے منعقد کرنے کے سلسلے میں

مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان سب کی برگشت 'ہدف حسین' مقصد حسینؑ گریہ کیلئے مختص ہیں نہ کہ حسینؑ گریہ کیلئے ان تمام مسائل کا خلاصہ گریہ کی صورت میں ہوا ہے۔انحرافات کے عوامل و اسباب کا تجزیہ وتحلیل کریں۔تو اس کا ایک بڑا سبب ''قصہ گریہ'' ہے۔یعنی امام حسینؑ کی مصیبت میں رونا یا بقول رونے جیسی شکل بنانا بغیر کسی شرط وشروط کے عبادت ہے۔مجالس امام حسینؑ میں اس عنصر کو ایسا مقام ومرتبہ دیا گیا ہے۔کہ اس میں موجود عقلی اور شرعی شرائط کو نکالنے پر تنہا اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اس کے حصول کیلئے نہ صرف غلط راستے اپنائے گئے بلکہ قول وفعل حرام جیسے جھوٹ وغیرہ کے ارتکاب سے بھی مدد لینا جائز سمجھا گیا ہے۔اس بھی زیادہ انحراف، رونا جو کہ دلوں کو قافلہ حسینیؑ کی طرف کشش کرنے کا وسیلہ تھا وہی ہدف میں تبدیل ہو گیا یعنی رونا وسیلہ نہیں بلکہ ہدف بن گیا ہے اور حسینؑ اس کا وسیلہ بنے ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ مجالس امام حسینؑ سے خطاب کرنے والے رونے رلانے کیلئے مضحکہ خیز قصے کہانیوں سے رلاتے ہیں۔چونکہ ان کے نزدیک آنکھوں میں موجود بادلوں کی نمی کو قطرات کی صورت میں اتارنے کیلئے یہ قصے ہی مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔لہٰذا کوئی چیز تجربہ سے رلانے میں کامیاب ومؤثر ثابت ہو اس کیلئے کسی سند کی ضرورت نہیں پڑتی۔اسی سلسلہ میں سوال کریں تو جواب ملتا ہے کہ ضروری تو نہیں کہ ہم قدیم اسناد سے ثابت کریں بلکہ سند میں بھی ہم نئی ایجادات سے مدد لے سکتے ہیں آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ جو قصے کہانیاں رونے رلانے میں مؤثر ثابت ہوتے ہیں ان کے مآخذ، مصادر کہاں سے لئے جاتے ہیں۔یقیناً ایک اسلام شناس عالم دانشمند دانشور کو چاہیے کہ جس واقعہ کا ذکر کرے وہ واقعہ جس سن میں وقوع پزیر ہوا ہے اس سن میں موجود یا اس کے قریب ترین افراد یا کتب سے ملنا چاہیے۔واقعہ کربلا سب جانتے ہیں کہ ۶۱ ہجری میں وقوع پذیر ہوا اس لئے اس واقعہ کے بارے میں پہلے پہل لکھی گئی تاریخ ومقاتل میں کونسی کتابیں ہیں۔اور یہ قصے اور کہانیاں جو اس وقت رائج ہیں وہ کتنے سال بعد لکھی گئی کتابوں سے لئے گئے ہیں اور انھوں نے اس کی سند کہاں سے لی ہے اور اس پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے یا پھر اس کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ یہ سینہ بسینہ زبان بہ زبان نقل ہے۔

اب ذرا مختصر سا ان قصہ کہانیوں کی فہرست کا جائزہ لیتے ہیں گر چہ آپ کیلئے یہ کوئی نئی چیز نہیں لیکن یہاں تذکر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ورنہ یہ قصے کہانیاں ایک عرصہ سے چل رہی ہیں۔

۱۔قصہ عروسی حضرت قاسم بن حضرت امام حسنؑ: یہ شادی کس عمر میں کس لڑکی سے کس وقت اور کس حالت میں ہوئی ہے۔کونسی مستند تاریخ میں ہے۔اگر اس غم انگیز اور لاشوں کی نقل وحرکت اور عزیزوں کے آہ وفغاں کے دوران ایسی حالت میں یہ شادی انجام پائی ہو اور دور حاضر میں اس کے مراسم کو پورے علاقائی رسومات کے تحت مناتے ہیں تو ان غیر شیعوں کو جوان دو مہینے میں ازدواجی مراسم انجام دیتے ہیں ان کو اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنا کر لشکر یزیدی کے ہم نوا کیوں قرار دیتے ہیں؟ اور اس پر اہل تاریخ ومقاتل کس حد تک اعتبار کر سکتے ہیں۔

۲۔قصہ فاطمہ صغریٰ: امام حسین سے منسوب کتنی بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک مریض وعلیل تھی جسے آپ مدینہ چھوڑ کر کربلا تشریف لے گئے اور اس سے ایسی کہانیاں وضع ہوئیں ہے جو ادنیٰ سا جاہل بدو گھرانے والی لڑکی بھی نہیں کر سکتی۔امام کی کتنی بیٹیاں تھیں؟ ان میں سے کتنی آپ کے ساتھ تھیں؟ ایک حسن مثنیٰ کے عقد میں تھیں اور دو اور بیٹیاں شام غریباں کو میدان کربلا میں بغل گیر ہو کر وفات پا گئیں۔ایک نے شام کے زندان میں وفات پائی ایک سکینہ اور ایک رقیہ تھیں جنھوں نے بھی وفات پائی تو کونسی بیٹی تھی جس کو قاسم کے عقد میں دیا تھا۔پہلے لڑکیوں کی تعداد اور ان کی ماؤں کا ذکر کریں اور اپنی تاریخ کو صاف ستھراء مدلل اور مستند پیش کریں امامؑ کی تمام قربانی کو اپنی مجلس کی کامیابی کیلئے قربان نہ کریں۔

۳۔طفلان مسلم بن عقیل: حضرت مسلم بن عقیلؑ کے دو جواں فرزند جو صاحبِ شجاعت وشہامت اور فضائل وکمالات میں اپنے باپ کے وارث تھے کربلا کے میدان میں بعض تاریخ مقاتل کے تحت اولین شہداء ابو طالبؑ شمار کئے جاتے ہیں۔جبکہ یہ دونوں نابالغ بچے کیسے اور کہاں سب سے الگ ہوئے اور کوفہ میں قتل ہوئے اور ان دونوں کی کیا فضیلت وامتیاز ہے کہ جس کی بنیاد پر ان معصوم بچوں کا

تو ذکر ہوا اور وہ دونوں جوان جو کربلا میں شہید ہوئے ان کا ذکر اس فہرست سے محو ہو۔ اگر شیخ طائفہ شیخ صدوق علیہ رحمہ سے کوئی بھی واقعہ ولو موازین عقل ونقل، تاریخ سے متصادم ومتعارض بھی ہو من و عن قبول کرنا چاہیے تو پھر شیخ طائفہ سے منسوب ایک نقل کہ خمس شیعوں کیلئے مباح ہے۔ تو پھر کیوں اسے دونوں ہاتھ بڑھا کر وصول کرتے ہیں، خمس نہ دینے والوں کو کیوں مرتد وغاصب کہتے ہیں شیخ طائفہ سے منسوب ایک قول سہوالنبی ہے یعنی نبی سہو (بھول سکتا) کرسکتا ہے، اس قول کو کیوں نہیں اپناتے ۔ غیر معصوم کتنی ہی جلیل القدر ہستی کیوں نہ ہو اس سے غلطی کی گنجائش رکھی جاسکتی ہے۔ بالخصوص گزشت زمان کے ساتھ ان کی کتابوں میں بھی کمی بیشی ہونے کی گنجائش ہے۔ لہٰذا علماء ہمیشہ نسخہ اصلی تلاش کرتے ہیں تاکہ موجودہ کتاب کا اس سے موازنہ کریں۔

۴۔ قصہ ام حبیبہ: یہ ام حبیبہ نامی خاتون کون تھیں، یہ کیسے امام کے عقد میں آئیں کس بنیاد پر امامؑ نے ان کو طلاق دی اور کس کتب تاریخ ومقاتل میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

۵۔ قصہ شیریں: یہ قصہ بھی قصہ ام حبیبہ کی طرح ہے۔

۶۔ حیوانوں سے منسوب کرنا: رونا وسیلہ سے نکل کر اب ہدف بن چکا ہے اس کا واضح ثبوت یہ قصہ ہے؛ جو حیوانوں سے منسوب ہے۔ آیا کسی حیوان کے طور طریقہ پر رونا امام حسینؑ پر رونا ہے۔ اسی طرح اونٹوں کا امام سجادؑ سے خرابہ شام سے گزرتے ہوئے بات کرنا اور گفتگو کرنا وغیرہ۔

۷۔ بنی اسد کے بچوں کا قصہ: اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز قصہ بنی اسد کے بچوں کا ہے کہ جس میں امام حسینؑ نے واقعہ کربلا سے پہلے بنی اسد کے بچوں کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ اگر ہم یہاں مارے جائیں، اور ہمیں دفنانے والا کوئی نہ ہو تو تم اپنے دامنوں میں مٹی بھر کر آنا اور کھیلتے ہوئے ہمارے اجساد پاک پر ڈالنا۔ تمہارا کھیل ہو جائے گا اور ہم دفن ہو جائیں گے۔

۸۔ حضرت علی کا شام غریباں میں کربلا میں آنا: کربلا کے میدان میں شام غریباں کو حضرت زینب کا پہرہ دینا اور امیر المومنین حضرت علیؑ کا حضرت زینب کو پرسا دینے کیلئے کربلا آنا۔

۹۔ شام غریباں میں بچوں کا کم ہونا: حضرت زینبؑ نے شام غریباں کو جب بچوں کو گنا تو ان میں سے دو کم معلوم ہوئے تو ام کلثوم کو ساتھ لے کر تلاش میں نکلیں تو کسی جگہ دو بچے آپس میں بغلگیر ہو کر مر چکے تھے۔

بھلا بتائیے کہ امام حسینؑ کے ساتھ کتنے بچے تھے کیا ذاکر، خطیب اور مصیبت بیان کرنے والے اس کی تفصیل بتاتے ہیں اور اس کی کوئی سند پیش کرتے ہیں۔ ان جیسی اور بھی سینکڑوں قصہ کہانیاں موجود ہیں جو کہ مصائب کی صورت میں پیش کی جاتیں ہیں۔ جو کسی عادی انسان سے متعلق ہیں یا کسی حیوان سے۔ جن کا امام حسینؑ یا امام حسینؑ کے مشن اور اہداف ومقاصد سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ واسطہ رکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ البتہ ایک زمانہ میں ان جھوٹے اور بے سند قصوں کو مصائب امام حسین میں شامل کرنے اور ان کو پڑھنے کا الزام خطیب، مقررین اور ذاکرین تک محدود تھا۔ لیکن جس طرح دنیا میں نئی ایجادات ہوئیں ہیں انھوں نے بھی ان قصوں کو مستند ومعتبر بنانے کیلئے نئے طور طریقے اپنائے ہیں جن کو اپنانے کے بعد یہ بے سند قصے مستند اور معتبر بن جاتے ہیں۔ جس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ عبا، قبا اور عمامہ میں ملبوس ہونا۔

۲۔ عراق وایران کے حوزہ علمیہ سے پڑھا ہونا۔ جہاں فقہ اور اصول کے علاوہ تاریخ کا پہلا سبق بھی نہیں پڑھایا جاتا۔

۳۔ اگر واقعہ کربلا کے بارے میں رائج کوئی بھی قصہ بیان نہ کریں تو حضرت زہرہ (سلام اللہ علیہ) ناراض ہو جائیں گی۔ یا حضرت فاطمہؑ نے فلاں شخص کو اس قصے کا ذکر کرنے کا پیغام بھیجا ہے۔

۴۔ امام حسینؑ پر بہت مصیبت گزری ہے۔ ان اشقیاء نے بہت مظالم کئے ہیں۔ لیکن جو ہم پڑھتے ہیں ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

۵۔ بعض افراد اور کتب عزاداری کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان سے ہوشیار رہیں۔

۶۔کسی دینی مدرسے کا استاد ہونا یا شاگرد ہونا۔

۷۔یہ قصہ ہم نے کسی کتاب میں دیکھا ہے یا معتبر ذرائع سے سنا ہے۔

۸۔کسی مجتہد کے حضور میں کسی ذاکر کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

۹۔کسی شخص یا کتاب کی سند دینے کے بعد کوئی بھی مصیبت پڑھ سکتے ہیں اور ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ان بزرگ خطباء حضرات سے یہ دو سوال ہیں:

۱۔ آیا اس اصول کو صرف امام حسینؑ کی مصیبت میں جائز مانیں گے۔یا دین وشریعت کے دیگر شعبہ جات جیسے اصول وعقائد، اخلاق، فقہ، تفسیر وفضائل اور مناقب سب میں یہی طریقہ واصول رائج و مقبول ہوگا؟

۲۔ آیا کسی شخصیت یا کسی کتاب کی سند دینے سے ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے؟ تو ایسی صورت میں وہ مصائب یا فضائل جسے عقل ونقلِ متواتر اور بڑے جید علماء ومحققین نے بیان وقلم سے غلط ثابت کیا ہو تو کیا اس کے باوجود گریہ کی خاطر پڑھ سکتے ہیں؟

ہم تمام دانشور باشعور عوام سب سے دست بستہ یہ التماس کرتے ہیں کہ ہم کسی مسئلہ پر اصرار نہیں کرتے ہمارا اصرار اس بات پر ہے کہ تاریخ اور قصہ حسینؑ کو لاوارث نہ چھوڑیں۔اس کو افسانہ سازوں کے ہاتھوں میں نہ دیں۔اس پر تحقیق کرنے والوں کو اجازت دیں۔خطیب ومقرر جہاں تک ہو سکے اپنے بیان کی سند پیش کریں۔عزاداری حضرت امام حسینؑ سے ہماری مراد آپ کی قبر مطہر کی زیارت کرنا اور آپ کے حیات وقیام، شہادت ومصائب اور اعلی وارفع مقاصد کو دنیا کے سامنے بہترین انداز میں پیش کرنا ہے۔

عزاداری امام مظلوم ایک ایسی حقیقت ہے کہ تمام نوابغ علماء وفقہا نے اپنے سیرت طیبہ اور قول وفعل سے اسکی تلقین فرمائی ہے۔اس کا اہتمام ونگہداری کرنا دین کو رونق ودوام بخشتا ہے جبکہ اس میں سستی اور کاہلی دین ومکتب سے دوری کے اسباب فراہم کرتی ہے۔دین مکتب کو سمجھنے والی ہستیوں نے قیام امام حسینؑ کو

تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دین اسلام محمدؐ کے ذریعہ وجود میں آیا اور حسینؑ کے نام سے باقی ہے۔دین اسلام کی عظمت اور اس کی قیمت وارزش کو اگر دیکھنا ہے تو قیام امام حسینؑ کے آئینہ میں دیکھنا چاہئے۔اسی لئے دین کے تمام محافظان وپاسداران نے آئمہ سے لیکر علماء وفقہا تک سب نے اپنے شیعوں کو ہر موقع ومحل پر امام حسینؑ کی طرف متوجہ کیا ہے۔جتنی تلقین آپ کی قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں ہوئی ہے نہ آپ سے پہلے کسی ہستی کے لئے ہوئی ہے اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے ہوگی۔ سب نے امام حسینؑ کی قبر مطہر کی زیارت اور آپ کی مصیبت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ دین ومکتب کی قدر وعظمت، قیام وحیات امام حسینؑ اور زیارت قبر حسینؑ کی روشنی میں اور زیادہ تابناک نظر آتی ہے۔

آپ کی شہادت کے واقعہ کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد آج اس عزاداری اور زیارت کی صورت حال کیا ہے۔آیا موجودہ عزاداری سے دین ومکتب کی عظمت وبزرگی زیادہ نمایاں ہو رہی ہے یا پھر مفاد پرست عناصر نے اپنے ذاتی مفادات کے حصول کیلئے اس میں نت نئے طریقے اور نئی نئی رسومات داخل کر کے اس عظیم شعائر اسلامی کو داغدار بنا دیا ہے؟ آیا عزاداری امام حسینؑ سے دین کو فروغ مل رہا ہے، ہر سال دین کے چہرے سے داغ ومیل صاف ہو رہا ہے، لوگوں کا دین کی طرف میل ورجحان بڑھ رہا ہے یا پھر اسکے ذریعہ سے مذہب میں فرسودگی کو رواج دیا جا رہا ہے؟ آیا ہمارے یہاں عزاداری آئمہ طاہرینؑ کے فرمودات کے مطابق علماء وفقہاء کی نظارت میں ہو رہی ہے یا چند جنونی شکل کے مفاد پرست جاہل ونادان لوگوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہے؟

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس وقت ہمارے خطہ میں عزاداری امام مظلومؑ مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہے جو اس سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔انکے بالمقابل امت کے وہ ذمہ دار افراد ہیں جو عزاداری پر گزرنے والے ان حالات سے چشم پوشی اور پہلوتہی کئے ہوئے ہیں۔گویا انہوں نے مفاد پرستوں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ تم لوگ اپنا کام کئے جاؤ اور ہمیں اپنے کام میں مصروف رہنے دو۔نہ ہم

تمہارے خلاف کچھ بولیں گے اور نہ تم ہی ہمیں کچھ کہو۔

اس سلسلے میں اپنی بات کا آغاز کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ عزاداری امام حسینؑ صرف شیعوں ہی سے مربوط نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق پوری امت مسلمہ سے ہے۔ ہر وہ مسلمان جو رسولؐ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے آپ کے ختمی مرتبت ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اپنے لئے امت رسولؐ میں سے ہونا باعث فخر سمجھتا ہے اور مصیبت امام حسینؑ کی یاد منانے میں کسی نہ کسی صورت میں خود کو شریک جانتا ہے چنانچہ زیارت امام حسین میں بھی یہ فقرہ ملتا ہے کہ تمام امت مسلمہ پر آپ کی شہادت گراں گزری ہے ان عقائد کے حامل مسلمانوں نے اپنے نبی پاکؐ کے محبوب نواسے پر گزرنے والی مصیبتوں پر ہمیشہ افسوس و دکھ کا زبان و قلم سے اظہار کیا ہے گرچہ بعض شیعہ حضرات انہیں متعصب گردانتے ہیں انکے علاوہ کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو عزاداری سے تو اختلاف رکھتے ہیں لیکن جب امام حسینؑ پر قلم اٹھاتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ کس قدر جذبہ اور احترام کے ساتھ حسین کا نام لیتے ہیں اور ان کی مصیبت پر حسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس معاملے میں علماء اہل سنت بھی قلم و بیان میں شیعوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب معجم کتب مؤلفین حیات و قیام امام حسینؑ میں کتنی ہی ایسی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے مولفین مکتب اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں ساتھ ہی ہم نے بعض مؤلفین کے حالات زندگی اور امام حسینؑ سے انکے جوش عقیدت کی حالت کو بھی قلم بند کیا ہے۔

دوسرے مرحلہ میں وہ عزاداران امام حسینؑ ہیں جنکا تعلق مکتب تشیع سے ہے۔ شیعہ خدا و رسول کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر مہدی آخر زمان (عج) تک امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور انھیں جانشین رسول گردانتے ہیں۔ سب کے سب عزاداری کرتے ہیں مجلس میں شرکت کرنے، اظہار مصیبت کرنے، مجالس عزاداری برپا کرنے میں فکری و اقتصادی طور پر سب شریک ہوتے ہیں کوئی شیعہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ عزادار امام مظلوم نہیں ہے۔ غرض عزاداری کا جو تصور شیعوں کے پاس ہے اس میں سب برابر کے شریک ہیں۔ مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والے عزاداران امام مظلوم میں ایک گروہ وہ ہے جو مومنین سے

عطیات وصول کر کے عزاداری کی مجالس و محافل، جلوس اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ لوگ بانیان عزاداری یا بانیان مجلس کہلاتے ہیں۔ ان کا کام مجالس برپا کرنا، فرش عزا بچھانا اور اسکے لئے جگہ وغیرہ کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ دوسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو ایک لحاظ سے تنہا خود کو عزادار گردانتے ہیں۔ یہ نوحے پڑتے ہیں اور سینہ زنی کرتے ہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ یہ لوگ دوران مجلس باہر بیٹھے گفتگو و خورد و نوش میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ذکر مصائب بھی نہیں سنتے۔ جب خطیب اپنا خطاب ختم کر کے فارغ ہو جاتا ہے پھر یہ لوگ مجلس عزاء میں داخل ہوتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں یہ ہی طریقہ رائج ہے۔ اس سے تاثر کچھ ایسا ملتا ہے کہ ان کی مصیبت کسی اور قسم کی ہے اور باقی عزاداروں کی کسی اور نوعیت کی۔ اس تقسیم کی کیا منطق ہے یہ بات آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آسکی، تاہم دونوں گروں میں ایک تناؤ اور دوئیت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

مکتب امام حسینؑ کے ادنیٰ خادم کی حیثیت سے جہاں عزاداری کو فروغ دینا اور عزاداری برپا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہماری ذمہ داری ہے، وہیں پر ان غلطیوں اور انحرافات کی نشاندہی کرنا بھی ہمارا حق بلکہ فرض ہے جو سال بہ سال عزاداران امام مظلومؑ کو جادہ مستقیم سے دور کرتی چلی جا رہی ہے اور جسے گذشتہ بیس سالوں سے ہم بڑی بے صبری سے دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ جس طرح سے ایک انسان کیلئے بچوں کی تربیت و تعلیم اور انکی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ انکی نگرانی کرنا بھی لازم ہوتا ہے، دین و مذہب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ لہذا جہاں دین و مذہب کے فروغ کیلئے اسباب مہیا کرنا ضروری ہے وہاں اسکی نگرانی بھی کرنی چاہیے۔ جس طرح دیگر دینی امور لوگوں کے عطیات اور مال امام کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں، اسی طرح سے عزاداری میں بھی مال امام ہی خرچ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں لوگ جو کچھ عطیات دیتے ہیں، وہ اگر خمس نہ بھی ہو تو مال امام ضرور ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے جو کچھ دیا ہے رضائے امام کیلئے دیا ہے۔ لہذا دیکھنا پڑے گا کہ یہ مال واقعاً رضائے امام کے حصول میں خرچ ہو رہا ہے یا مذہب کو غیر منطقی و غیر عقلی انجام تک پہنچانے کا سبب بن رہا ہے۔ اگر ایسا ہے اور یقیناً

ایسا ہی ہے تو ایسی صورت میں ان غلطیوں کی نشاندہی ہونی چاہیے۔ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مجالس عزاداری میں خطباوذاکرین جو کچھ بیان کرتے ہیں اس سے حق عزاداری جو بقول معصومؑ احیائے امر ائمہ ہے اداہورہاہے یانہیں۔

ہمارافرض بنتا ہے کہ ہم دیکھیں کہ ان مجالس میں پڑھے جانے والے مرثیوں،نوحوں وغیرہ میں کیا کہا جارہا ہے۔ان کی بھی اسی طرح نگرانی ہونی چاہیئے۔جس طرح دیگر رسومات عزاداری کی نگرانی لازمی ہے،کیونکہ انکی صورت حال بھی دوسری معاملات سے بہتر نہیں ہے۔اور یہ بھی انہی خرافات کا شکار ہے۔

عزاداری امام حسینؑ اس وقت جن حالات سے گذر رہی ہے، پہلے ہم اسکا تجزیہ کریں گے۔

۱۔ ایام عزامیں کی جانے والی تقریر کا موضوع زیادہ تر خندق وخیبر ہوتا ہے۔حضرت علیؑ کا دیگر ہم عصر صحابہ سے مقابلہ وموازنہ ان پر اس قدر سخت تنقید کی جاتی کہ اس سے برادران اہل سنت کے جذ بات مجروح ہوتے ہیں۔ان موضوعات کا نہ صرف یہ کہ قیام امام حسینؑ کے اہداف ومقاصد اور عزاداری سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔بلکہ یہ چندین لحاظ سے غیر منطقی بھی ہے۔

الف۔جنگ خندق ہو،خیبر ہو یا احد ان تمام جنگوں میں اسلام کا مقابلہ کفر وشرک سے تھا۔الحمدللہ ان تمام معرکوں میں مشرکین کو شکست ہوئی اور حضرت محمد مصطفیؐ اور آپؐ کا لشکر فتح سے ہمکنار ہوا ان جنگوں میں جو لوگ میدان جنگ میں دشمن سے برسرپیکار رہے اور جو خیموں میں تھے سب کے سب شامل جنگ سمجھے جاتے ہیں۔جنگ سے واپسی پر پیغمبر اکرمؐ نے کبھی کسی کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔

ب۔نہج البلاغہ میں موجود مولا امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے واضح خطبات موجود ہیں جن میں مخالفین سے مصالحت آمیز رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے مگر علیؑ کو موضوع کلام بنانے والے خطباءوذاکرین خود حضرتؑ کی ان تعلیمات کو نظرانداز کرتے ہیں۔

ج۔ امام حسینؑ نے اپنے تمام تر قیام کے دوران کبھی خلفاء کے دور کا ذکر نہیں فرمایا۔اہلبیتؑ نے ہمیشہ وحدت امت کی خاطر ان مسائل کو برداشت کیا۔

د۔ تقیہ سے متعلق وارد احادیث کے مطابق تقیہ کی ایک قسم "تقیہ مدارات" ہے یعنی اگر دین کو خطرہ نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے وحدت اسلامی کی خاطر مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے اور انکے دلوں کو زخمی کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔اس مقصد کیلئے ائمہ اطہارؑ اور فقہائے عظام نے اہل سنت حضرات کے ساتھ نماز جماعت میں شرکت کرنے،جمیع مسلمین کے ساتھ ایک ہی دن عید منانے اور ایک ساتھ اعمال حج بجالانے کی تاکید کی ہے۔

ھ۔ان چند سالوں میں شیعہ قوم کو جو کچھ پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں، وہ ہمارے ممبروں سے بیان کی جانے والی تقریروں کا منطقی نتیجہ ہیں۔

ط۔آج مسلمان اگر آنکھ کھول کر دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ دنیا کفر اسلام کے خلاف متحد ہو چکی ہے۔چنانچہ جسطرح پیغمبر اکرمؐ نے اسلام کی خاطر مشرکین کے خلاف یہودیوں سے معائدہ کیا تھا،ہمیں بھی مسلمانوں کے دیگر مکاتب کے ساتھ متحد رہنا چاہیے تا کہ اس پرآشوب دور میں اسلام کا دفاع کیا جاسکے۔

ع۔ امام حسینؑ نے خروج مدینہ سے لیکر شہادت تک یزید و بنی امیہ کو مورد عتاب رکھا ہر جگہ ان پر تنقید کی، جب کہ ہماری مجالس اس موضوع سے خارج نظر آتی ہیں۔

۲۔ مجالس عزاداری میں خطباء کا ایک پسندیدہ موضوع سائنسی انکشافات ہیں۔بعض مقررین ان باتوں کو بنیاد بنا کر اہل مغرب اور دشمنان اسلام کو بلندوبالا اور مسلمانوں کو کمزور وناتواں بنا کر پیش کرتے ہیں۔اسطرح سے لوگوں کے دلوں میں مغربی افکار کی محبت موجزن ہو رہی ہے۔اور یوں دیگر ذرائع ابلاغ کی طرح اب ممبر حسینیؑ بھی لوگوں کو مغرب کی جانب متوجہ کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ممبر حسینیؑ وہ جگہ ہے جہاں سے امام حسینؑ کو اور اسلام و اہلبیتؑ کو نمونہ بنا کر

دکھانا چاہئے مگر ہائے حسینؑ! کہ اب وہاں سے بھی مغرب کو ایک اعلیٰ نمونہ دکھلایا جارہا ہے۔ ہمارے ملک کے مسلمانوں کی بے عملی کا مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کی ظاہری دین داری سے موازنہ کرتے ہوئے بعض تو یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ حقیقی اسلام مغرب میں ہے اور معاذ اللہ وہ وقت آنے والا ہے کہ جب مسلمان اسلام بھی مغرب سے لینگے۔اس طرح سے مغرب کی مدح سرائی کرنا خود منبع دین مبین اسلام کی نفی کرنا نہیں تو کیا ہے۔ بدقسمتی سے سامعین بھی ان باتوں کو پسند کرتے ہیں اور خوب داد دیتے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اپنے جد کی عزاداری پر ڈھائی گئی اس مصیبت پر کیا امام زمان (عج) کا دل خون کے آنسو نہ روتا ہوگا۔

۳۔ امام حسینؑ کے اصلی مصائب کو چھوڑ کر لوگوں کو رُلانے اور چند آنسو بہانے کی خاطر نت نئے جعلی مصائب غیر مستند کتابوں سے چن چن کر پڑھے جاتے ہیں، اگر کہیں لکھا ہوا نہ ملے تو خود گڑھ لیتے ہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے تو کہتے ہیں کتاب کا حوالہ دے کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر انکی اس منطق کو مان لیا جائے تو پھر کوئی بات بھی قابل نقد و اعتراض نہیں رہے گی۔

۴۔ حیات و قیام امام حسینؑ آپ کے اہل بیت اطہارؑ اور آپؑ کے باوفا اصحابؓ کی قربانیوں کو کہانیوں اور افسانوں میں تبدیل کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ نت نئی غیر عقلی رسومات کو عزاداری میں شامل کر کے اس مقدس تحریک کو فرسودہ کرنے اور اس کی کیفیت کو مسخ کرنے کو تحفظ عزاداری کا نام دیا جارہا ہے۔ جبکہ حقیقی عزاداری یہ ہے کہ اہداف امام حسینؑ کو اور کلمات و خطبات امام حسینؑ کو تاریخ کے سینوں سے اور مسلمہ و مستند متون سے نکالا جائے، ان پر پڑے گرد و غبار کو صاف کیا جائے اور اس میں کی گئی کمی وبیشی پر تحقیق کی جائے۔

۵۔ لوگ بعض چیزوں کو اپنی زندگی میں ناجائز و ناروا سمجھتے ہیں، اپنے مسائل میں ان چیزوں کی موجودگی کو برداشت نہیں کرتے بلکہ کبھی تو انہیں اپنے خلاف سازش گردانتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے کے حل کیلئے کہیں پر جمع ہوکر لوگ گفتگو کررہے ہوں اور ایسے میں اگر کوئی گفتگو کو اصل

موضوع سے ہٹا کر کہیں اور لے جائے تو ظاہر ہے کہ سب چیخ و پکار کریں گے اور کہیں گے کہ تم نے تو موضوع کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ مگر افسوس کہ عزاداران امام حسینؑ اس روش کو اپنے معاملات میں تو غلط سمجھتے ہیں مگر امام حسینؑ کے معاملہ میں ایسا ہوتا دیکھ کر خاموش رہتے ہیں بلکہ اسے جائز گردانتے ہیں۔ اپنے لئے تو موضوع سے باہر کی باتوں کو غیر عقلی سمجھتے ہیں لیکن مجالسِ امام حسینؑ میں موضوع سے باہر کی گفتگو کو بھی عین موضوع گردانتے ہیں۔ اس لئے عزاداری امام حسینؑ کا اہتمام کرنے والوں سے ہماری درخواست ہے کہ عزاداری کو خاص امام حسینؑ سے مختص کیا جائے تاکہ امامؑ کی سیرتِ طیبہ، قول و فعل، سکوت و خاموشی، مصیبت و شہادت اور آپؑ کے اہداف و مقاصد سے لوگوں کو آگاہی حاصل ہو اور ان کے مقابل افراد کے عزائم سب پر عیاں و روشن ہوں۔ اس کی روشنی میں قیام مقدس کو دین سے ربط دیکر لوگوں کو بتلایا جائے کہ شہادت امامؑ میں کیا پیغام مضمر ہے؟

وہ ادارے جو خاص طور پر امام حسینؑ کے نام سے موجود ہیں ان اداروں کے ذمہ داروں کو چاہے کہ عزاداری کو صحیح معنوں میں فروغ دینے اسے خرافات سے پاک کرنے کا اہتمام کریں۔ عزاداری میں کن کن موضوعات کو اہمیت دینا چاہے کن کو مقدم اور کن کو مئوخر رکھنا چاہے؟ اس سلسلے میں ہم آئندہ صفحات میں کچھ تجاویز پیش کرینگے۔ مگر پہلے یہ دیکھیں گے کہ ان تجاویز کا دائرہ کار کیا ہونا چاہئے، پہلے ہم انکی حدود بیان کریں گے تاکہ تجاویز کو ان حدود کے اندر رکھا جاسکے۔

امام حسینؑ نے اپنی حیات میں شروع سے لیکر آخر تک اور آپ کے بعد آنے والے دوسرے ائمہ طاہرینؑ نے عزاداری کا اہتمام کر کے جن مسائل کو زیادہ اہمیت دی ہے ہمیں بھی چاہے کہ انہی مسائل کو مقدم رکھیں اور جس راہ میں امام حسینؑ نے قربانی دی ہے ہم بھی اسی راہ میں قربانی دیں۔ سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں وہ راستہ کیا ہے۔ یہ معلوم کرنے کیلئے ہم کو اچھی طرح سوچنا پڑے گا اور ہر پہلو سے اس کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس سلسلہ میں درج ذیل تصورات ہمارے ذہن میں آتے ہیں:

۱۔ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ یزید کی حکمرانی میں اسلام زندہ نہیں رہ سکتا۔لہذا میں اسلام کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، چاہے اس کی مجھے کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔امام حسینؑ کے اس عزم کے پیش نظر عزاداری کا عنوان اور عزاداروں کے نزدیک سب سے عزیز ''اسلام'' ہونا چاہے۔کیا ہماری عزاداری میں ایسا ہوتا ہے۔کیا ہم اسلام کو عنوان بناتے ہیں؟ کیا ہمارے عمل میں اسلام محترم ہے؟ یا اسلام کے مسائل سے ہماری دلچسپی ختم ہوگئی ہے ہم نے تحفظ اسلام کی ذمہ داری کو دوسروں پر چھوڑا ہے؟ ان حالات میں ہمارا فرض ہے کہ خود بھی اس پر غور کریں اور دوسروں کو بھی اس مسئلے پر غور کرنے کی دعوت دیں۔بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہمارے کردار میں اسلام ہے نہ ہمارا موضوع وعنوانِ کلام اسلام ہے اور نہ ہمارے لئے اسلام محترم ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی کوئی گروہ ملک میں اسلام کی اہانت کا مرتکب ہوتا ہے تو ہماری طرف سے کسی قسم کا ردعمل سامنے نہیں آتا۔بات صرف یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہانتک دیکھنے میں آیا ہے کہ ہماری قوم کے بعض افراد ان اسلام مخالف گروہوں کی کارستانیوں میں باقاعدہ انکا ساتھ دیتے ہیں یا کم از کم انکے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔گویا ہمارے خیال میں اسلام کا دفاع کرنا کسی اور کی ذمہ داری ہے ہماری نہیں۔

۲۔ امام حسینؑ نے جو دوسرا اہم نکتہ اپنے قیام میں اٹھایا' وہ خلافت اسلامی ہے۔آپؑ نے فرمایا کہ اس منصب کیلئے سب سے زیادہ سزاوار ہم اہل بیت ہیں۔ امام حسینؑ نے اہل بیت کو اس طرح بلند کیا جیسے خدا نے اپنی کتاب میں اور جیسے رسولؐ وعلیؑ نے بلند کیا تھا۔امام عالی مقامؑ نے اہل بیت کو دین وشریعت کا نگہبان، قرآن وسنت کا محافظ اور خلق خدا کی ہدایت ورہبری کا علمبردار قرار دیا۔ آپ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ معاشرے میں عدل وانصاف قائم کرنا اور فساد کا خاتمہ کرنا منصبِ خلافت کی ذمہ داریوں میں سے ہے جسے صرف اہل بیت ہی کماحقہ انجام دے سکتے ہیں۔امام عالی مقامؑ نے اس مطلب کو بار بار دہرا کر اس وقت کے ذمہ دار افراد تک یہ

پیغام پہنچایا۔ ذرا انصاف سے بتلایئے کہ کیا آج اس مطلب کو عزاداری کا عنوانِ کلام بنایا جاتا ہے؟ کیا نفاذ اسلام، قرآن کی تعلیم، اجرائے سنت اور امت کی قیادت ورہبری کے مسائل ہماری مجلسوں میں بیان ہوتے ہیں؟ یا ان مجالس کو امامؑ کے وسیلہ سے اپنے رزق میں برکت اور اس حقیر دنیا کی ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں عزاداری میں اس دوسرے عنصر کو بہت زیادہ مقام دیا جاتا ہے جبکہ پہلے کو بلکل نظرانداز کر رکھا ہے۔

۳۔ امام حسینؑ نے جو تیسرا نکتہ اپنے قیام کے پہلے دن ہی سے سرنامہ خطاب بنایا تھا وہ یہ کہ یزید وآل ابوسفیان اس منصب خلافت یا مسلمانوں کی قیادت ورہبری کیلئے اہل نہیں ہیں۔اسلام کے ساتھ ان لوگوں نے جو خیانت کی تھی آپ نے اس سے امت کو متنبہ کیا، جبکہ خلفاء راشدین کے بارے میں آپ نے مکمل خاموشی کو اپنایا۔ہمیں بھی مجالس عزا میں اسی روش کو اپنانا چاہے۔ کربلا کا تعلق امام حسینؑ و یزید سے تھا، نہ کہ حضرت علی وخلفائے ثلاثہ سے۔اگر کوئی ماضی میں جھانکنا چاہتا ہے تو پیغمبر اسلام اور ابوسفیان کے مسئلے کو کیوں نہیں لیتے یا اس سے بھی پیچھے جا کر ہابیل وقابیل پر کیوں گفتگو نہیں کرتے، یا آدم وشیطان کا واقعہ کیوں بیان نہیں کرتے۔مجالس امام حسینؑ میں خلفاء کا مسئلہ اٹھانا بہرحال ایک غیر منطقی گفتگو ہے۔

۴۔ امام عالی مقامؑ نے جو چوتھا نکتہ اپنے خطبوں میں اُٹھایا ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی امت کی اصلاح ہے۔افسوس کہ ہماری عزاداری اس اہم فریضہ سے بھی عاری نظر آتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قیام امام حسینؑ کے بنیادی موضوعات یہ چار عناصر تھے:

۱۔ اسلام کی حقیقت کو زندہ کرنا۔

۲۔ حقیقی خلافتِ اسلامی کا قیام اور معاشرہ میں نفاذِ اسلام۔

۳۔ یزید وآل ابوسفیان کی اسلام ومسلمین کے ساتھ خیانت کو آشکار کرنا۔

۴۔ امر بالمعروف نہی از منکر اور امت کی اصلاح۔

اس لحاظ سے ہماری مجالس عزاداری کے موضوعات کو بھی مندرجہ بالا نکات پر مشتمل ہونا چاہے تا کہ صحیح معنوں میں حق عزاداری ادا ہواور زہرا مرضیہ (س) بھی ہم سے راضی ہوں کہ جس مقصد کیلئے انکے جگر گوشہ نے یہ عظیم مصائب جھیلے انکے عزاداروں نے اس مقصد کو زندہ رکھا ہے۔ بصورت دیگر ہماری عزاداری کو ایک کھوکھلی رسم کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

عزاداری کا دوسرا حصہ وہ نوجوان ہیں جو نوحہ خوانی، سینہ زنی، زنجیر زنی اور دیگر چیزوں اہتمام کرتے ہیں۔ ہم جس طرح دیگر اداروں کے بارے میں زبان کھولتے ہیں اور قلم اٹھاتے ہیں، ان نوجوانوں کے متعلق اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس اتنی جرت نہیں ہے کیونکہ نوجوان حضرات جلد طیش میں آ جاتے ہیں۔ ان کی جوانی کی صفت یہ ہے کہ وہ کسی منطق کو سنتے ہی نہیں۔ ان لوگوں کا خود بھی یہ کہنا کہ ہم عزاداری کے بارے میں کچھ سننے کیلئے تیار نہیں ہیں خواہ کوئی بھی کہہ رہا ہو۔ ایسی صورتِ حال میں کچھ کہنا یا قلم اٹھانا بیکار ہے۔ ان جذباتی نوجوانوں کا کہنا ہوتا ہے کہ اگر عزاداری کے بارے میں کسی نے ہم سے الجھنے کی کوشش کی تو ہم انہیں سبق سکھا دیں گے۔ لہذا ہم ان سے الجھ تو نہیں رہے، صرف چند سوالات کی اجازت چاہتے ہیں:

۱۔ وہ افراد جو آپ کو اس رویئے کی یا اس طریقہ کار کی تشویق دلاتے ہیں اور اسی کو عین اسلام اور خدمت اہل بیتؑ قرار دیتے ہیں، آپ (نوجوانوں) کو علی اکبرؑ سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن خود منبر سے اترتے ہی مسلح محافظوں کے نرغے میں کیوں غائب ہو جاتے ہیں؟ آپ کے ساتھ سڑکوں پر یا کسی چوک پر کیوں زنجیروں کا ماتم نہیں کرتے؟

۲۔ آپ جس امامؑ کی پیروی کرتے ہیں کیا وہ دشمنوں سے یہ کہتے تھے کہ ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے یہ منطق تو ان کے مخالفین کی ہے تو آپ اس منطق کی کیوں پیروی کر رہے ہیں؟

۳۔ کیا امام حسینؑ، امام سجادؑ اور دیگر بالخصوص امیر المومنینؑ کے وہ خطبات جن سے نہج البلاغہ پُر ہے توحید خداوندی سے متعلق نہیں ہیں؟ دعائے عرفہ اور دعائے کمیل میں کیا ہے؟ وہ سعودی عرب جو دنیا

وہابیت کا مرکز ہے جہاں ہر چیز کو باآسانی شرک قرار دے دیا جاتا ہے اسی سعودی عرب میں روضۂ رسولؐ کی طرف منہ کر کے ایرانی اور دوسرے ممالک کے حاجی دعائے کمیل کی تلاوت کرتے ہیں۔ لیکن کبھی سعودی حکومت نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ دعائے کمیل کے فقرات سے شرک کی بُو آتی ہے، جبکہ ایرانی حاجیوں اور زائرین کی دیگر سرگرمیوں، جلسے جلوس وغیرہ پر مکمل پابندی عائد ہے، لیکن دعائے کمیل اب بھی ہوتی ہے! دنیا کا متعصب ترین وہابی بھی یہ نہیں کہتا کہ امیر المومنینؑ، امام حسینؑ یا حضرت عباسؑ (نعوذ باللہ) مشرک تھے۔ لیکن جب ہم ان مقدس ہستیوں کے نام پر عزاداری کرتے ہیں تو ہمیں مشرک اور کافر کہا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا اس کا واضح جواب آپ کے پاس ہے؟ اگر ہے تو آپ کو چاہیے تحریر میں یا پھر اسی منبر سے اپنی تقریروں کے ذریعے خوش اسلوبی کے ساتھ اور آداب گفتگو کا خیال کرتے ہوئے جواب دیں تا کہ یہ طے ہو سکے کہ ہم کافر یا مشرک نہیں ہیں۔ لیکن اگر آپ کے پاس ان الزمات کا جواب بھی نہ ہو اور آپ کی رسومات اور طور طریقوں سے شرک کا شائبہ ہوتا ہو تو نہ صرف اپنے لئے بلکہ اہل بیت کے نام کی خاطر ان حرکتوں کو ترک کر دینا چاہے۔ جن کی وجہ سے مخالفین کو اس قسم کے الزامات عائد کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اقتباس از کتاب

افقِ گفتگو

تالیف: سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

(طبع دوم (شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ) صفحہ ۵۷۱ تا ۶۰۲)

فہرست مضامین

عنوان — صفحہ

فہرستِ مضامین

☆۔ تمہید ــــــــ ۳

۔حماسہ ــــــــ ۳

(۱) لباسِ طواف ــــــــ ۴

(۲) وقوفِ عرفہ ــــــــ ۵

(۳) سرزمینِ منیٰ میں محفلِ مشاعرہ ــــــــ ۵

(۴) گھروں میں دروازوں سے داخل ہونے کو خلافِ احترام گردانا ــــ ۵

(۵) ایامِ حج میں تبدیلی ــــــــ ۶

۔حماسہ مذموم یا ناپسندیدہ تشدد ــــــــ ۷

۔تشدد مذموم اور عدمِ تفہیم ــــــــ ۱۲

۔مذموم تشدد اور تفسیر باطل ــــــــ ۱۳

۔تشدد مذموم کا نتیجہ: تمسک سے محرومی ــــــــ ۱۳

۔حماسہ ممدوح یا پسندیدہ تشدد ــــــــ ۱۴

۔حماسۂ حسینی ــــــــ ۱۸

۔شہید مرتضیٰ مطہریؒ اور حماسہ سازی ــــــــ ۲۶

☆۔ مقدمہ ــــــــ ۳۳

☆۔ پہلا باب (حادثۂ کربلا کی تاریخی بنیاد)

ہ۔صدرِ اسلام کے پیچیدہ واقعات ــــــــ ۳۹

عنوان — صفحہ

ہ۔حضرت علیؑ کی اجتماعی قوت سے معاویہ کا مقابلہ ــــــــ ۴۵

ہ۔امام حسینؑ اور وہ مصلحین جنہوں نے قیام کیا ــــــــ ۵۴

ہ۔اجتماع میں شہید اور شہادت کی قدر وقیمت ــــــــ ۵۷

۔منطقِ منفعت اور منطقِ حقیقت ــــــــ ۵۷

۔مقدس ہدف اور حسِ تعالیٰ، حسِ تقدس ــــــــ ۵۸

۔مقدس تحریکیں ــــــــ ۶۰

ہ۔تحریک حسینی میں ایک قوی ادراک کا وجود ــــــــ ۶۱

۔امام حسینؑ کی شہادت میں داخل عوامل کا خلاصہ ــــــــ ۶۷

ہ۔ایک نہضت کے تقدس کے علل ــــــــ ۶۸

ہ۔سید الشہداءؑ کا لقب ــــــــ ۷۳

۔اصحابِ امام حسینؑ اور اہل بدر وصفین ــــــــ ۷۴

۔جہل اور ظلم سے مقابلہ ــــــــ ۷۵

۔اہل کوفہ کیوں امام حسینؑ سے جنگ کرنے نکلے؟ ــــــــ ۷۵

۔دو چیزیں حسینؑ کی آنکھوں کی روشنی کا سبب بنی ــــــــ ۷۶

۔مصلحین الٰہی کے فلسفۂ قیام کے بارے میں قرآن کا بیان ــــــــ ۷۷

۔مرد بزرگ کون؟ ــــــــ ۸۱

ہ۔کربلا کی تمام مصیبتیں اسلئے تھیں کہ امامؑ نے اپنی رائے کا سودا نہیں کیا ــــــــ ۸۵

۔کربلا بشر کی معنویت وروحانیت کی نمائشگاہ تھی نہ کہ جنایت کی ــــــــ ۸۵

۔کیوں حضرت حُرؒ نے اپنی روحی کیفیت کو تبدیل کیا؟ ــــــــ ۸۶

صفحہ	عنوان
۸۷	۔شہادت سید الشہداءؑ کا سب سے زیادہ دردناک پہلو
۸۷	۔امام حسینؑ کی شہادت کے تین مرحلے
۸۸	۔سیاست اموی کی خصوصیات: نژادی تعصب کی آگ کا بھڑکانا اور شعر و شاعری کی ترویج
۹۱	۔رضا اور تسلیم
۹۲	**ہ۔اباعبداللہ کی شہادت اور مظلومیت کے بارے میں عام طور پر ذاکرین کی منطق**
۹۵	۔آیا امام حسینؑ کے پاس کوئی خصوصی دستور تھا؟
۹۷	**ہ۔معاویہ و یزید میں فرق**
۹۹	**ہ۔امام حسینؑ کیوں شہید ہوئے اور آئمہ اطہارؑ نے عزائے حسینی کو قائم کرنے کی ترغیب کیوں دی؟**
۱۰۳	**ہ۔امام حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے کا مسئلہ**
۱۰۵	۔تحریف کلمہ اور تحریف حادثۂ امام حسینؑ
۱۰۵	**ہ۔امام حسینؑ نے خلفاء اور اسلام کے مقابل قیام کرنے کے درمیان تجزیہ کیا**
۱۰۵	۔قیام حسینی کا اثر
۱۰۶	۔حادثۂ کربلا کے دو چہرے
۱۰۸	۔عوامل نہضت امام حسینؑ
۱۲۲	**ہ۔شبِ عاشورا امام حسینؑ کا اپنے اصحاب کو جمع کر کے ان سے باتیں کرنا**
۱۲۳	**ہ۔قیام حسینی کے موضوعات**
۱۲۴	**ہ۔کربلا میں بنوامیہ کے اصحاب اپنے عقیدہ سے جنگ لڑ رہے تھے**
۱۲۵	۔آل علیؑ کی کامیابی کے ذرائع سے کام لینے میں کراہت

صفحہ	عنوان
۱۲۶	۔سید الشہداءؑ کے قاتلین کے نفسیات کا تحلیل و تجزیہ
۱۲۷	**ہ۔آل علیؑ اور آل معاویہ میں اختلافات کے اسباب**
۱۲۹	**ہ۔ابوسفیان کی اسلام دشمنی**
۱۳۰	**ہ۔یزید کی ولیعہدی کے مقدمات**
۱۳۳	۔بنوامیہ کا اسلام میں عصبیت سے استفادہ کرنا
۱۳۳	۔علویوں کے خلاف معاویہ کی تبلیغاتی جنگ
۱۳۴	**ہ۔دور جاہلیت میں ہاشمی اور اموی تربیت**
۱۳۵	۔خلقِ ہاشمی اور خلقِ اموی
۱۳۵	۔معاویہ کا اخلاق حاملِ فضیلت نہ تھا
۱۳۷	**ہ۔امام حسینؑ کا نسب شریف اور واقعہ عاشورا میں اس کا اثر**
۱۳۷	۔ابوذرؓ سے امام حسینؑ کے فرمودات
۱۳۹	**ہ۔یزید کی تربیت اور اس کے روحی اور اخلاقی صفات**
۱۴۴	**ہ۔قلوبھم معک و سیوفھم علیک**
۱۴۶	**ہ۔معاویہ اور یزید کے انصار اور مشیروں میں فرق**
۱۴۶	۔شمر، عبیداللہ اور مسلم بن عقبہ کے اخلاق و صفات
۱۴۹	**ہ۔امام حسینؑ کا غیر معروف راستہ سے سفر کرنے سے احتراز**
۱۵۰	**ہ۔اباعبداللہؑ کی جنگ میں پہل کرنے سے کراہت**
۱۵۱	۔عمر سعد کا مأمور ہونا

عنوان	صفحہ
۔امام حسینؑ سے لوگوں کی جنگ کرنے سے باطنی کراہت	۱۵۱
۔فلسفۂ قیام حسینیؑ	۱۵۲
ہ۔کلمۂ کربلا	۱۵۴
۔روحیۂ اصحاب امام حسینؑ، ان کا عشقِ صادق اور ان کا انتخاب مرگ وایثار	۱۵۴
۔منطق ابن عباس اور منطقِ امام حسینؑ	۱۵۶
ہ۔حضرت اباعبداللہؑ کے وہ صفات جو کربلا میں ظاہر ہوئے	۱۵۷
۔بشر کے درمیان نور وظلمت کی جنگ کا فلسفہ	۱۵۸
۔ابن زیاد کے اصحاب کا روحیہ	۱۵۹
۔اصحابِ عمر سعد کی باطنی خباثت	۱۶۰
۔اصحابِ سید الشہداءؑ میں نظم	۱۶۰
۔اباعبداللہؑ کے اصحاب کی شجاعت اور لشکرِ عمر سعد کی عقب نشینی کی حکایت	۱۶۱
۔لشکر عمر سعد کے دیائیت مآبانہ اعمال	۱۶۱
ہ۔یزید کے وہ تین اقدام جو امویوں کے زوال کا سبب بنے	۱۶۳
۔دنیا میں سید الشہداءؑ کی پاداش اور فلسفۂ تعظیم عاشورا	۱۶۳
☆. دوسرا باب	
ہ۔ماہیت قیام حسینی کی یادداشت	۱۶۷
۔عامل بیعت	۱۷۲
۔امر بہ معروف ونہی از منکر کا موضوع	۱۷۳

عنوان	صفحہ
۔اہل کوفہ کی دعوت کا موضوع	۱۷۵
ہ۔نہضت حسینیؑ سے متعلق سوالات	۱۸۶
ہ۔قیام حسینیؑ سے متعلق یادداشت	۱۹۰
☆. تیسرا باب	
ہ۔حضرت امام حسین اور حضرت عیسیٰ مسیحؑ	۲۱۷
۔سید الشہداءؑ کی ولادت	۲۱۷
☆۔چوتھا باب	
ہ۔قیام حسینی میں امر بہ معروف کے عنصر	۲۳۵
☆۔پانچواں باب	
ہ۔عاشورا کے تاریخی واقعہ میں تحریفات	۲۴۵
۔لفظی تحریفات	۲۴۷
۔معنوی تحریفات	۲۴۹
۔تحریف معنوی۔ اسکی تین مثالیں	۲۷۱
۔تحریف کے اسباب	۲۷۴
۔لفظی تحریفات کی مثالیں	۲۷۶
۔تحریف معنوی	۲۷۷
۔کربلا کی جنگ میں چند چیزیں دشمن کی شکست کی علامت ہیں	۲۸۰
۔معرکۂ کربلا میں وہ چیزیں جو امام حسینؑ سے ظہور پذیر ہوئیں	۲۸۰

عنوان	صفحہ
ہ۔ ہماری ذمہ داری	۲۸۱
۔عوام کی تقصیر اور ان کی ذمہ داری	۲۸۶
۔رشدِ اجتماعی	۲۸۷
۔رشدِ اجتماع	۲۸۸
۔عوام کی ذمہ داری سے متعلق گفتگو کا خلاصہ	۲۹۳
۔یادداشت	۲۹۴
☆۔ چھٹا باب (کتاب ”حسینؑ وارثِ آدمؑ“ پر ایک تنقید)	
ہ۔ حسینؑ وارثِ آدمؑ	۲۹۷
☆۔ ساتواں باب (حماسۂ حسینی کی یادداشت)	
ہ۔ حماسۂ حسینیؑ	۳۰۳
۔تقویتِ شخصیت کے عوامل	۳۱۵
تضعیفِ شخصیت کے عوامل	۳۱۵
۔خلاصہ	۳۱۷
ہ۔ حماسۂ سیدالشہداءؑ	۳۱۸
☆۔ آٹھواں باب (نہضت حسینی میں تبلیغی عنصر کی یادداشت)	
ہ۔ نہضت حسینی میں تبلیغی عنصر	۳۲۳
۔توحیدی اور عرفانی پہلو	۳۳۰
۔درشتی اور غصہ کا پہلو	۳۳۰

عنوان	صفحہ
۔حماسہ آفرینی، مردانگی اور شرافت کے پہلو	۳۳۱
۔حادثہ کا اخلاقی پہلو	۳۳۱
۔موعظی اور نصیحتی پہلو	۳۳۲
۔اصول اجتماعی اور مساوات اسلامی	۳۳۳
۔(الف) ملامت اور سرزنش	۳۳۷
۔(ب) اشتباہ سے آگاہی	۳۳۸
۔(ج) ضمیر کو جھنجھوڑنا' عواطف کو حرکت میں لانا	۳۳۸
۔(د) انتقام الٰہی	۳۳۹
☆۔ نواں باب (متفرق یادداشت)	
ہ۔ آیا امام حسینؑ کے لئے کوئی خصوصی حکم تھا؟	۳۴۵
۔واقعۂ کربلا.....خون سے لکھا گیا پیغام	۳۴۵
ہ۔ سیدالشہداءؑ اور ان کے روح کی عظمت	۳۴۹
۔روح کی عظمت اور بزرگواری	۳۵۲
ہ۔ حسین بن علی☆ کے کلمات......امامؑ کی زندگی کے شعار	۳۵۴
ہ۔ حادثۂ کربلا میں مسیحی افکار کی تاثیر	۳۵۷
ہ۔ حسینیؑ مراثی......جنات کے مرثیے	۳۵۹
۔دعبل خزاعی	۳۵۹
ہ۔ امام حسینؑ، اصحابِ امامؑ اور افضل الشہداء......ابوالفضل العباسؑ	۳۶۰

عنوان	صفحہ

ہ۔کربلا کے تاریخ ساز شعائر ۳۶۱

۔کربلا میں عورت کا کردار ۳۶۳

۔امام حسینؑ اور ناز پروردگی ۳۶۳

۔سیدالشہداءؑ اور کرامت نفس ۳۶۳

۔امام حسینؑ......خونین انقلاب ۳۶۳

۔امام حسینؑ سخن مشترقین ۳۶۴

۔یادداشت ۳۶۴

ہ۔اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ۳۶۵

ہ۔حیات وقیام امام حسینؑ پر تحقیق کیوں؟ ۳۶۶

۔موضوعاتِ تحقیق ۳۶۹

۔(الف) اسنادِ تاریخ ۳۶۹

۔(ب) تفاسیر وتاویلات ۳۷۱

۔(ج) مراثی ونوحہ جات ۳۷۴

۔مجالس اور مذاکرہ کا اہتمام ۳۷۶

ہ۔عزاداری مظلوم کی حمایت کرنے کی دعوت ہے ۳۷۹

۔عزاداری امام حسینؑ اور دینی ادارے ۳۸۴

۔موقوفات عزاداری ۳۸۵

۔تحفظ عزاداری کے نام سے مذموم عزائم کی مہم جوئی ۳۸۷

۔قصۂ گریہ ۳۸۸